راحت جبیں

ساری بھول ہماری تھی

کالج وین مین دروازے کے سامنے رکی۔ وین میں ایک ہی لڑکی تھی، جو فائل اور بیگ تھامے باہر آئی۔ اس کے گھر تک آتے آتے وین پوری خالی ہوجاتی تھی اور آج تو مریم نے بھی چھٹی کی تھی۔ سفید یونیفارم پر میرون جرسی اور سفید دوپٹہ اوڑھے، جس کے چاروں طرف میرون گوٹ لگی تھی۔ عریشہ کے ہر ہر انداز میں الھڑپن اور لاپروائی نمایاں تھی۔

"اوہ۔ امی ابھی تک نہیں آئیں۔" دروازے پر لگا تالا دیکھ کر عریشہ نے بے زاری سے سوچا۔ وین فراٹے بھرتی چلی گئی۔ عام طور پر عادلہ اس کے آنے سے قبل گھر پہنچ جاتی تھیں اگر کبھی کبھار دیر ہوجاتی تو اضافی چابی عریشہ کے پاس بھی موجود ہوتی تھی۔ اس نے بیگ کھنگال کر چابی نکالی اور دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ عادلہ صبح صفائی کر کے جاتی تھیں۔ سو سارا گھر صاف ستھرا تھا۔ بیگ رکھ کر ہاتھ منہ دھو کر وہ کچن میں آگئی۔ پتیلی کا ڈھکن اٹھایا تو سامنے بینگن منہ چڑا رہے تھے۔

"موسم بدل گیا مگر یہ سبزی جان نہیں چھوڑے گی۔" اس نے منہ بنایا اور کچن بند کر کے باہر آگئی۔ دیوار کے دوسری طرف سے تایا کی گونج دار آواز ابھری۔

"میں نے کہا آج رات کا کھانا لے گیا نہیں۔"

عریشہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ دوسری طرف صحن میں بیٹھی ناشپاتی کھاتی تائی جی بھر کے بدمزہ

ناولٹ



ہو گئیں۔
"ان کی تو مت ہی ماری گئی ہے۔ دوپہر کے وقت رات کا کھانا یاد کر رہے ہیں۔"
"اس بڈھی کا بس چلے تو میری زبان ہی کاٹ دے۔" وہ تلملائے۔
"ہاں۔ کسی دن اپنا نام برکت حسین کی جگہ برکت بی بی رکھ لینا۔" وہ اپنی بات پر خود ہی ہنسیں اور دیر تک ہنستی چلی گئیں۔ تایا تو گویا پتنگے لگ گئے۔
"تجھ جیسی بدتہذیب عورتیں جہنم میں جائیں گی' جو شوہروں کی سرعام بے عزتی کرتی ہیں۔"
"ارے۔ میں نے کون سا ڈانگ مار دی۔"
"اچھا۔ یہ حسرت بھی ہے' یا اللہ! مجھے اٹھا لے یا اس عورت کو۔"
"ہائے' ہائے۔ صرف اپنی بات کرو۔ مجھے تو ابھی زندگی میں بہت کچھ دیکھنا ہے۔" تائی بدکیں۔
"ہاں۔ تیری تو یہی خواہش ہے کہ میں کسی دن سوتا ہی نہ اٹھوں' تجھے کی زندگی ملتی ہے۔"
ڈیوڑھی میں موجود دوسرا دروازہ کھول کر عرشیہ اندر آئی تو ہنستے ہنستے بے حال ہو رہی تھی۔ گویا ساری مہذب گفتگو دیوار کے دوسری طرف بھی سنائی دی تھی۔ عین سامنے بیٹھک کا دروازہ کھلا تھا اور تایا حقے کی نے منہ میں دبائے پلنگ پر دراز تائی پر جوابی حملے کر رہے تھے۔
"تایا جی! اتنا غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔"
"چپ کر' استانی کی اولاد! آجاتی ہے سبق پڑھانے۔" انہوں نے ڈپٹا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس دی۔
"استانی کی اولاد تو ہوں۔"
"اچھا۔ اچھا تمہاری ماں نے پکایا کیا ہے؟"
"بینگن۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔
"تیری ماں تو ہے ہی سدا کی کنجوس۔"
"تایا اسی لیے تو ادھر آئی ہوں۔"
"ہاں' ہاں' ادھر کچن میں جا کوفتے بنے ہیں' خود بھی کھا اور میرے لیے بھی لے آ۔" انہوں نے اپنے تئیں سرگوشی کی تھی جو اڑتی ہوئی تائی تک پہنچ گئی۔
"ہاں۔ تمہارا چٹورا پن نہ گیا! اپنی بھوکی نیت ہر کسی کو دو کھایا کرو۔"
"زبان کھینچ لوں گا۔ زیادہ بک بک کی تو ایک کوفتہ تیرے منہ میں بھی ٹھونس دوں گا۔" عرشیہ ہنستی ہوئی صحن میں آ گئی۔
"تائی صدقے' میری بچی ابھی تک بھوکی پھر رہی ہے' ہاں کیسی آئی؟"
"کوں ہوں۔" وہ پاس بیٹھ کر ناشپاتی کھانے لگی' جبکہ تائی کریلا تلنے لگی تھیں۔
"فریج میں رکھ دو ٹھنڈا ہو جائے' کھانے کے بعد کھا لینا۔ میں روٹی بناتی ہوں۔" انہوں نے کریلا عرشی کی طرف بڑھایا۔
"تایا کے لیے بھی بنائیے گا۔"
"ہاں۔" انہوں نے برا سا منہ بنایا۔
"تب نہ میری روٹی پکاتے تو تیرے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔ رہنے دے۔" تایا صحن میں وارد ہوئے اور اونچی اونچی آوازیں دینے لگے۔ "فریدے۔ فریدا!"
بارہ تیرہ سال کا فرید اس گھر کا سب سے چھوٹا بچہ تھا' اوپر سے دوڑا آیا۔
"جی ابا!"
"ابا کے بچے' تو اوپر کیا کر رہا تھا؟ پتنگ بازی؟" انہوں نے کان پکڑا۔
"قسم سے ابا' میں نے تو پتنگ دیکھی ہی نہیں۔"
"ہاں' تو تو آج ہی پیدا ہوا ہے' پورے کا پورا اپنی ماں پر گیا ہے۔"
تایا کے اس جملے پر تائی نے گھور کر دیکھا مگر کہا کچھ نہیں کیونکہ منہ میں کریلے کا ٹکڑا تھا۔
"چل بھاگ کر جا ایک کلو گرم گرم دودھ میں آدھ کلو جلیبی ڈلوا لا۔"
عرشیہ اس دوران شاپر دیکھنے لگی جس میں جاپانی پھل بھی تھے۔ لگتا تھا آج دل کھول کے فروٹ منگوایا تھا۔

تایا کے گھر کے حالات ہمیشہ سے ایسے ہی تھے۔ جب جیب آتا پیل کھول کے خرچ ہوتا اور مہینے کے آخر میں ادھار مانگتے پھرتے۔
"دودھ جلیبی سے جسم میں طاقت آتی ہے۔ ورنہ یہاں تو مجھے بھوکا مارنے کا ارادہ ہے۔" انہوں نے تائی کو قہر بار نگاہوں سے گھورا۔
"ہاں انہوں نے پہلوانی جو کرنی ہے۔" تائی بڑبڑائیں۔
"کیسی تیر اگلا رہا ہے پھوہڑ عورت!"
"ہائے۔ تایا جی! ایسے تو نہ کہیں۔" عرشیہ نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔ تایا بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ بیٹھک میں چلے گئے۔
"تو کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے' چل جا دودھ جلیبی لے آ۔" انہوں نے فرید کو گھر کا۔ وہ تیزی سے باہر بھاگ گیا۔
"میری تو ساری عمر ان کی گالیاں کھاتے گزر گئی عرشی! یہ فروٹ سنبھال کر فریج میں رکھ دے میں روٹی بنا لوں۔"
"مریم اور فاطمہ آپی کہاں ہیں؟"
"فاطمہ تو نہا رہی ہے اور مریم کو سوائے رسالے پڑھنے اور سونے کے اور کون سا کام ہے۔ اب روٹی کی خوشبو سونگھ کر آجائے گی۔ سارا سکھ تو فاطمہ کی وجہ سے ہے' ورنہ اس عمر میں بھی ہنڈیاں گھساتی پھرتی۔" وہ گھٹنوں پر زور دے کر کھڑی ہو گئیں۔ عرشیہ نے سارا فروٹ سنبھال کر فریج میں رکھا اور تائی کے پاس ہی آ کے موڑھے پر بیٹھ گئی جو روٹی بنا رہی تھیں۔
"کہاں کھو گئیں میری بدرائیں؟"
"دیکھا۔ کھانے کی خوشبو کھینچ لائی۔" تائی نے عرشیہ سے کہا تو وہ مسکرا کر مریم کو دیکھنے لگی۔ مریم بکی بکی سی تھی۔ نقش اچھے تھے مگر رنگت زیادہ صاف نہ تھی۔ چہرے پر کہیں کہیں سیاہ تل بھی تھے۔ وہ اور عرشیہ کلاس فیلو بھی تھیں مگر مریم کا دھیان پڑھائی کی طرف زیادہ نہ تھا۔ اس کی نسبت عرشیہ ہمیشہ اچھی پوزیشن لیتی۔ شاید اس کی وجہ عادلہ کی سختی تھی کہ وہ سارے لاڈ اٹھاتیں مگر پڑھائی کے معاملے میں ایک نہیں سنتی تھیں۔
"اور جو محترمہ کو کوفتوں کی خوشبو اوپر تک پہنچی۔"
"وہ۔" مریم نے طنز کیا تو عرشیہ کھسیانی سی ہو گئی۔
"کیسی فضول بات کر رہی ہو؟ اس کا اور ہمارا گھر الگ تو نہیں ہے۔ جاؤ عرشی اوپر سے ثوبان کو بلا لاؤ۔" تائی نے عرشیہ کے لیے سالن نکالتے ہوئے کہا۔
"ثوبان بھائی گھر پر ہیں؟" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
"ہاں آج یونیورسٹی سے جلدی آ گیا تھا۔"
"میں ابھی بلا کر لاتی ہوں۔" عرشیہ باہر نکلی۔ مریم نے اس کی جگہ بیٹھ کر سالن کا پیالا سامنے کیا۔
"کوں ہوں۔ یہ عرشیہ کے لیے ہے۔" تائی نے ٹوکا۔
"سارے کوفتے اسی کی پلیٹ میں بھر دیے۔" مریم نے ہمیشہ کی طرح حسد سے کہا۔
"بے وقت بکواس نہ کیا کرو' ہانڈی بھری ہوئی ہے۔" تائی نے گھر کا۔
"آج کی بات نہیں ہے' آپ ہمیشہ فرق کرتی ہیں۔" مریم کے اپنے ہی گلے تھے۔
"یہ سارا سامان اس کے باپ کے اسٹور سے آتا ہے۔" تائی نے جتایا۔
"کیوں محنت تو ثوبان بھائی کرتے ہیں۔"
"تیرا چاچا جما جمایا کاروبار چھوڑ گیا تھا۔"
"امی آپ کیوں شروع ہو گئیں' میں نہا کر جا رہی تھی۔" فاطمہ اندر آئی۔
گندمی رنگت والی فاطمہ کے چہرے پر بلا کی ملاحت تھی تو انداز و اطوار میں سمجھ داری اور ٹھہراؤ۔ ایف اے کے بعد اسے پڑھنے کی اجازت نہیں ملی تو اس نے گھرداری سنبھال لی۔ بچپن ہی سے وہ اپنی چاچی عادلہ کے زیادہ قریب رہی تھی' سو انہی جیسی پیاری عادات کی مالک بن گئی۔ کم از کم حمیدہ خاتون کی بیٹی نہیں لگتی تھی۔
"تو جا کر اپنے بال سکھا لے۔ سارا دن تو گی ہی

رہتی ہے۔ یہاں تو مرچکوں نے جان کھائی ہوئی تھی۔"

"کمال! ہروقت باتیں ہی سناتی رہا کریں۔" مریم چڑ کر بولی۔

"تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہیں۔" وہ بھی حمیدہ خاتون تھیں۔



ثوبان اپنے کمپیوٹر پر مصروف تھا۔ ثوبان کا کمرا پورے گھر سے الگ تھلگ پرسکون اور خوب صورت تھا۔ کمرے میں وہ کسی اور کو آنے بھی نہیں دیتا تھا۔ انجینئرنگ پڑھ رہا تھا سو تائی کے خاندان میں اس کی پڑھائی کی خاصی دھاک تھی، کیونکہ ان کے خاندان میں زیادہ تر دکان دار ہی تھے۔ وہ تو اب آکر لوگوں نے اپنے بچوں کو پڑھانا شروع کیا تھا۔ ان میں سے بھی زیادہ تر میٹرک، ایف اے سے آگے نہ نکلے۔ ایسے میں حمیدہ خاتون کا فخر تو بنتا تھا۔

دروازہ کھلا تھا۔ عریشہ کچھ لمحے دروازے پر ہاتھ رکھے ثوبان کو دیکھتی رہی۔

ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے، جب دل کی سرزمین پر محبت کی پہلی کونپل پھوٹی تھی۔ اسے ثوبان اچھا نہیں بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اسے گھنٹوں سوچتی، اس کی ایک جھلک کے لیے تائی کے گھر کی چکر لگاتی۔ ثوبان انجان تھا یا انجان بن رہا تھا، بہرحال ثوبان کی طرف سے ابھی تک کوئی پذیرائی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ کم عمر اور الھڑسی عریشہ نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر چہرہ کھلی کتاب بن گیا تھا۔

"ارے۔ عرشی! تم کب آئیں؟" ثوبان کی آواز پر وہ بری طرح چونکی۔

"وہ۔ تائی جان کہہ رہی ہیں۔ آکر کھانا کھالیں۔"

"یہ پیغام اتنا مشکل تو نہیں کہ اس کے لیے چند منٹ کھڑے ہو کر سوچنا پڑے۔" ثوبان مسکرایا اور کمپیوٹر بند کرنے لگا۔ عریشہ بری طرح خجل ہو گئی۔

"تمہارا کالج کیسا جا رہا ہے؟"

"کہیں نہیں جا رہا، وہیں کھڑا ہے۔" عریشہ ہنسی۔

"اور تم؟" ثوبان بھی مسکرا دیا۔

"میں۔ میں تو بہت آگے نکل گئی ہوں۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"مطلب؟" ثوبان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کچھ نہیں۔ جلدی آجائیں، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" عریشہ نظریں چرا کر نیچے اتر گئی۔ وہاں فاطمہ دودھ کے پیالے میں جلیبیاں ڈال رہی تھیں۔

"عرشی! یہ تایا کو دے آؤ۔"

عریشہ فاطمہ کے ہاتھ سے پیالا لے کر بیٹھک میں گئی تو تایا دیکھتے ہی بولے۔

"ساری ڈال دیں، یا تمہاری تائی نے اپنے لیے بھی سنبھال لیں؟"

"پتا نہیں، کھانے سے پہلے تول لیجیے گا۔" عریشہ نے پیالا ان کے سامنے میز پر رکھا۔

"دیکھو۔ ان بدذاتوں کے کرتوت، خود تو کوفتے کھائیں گے اور مجھے دودھ جلیبی پر ٹرخا دیا۔"

"ارے۔ آپ نے تو۔" حیرت سے عریشہ کا منہ کھل گیا، پھر کچھ بھی کہنا بے فائدہ جانتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ کر کچن میں آگئی۔ ٹوٹ کر کھانا کھانے کے بعد ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"تائی اب تو میں بھی یہیں تن کے سوؤں گی۔"

"ارے یہ برتن کون دھوئے گا؟" مریم نے لڑاکا انداز میں پوچھا۔

"جس نے آج چھٹی کی تھی۔" وہ مریم کا گال کھینچ کر بھاگ لی۔ پیچھے مریم بیچاری رہ گئی تھی۔



وین نے اسے حسب معمول سڑک پر اتارا تھا۔ سامنے سرسبز کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ کھیتوں کے درمیان نکلتی پگڈنڈیاں اور وہ ٹوٹی پھوٹی سڑک، جو روز اسے گاؤں تک لے جاتی تھی۔ یہاں سے اگرچہ گاؤں کے خدوخال واضح ہو رہے تھے، مگر گاؤں کے آخری کونے

تک پہنچتے پہنچتے اچھا خاصا فاصلہ بن جاتا تھا۔ اگر کوئی سائیکل سوار یا ریڑھی والا ملتا تو وہ آرام سے اس کے پچھلے پر بیٹھ کر گاؤں تک پہنچ جاتا تھا، نہ ملتا تو چلتے چلتے پاؤں شل ہو جاتے۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں دور تک جاتی سڑک کو دیکھا۔ بھوک سے پیٹ میں اینٹھن پڑ رہی تھی۔ آج کالج میں اتنا وقت کہاں ملا کہ دوستوں سے نظر بچا کر ماں کا بیگ میں رکھا اچار پراٹھا ہی کھا لیتا۔ حالانکہ اس کے دوست بھی متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے، مگر شاید ان کے گھر کبریٰ نہیں ہوتی تھی۔

کبریٰ چچی کا خیال آتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"چل بیٹا ابرار! اماں کا اچار پراٹھا یہیں کھالے، ورنہ گھر جا کر تو کچھ نہیں ملنے والا۔"

وہ بڑ پھلانگ کر شہتوت کے درخت تلے آبیٹھا اور بیگ سے ٹفن نکال لیا۔ پراٹھا ٹھنڈا تھا، مگر چونکہ گھی سے بنا تھا، اس لیے نرم تھا اور پھر بھوک کہاں دیکھتی ہے کہ کھانا گرم ہے یا ٹھنڈا۔

نوالہ پیٹ میں جاتے ہی پپوٹے بوجھل ہونے لگے۔ اس نے اکتاہٹ سے اس فاصلے کو دیکھا۔ روز کا معمول تھا، مگر آج ٹوٹتے بدن پر تھکاوٹ کا غلبہ کچھ زیادہ ہی تھا۔

"لگتا ہے بخار ہونے والا ہے۔" اس نے اپنا ماتھا چھو کر دیکھا، پھر بیگ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ خیال تھا کہ تھوڑی دیر سستا کر جائے گا، مگر لیٹتے ہی نیند کا غلبہ ہو گیا۔ آخری خیال جو ذہن میں آیا۔ وہ یہ ہی تھا کہ ماں انتظار کر رہی ہو گی۔



جمیلہ نے سارا گوبر سمیٹ کر ایک طرف ڈھیر کیا۔ نلکا چلا چلا کر ساری بھینسوں کو پانی پلایا، تب ہی کبریٰ بالٹیاں اٹھائے آگئی۔ دونوں بھینسوں کو پچکار کر وہ دوہنا شروع کر دیا، مگر اس سارے کام کے دوران بھی جمیلہ کا سارا دھیان گھر کے دروازے کی طرف تھا۔ ابرار جس وقت آتا تھا اس سے ایک گھنٹہ اوپر ہو گیا تھا۔

"سلام آپا!"

"آ بھائی اکرم۔ بس تھوڑا کام ہی رہتا ہے۔"

اکرم اس پورے گاؤں سے دودھ اکٹھا کر کے شہر لے جاتا تھا۔

"کبریٰ! بس! جلدی کر، تجھے پتا بھی ہے، مجھے شہر پہنچتے پہنچتے دیر ہو جاتی ہے۔"

کبریٰ بھری ہوئی بالٹیاں اٹھا کر اس کے قریب چلی گئی۔ اس نے ناپ کر دودھ اپنے ڈرم میں ڈالنا شروع کیا۔ جمیلہ نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"بھائی اکرم! تجھے آتے ہوئے میرا ابلو نظر نہیں آیا؟"

کبریٰ نے کھا جانے والی نظروں سے جمیلہ کو

دیکھا۔

"اس ویلے آوارہ کو کوئی کم ہے‘ جو گھر واپسی کی جلدی ہو۔ صبح صبح دو پراٹھے ڈکار کے بستہ لٹکا کر چلتا بنتا ہے۔ تو تو شہر بھیج کے بے فکر ہو جاتی ہے کہ پتر کالج جا رہا ہے۔ آگے وہاں نہ جانے کیا کیا گل کھلا رہا ہو گا۔"

"کبری! تو میرے پتر کے معاملے میں نہ بولا کر‘ تیری بڑی مہربانی۔" جمیلہ نے کھٹاک سے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ کبری کا منہ بن گیا۔

"ہاں ہاں‘ چنگی گل تجھے ماڑی ہی لگتی ہے۔ ادھر شہر کے لڑکے ایک نمبر کے آوارہ ہوتے ہیں۔ چھپ چھپ کر پتا نہیں کیا کیا پیتے ہیں۔ اللہ جانے یہ بھی پڑھنے جاتا ہے بھلا۔"

"تو کیا ادھر پنڈ میں بھی نہیں گئے۔ ادھر کے لڑکے سارا دن گلیوں میں گولیاں نہیں کھیلتے۔ ادھر سارے فرشتے بستے ہیں؟ دیکھ کبری! میں تیری ساری کڑوی بات چپ کر کے سن گئی ہوں‘ پر میرے پتر کے خلاف بات نہ کیا کر۔ اس جیسا پورے پنڈ میں کوئی نہیں‘ جا کے ماسٹر صاحب سے پوچھ کون ہے جو شہر کے کالج جا کر پڑھتا ہو۔"

"اتنا مان بھی اچھا نہیں جمیلہ! جب کوئی دھیلا کما کے تیرے ہاتھ پر رکھے گا تب اچھلنا۔ ابھی تو کام کا نہ کاج کا‘ دشمن اناج کا۔"

"او بس! بیبو! جلدی مجھے فارغ کرو۔ میں نے دودھ لے کر شہر جانا ہے۔" اکرم نے اپنا سر پیٹ لیا۔

کبری نے غصے سے جمیلہ کو دیکھا۔

"یہ ہی اپنے پتر کا صفحہ کھول کر بیٹھ گئی۔ بڑا ہی انوکھا پتر جنا ہے۔ دودھ ڈال کر جلدی آ‘ ہانڈی چڑھانی ہے۔" کبری نخوت سے کہہ کر احاطے سے نکل گئی۔ جمیلہ نے بڑبڑاتے ہوئے باقی دودھ اکرم کو دیا اور ساتھ ہی اپنا سوال دہرایا۔

"رستے میں کہیں بلو نظر نہیں آیا؟"

"نہ‘ ادھر سے ہی آیا ہوں‘ مجھے تو کہیں نظر نہیں آیا۔"

"آج تو بڑی دیر لگا دی‘ کیا ویلا ہو گیا ہے۔" جمیلہ کے لہجے میں تشویش ہی تشویش تھی۔

"آجائے گا‘ جوان جہان سمجھ دار پتر ہے تیرا‘ کیوں فکریں نہ پال۔"

"کیا کروں بھائی! بلو کے سوا میرا ہے ہی کون؟" جمیلہ نے آہ بھری۔ پھر ایک ہاتھ میں خالی بالٹیاں اور دوسرے میں بھری بالٹی اٹھا کر اندر چلی گئی۔ فضا میں اکرم کے موٹر سائیکل کی گڑگڑاہٹ ابھری اور معدوم ہو گئی۔ جمیلہ نے اپلوں کی آگ جلا کر دودھ ابلنے کے لیے رکھا اور خود چوکھٹے سے باہر نکل آئی۔ یہاں کے دل کو قرار کہاں تھا؟ تیز تیز قدموں اور پھولی سانس کے ساتھ سڑک تک پہنچی۔ دور دور تک سڑک خالی تھی۔ جمیلہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس وقت تک شہر سے آنے والی آخری ویگن بھی جا چکی تھی۔

"کہاں رہ گیا میرا بلو۔" اس کا دل ڈوبنے لگا۔ کچھ لمحے یوں ہی کھڑی رہنے کے بعد پلٹی۔ اس کے سامنے کپاس کے وسیع کھیتوں پر پچھلی شام کی زردی سرخی رنگ میں گھل رہی تھی۔ آسمان پر پرندوں کی واپسی کا سفر شروع تھا۔ اسے لگا وہ اس پوری کائنات میں اکیلی ہے۔ بالکل قبرستان کے کنارے ایستادہ ٹنڈ منڈ درخت کی طرح ویران اور تنہا۔ تنہائی کا یہ احساس اتنا جان لیوا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تب ہی اس کی بھٹکتی نگاہیں شہتوت کے درخت سے ٹکرا کر جھک گئیں۔

"ہائے میرا بلو۔" وہ کلیجے پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف لپکی‘ جو گھٹنے سکوڑے اپنے بیگ پر سر رکھے سو رہا تھا۔ جمیلہ نے اسے جھنجوڑ دیا۔

"وے بلو! اٹھ۔ ادھر کیوں سو رہا ہے۔ ہائے میں مر گئی‘ تجھے تو بہت تیز تپ ہے۔"

"اماں تو یہاں کیا کر رہی ہے۔" وہ اٹھ بیٹھا۔

"ماں صدقے‘ ماں واری‘ تجھے دیکھنے آئی تھی‘ تیری آنکھیں کتنی سرخ ہیں اور پنڈا آگ بنا ہوا ہے۔ میرا دل اسی لیے تڑپ رہا تھا۔ چل اٹھ‘ تجھے گھر لے جاؤں۔"

"ارے اماں! میں چل سکتا ہوں۔" اگرچہ اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا‘ ٹانگوں [illegible] کھڑا ہو گیا۔ جمیلہ نے اس کا بیگ اور دوسرے ہاتھ سے بازو پکڑ لیا۔ گویا وہ ابھی گر جائے گا۔

تھوڑی دور آگے جا کر اسے فضلو اپنی ریڑھی کے ساتھ مل گیا۔ جو کھیتوں سے واپس جا رہا تھا۔ دونوں ماں بیٹا ریڑھی پر سوار ہو گئے۔ جمیلہ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگی۔



عادلہ نے آٹا اور بچا ہوا سالن فریج میں رکھا۔ برتن دھو کر ریک میں لگائے۔ اگرچہ وہ دو ہی تھے پھر بھی کام نکلتے رہتے۔ سلیب صاف کرتے ہوئے خیال کیا کہ اب یہ چھوٹے موٹے کچن کے کام انہیں عرشہ کے ذمے لگانے چاہئیں تاکہ وہ بھی تھوڑی بہت گھرداری سیکھ لے۔ کام کر لیتی تھی مگر اکلوتی ہونے کی وجہ سے لاڈلی اور نخریلی بہت تھی۔

وہ سلیب صاف کر کے کمرے میں آئیں تو عرشہ ہاتھ میں کتاب تھامے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیڈ پر نیم دراز کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"عرشی! اچھا سوؤ گی؟" انہوں نے بستر ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ آج تو ٹھنڈ بھی بہت ہے۔" وہ چونکی‘ پھر کتاب رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ "میں چائے بناتی ہوں۔"

وہ کپ بنا کر لائی تو عادلہ لحاف اوڑھے اونگھ رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے لحاف میں دبک گئی۔ حسب معمول ماں بیٹی نے بہت سی باتیں کرنا تھیں اور انہی باتوں کے دوران عرشہ نے اچانک سوال کر دیا۔

"امی! نانا نے کیا دیکھ کر آپ کی شادی اس خاندان میں کی تھی؟"

"کیوں؟" عادلہ نے حیرت سے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔

"بہت فرق ہے میرے ننھیال اور ددھیال میں۔ رہن سہن‘ بات چیت‘ عادات۔ وہاں سب پڑھے لکھے ہیں‘ یہاں سب کلن دار۔ صرف ذیشان ہی ہے جو اپنے کیرئیر کے بارے میں سنجیدہ ہے [illegible] چل۔ کیا ہوا امی! اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

وہ بات کرتے کرتے گڑبڑا گئی۔ عادلہ اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ آج انہیں احساس ہوا تھا بیٹی اب بڑی ہو گئی ہے۔ کالج جانے لگی ہے سو سوالات کی نوعیت بھی بدل گئی تھی۔

"ہم چھ بہنیں تھیں۔ سفید پوش‘ مگر پڑھا لکھا گھرانا۔ جہیز نہیں تھا اور اس زمانے کے ڈھنگ کچھ اور ہی تھے۔ سو ابا نے شریف اور باکردار لڑکا دیکھا اور بیاہ دیا۔ تمہارے ابو واقعی ان لوگوں سے مختلف تھے۔ پھر میں نے بھی ایڈجسٹ کر لی۔ ان کا جنرل اسٹور بھی اچھا چلنے لگا۔ سو مل بانٹ کر بہت اچھا گزارا ہو جاتا تھا۔ تمہارے ابو بہت شائستہ انداز و اطوار کے مالک تھے۔"

انہوں نے مختصراً بتایا۔

"میری شادی کرتے ہوئے بھی آپ یہی دیکھیں گی؟" یہ سوال کرتے ہوئے عرشہ کے سامنے صرف اور صرف ذیشان کا چہرہ تھا۔

"ظاہر ہے‘ نہ بیٹے! نصیب کی بات ہے۔ اصل چیز شائستہ اطوار اور مضبوط کردار ہے‘ لیکن عرشی! شرم کرو‘ لڑکیاں اپنی شادی کی بات خود نہیں کرتیں۔" آخر میں انہوں نے گھورا۔

"آپ تو میری سہیلی ہیں۔" عرشہ نے مسکرا کر کہا۔

"آپ سو جاؤ‘ پھر کہتی ہو نیند پوری نہیں ہوئی‘ صبح کالج بھی جانا ہے۔" انہوں نے خالی کپ اس کی سمت بڑھایا۔

"میں نہیں جا رہی۔ کالج میں پڑھائی تو ہوتی نہیں۔" وہ سستی سے بولی۔

"پڑھائی پڑھنے والوں کے لیے ہوتی ہے‘ جب کلاس ہی بنک کر دیتی ہو تو پتا کیا چلے استاد کیا کچھ پڑھا گئے ہیں۔" عادلہ نے ٹوکا۔

"مریم بھی نہیں جا رہی۔" وہ منمنائی۔

"عرشہ! مجھے خوشی ہو گی اگر تم دوسروں کی عقل پر بھروسا کرنے کے بجائے اپنی عقل پر کرنا سیکھو۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بے زار ہو کر لیٹیں۔ پھر فوراً سیدھی ہوئیں۔ "ابھی کالج میں فن فیئر ہے۔"

"تو؟"

"نیا سوٹ لینا ہے۔"

"کتنے ہونے دو گی؟" انہوں نے اس کی بے وقت فرمائش پر گھورا۔

"پنک کلر میں۔" اس کے لبوں پر شوخ و شریر سی مسکراہٹ ابھری۔ علاوہ بھی مسکرا کر رہ گئیں۔



گھر میں بیل کے سوا کوئی بہن بھائی ساتھی نہ تھا۔ سو بچپن سے عادت تھی اسکول سے آتے ہی ادھر بھاگ آتی۔ اب بھی کالج سے آتی تو پہلے نانا کے گھر جاتی۔ برآمدے کے تخت پر نانی کے گھٹنے سے لگی بانو آپا کو دیکھ کر اس نے سلام کیا۔ ان کی گود میں پانچ ماہ کا فہد سو رہا تھا۔

"کیسی ہو عرشی! اچھی کیسی ہیں! ماشاء اللہ کیسا رنگ روپ نکھارا ہے کیا لگاتی ہو؟ اپنی مریم کو بھی کوئی ٹوٹکا بتاؤ۔ جیسی عجیب سی شکل ہوتی جا رہی ہے۔" بانو آپا کو شروع سے عادت تھی ایک ہی وقت میں کئی سوال کرتیں۔ اگلا جواب سوچتا ہی رہ جاتا اور وہ دوسرا موضوع پکڑ لیتیں۔ کچن سے ٹرے لے کر نکلتی مریم نے غصے سے بس دو دیکھا اور تنک کر بولی۔

"کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟"

"ارے چھوڑو بھی اسے۔" نانی نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔ "تم کیا کہہ رہی تھیں؟"

"وہی نیہا کی شادی ہے۔" انہوں نے اپنی نند کا نام لیا۔ "اب سسرال میں ناک نہ کٹوا بیٹھوں اماں!"

"بانو آپا! آپ ہر بار یہی کرتی ہیں۔ کبھی نند کی شادی، کبھی دیور کی، اچھا خاصا خرچ کروا دیتی ہیں۔" مریم نے ٹرے درمیان میں رکھی۔ کباب، دہی بڑے، فروٹ چاٹ۔ بانو آپا کی اچھی طرح خاطر تواضع نہ ہو تو خفا ہو جاتی تھیں۔

"تمہیں کوئی تکلیف ہے؟ کل کو بیاہ کر جاؤ گی تو پتا چلے گا سسرال میں میکے کی قدر کیسے کروائی جاتی ہے۔ دیور کی شادی میں میری ساس کا سوٹ نہیں تھا۔ ابا پاس سے ہزار روپیہ ملانا پڑا۔ لیکن اس بار مقابلہ دیورانی کے ساتھ ہے۔ بڑے بیگ کے ساتھ آئی ہیں۔ اس کے میکے والے بڑے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ میری بیٹی نہ کروا بیٹھ۔ گڈو کے ریڈی میڈ کپڑے لے کہیں تو سستے نہ رکھو۔ چار سوٹ بنا کے اور ساتھ دس ہزار رکھو بیٹا۔"

"وہ کس لیے؟" نانی بلبلائیں۔

"سلامی کی کوئی چیز نہیں دینی؟" بانو نے ماں کا تلملانا دیکھا ہی نہیں۔

"آپا! کباب کھاؤ۔" اس سے پہلے کہ وہ مطالبے میں کچھ اور اضافہ کرتیں۔ مریم نے فہد اس کی گود سے لے لیا۔ بانو نے ٹرے سامنے کی اور شروع ہو گئیں۔ کباب ختم ہونے تک نانی سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ عرشہ نے دہی بڑے اور چکے فروٹ چاٹ کھائی رہی۔

"آپا! اتنا خرچہ تو بڑی نند کی دفعہ بھی نہ ہوا تھا۔" فاطمہ بھی فارغ ہو کر وہیں آ بیٹھی۔

"تب میری دیورانی نہیں آئی تھی۔" وہ اطمینان سے گویا ہوئیں۔

"تو اپنی کی سزا ہم کو بھگتنی ہے؟" مریم بڑبڑائی۔ بانو آپا کو پتنگے لگ گئے۔ عرشہ اٹھ گئی۔ جھگڑا چھوڑ کر وہ چلی گئی۔ گھر کا ماحول کڑوا ہونے لگا تھا۔ عرشہ کو لگا کہ اس کا دل بھی خالی ہو گیا ہے۔ وہ بھتیجا کہیں اسٹڈی کے لیے اپنے دوست کے گھر جا چکا تھا۔ پہلے بھی جاتا رہتا تھا لیکن اس بار عرشہ کی بے چینی کا عالم ہی کچھ اور تھا۔

"یا اللہ! یہ محبت کتنا بے بس کرتی ہے۔" عرشہ نے آزردگی سے سوچا۔ کچھ دیر قیان کی کرسی پر بیٹھی رہی۔ پیچھے نانی تو مطلع صاف ہو چکا تھا۔ مریم غائب تھی۔ فاطمہ کام سمیٹ چکی تھی اور بانو آپا کہہ رہی تھیں۔

"ہاں! ذرا فون کر کے اعظم کو بھی کھانے کا کہہ دیں۔ انہوں نے مجھے لینے تو آنا ہی ہے۔ آپ کو تو کبھی خیال نہیں آیا کہ داماد کو کھانے پر ہی روک لیں۔ میری دیورانی کے میکے والوں نے..."

نانی بوکھلا کر فون کرنے اٹھ گئیں۔ اعظم بھائی کے آنے کا مطلب تھا کہ اب گھر میں اچھی خاصی ہڑبونگ مچے گی۔ عرشہ چپکے سے کھسک گئی۔ نانا ابو ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔

"سارے کباب خود ہی ڈکار جاؤ مجھے نہ پوچھنا۔"

"ارے بھیجتی تو ہوں تمہیں بھی۔"

"تو نے اپنے میکے سے منگوائے ہیں، جو مجھ پر رعب جما رہی ہے۔"

"کیا ابا!" فرید باہر سے بھاگا آیا۔ "وہ چاچا آسر آیا ہے پانچ سو روپے ادھار مانگ رہا ہے۔"

"ہاں۔ اپنی ماں سے پانچ سو لے کر اس کو دے آ۔ بے چارے کے گھر میں آٹے کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں۔"

"کہاں سے دے دوں؟ تمہاری لاڈلی آئی بیٹھی ہے۔ شادی اور خرچے کا بلاوا لے کر۔ ان کا پورا کروں یا ان غریب مفت خوروں میں بانٹوں۔"

"اچھا چل دے دے ثواب ملے گا۔"

"میں نے کما لیا ثواب، میرے تو اپنے ہی پاپ پورے نہیں پڑتے۔ جا کر دے ابا گھر پر نہیں ہیں۔"

"کیا اچھی بات ہے؟" فرید نے پوچھا۔

"ٹھہر میں تجھ پر مرا کر جاتی ہوں کہ کہی بات ہے یا کہی۔" حمیدہ نے جوتی اٹھائی تو وہ باہر کی طرف بھاگا۔ نانا ابو کو تاؤ آ گیا۔

"تیرے جیسی عورتیں جہنم میں جاتی ہیں۔"

"ہاں جنت تو تو نے ہی جا کر آباد کرنی ہے۔" حمیدہ بڑبڑائیں۔

"یہ گھر ہے یا مچھلی بازار، جب گھر آؤ بس شور شرابا ہو رہا ہوتا ہے۔" نعمان آتے ہی بولا۔

نانا ظفر کے ساتھ ساتھ حمیدہ نانی بھی دبک گئی تھیں۔ وہ بڑبڑاتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔



"آنٹی! کھانا لگا دوں؟" طیبہ نے کمرے میں جھانکا۔ آج کھانا اس نے بنایا تھا۔ سو بہو رانی کے چہرے پر بے زاری صاف دکھتی تھی۔ نبیلہ نے کتاب بند کرتے ہوئے عینک اتاری۔

"محسن آ گیا؟"

"ابھی تک تو نہیں آیا۔"

"آ جائے تو اکٹھے کھاتے ہیں۔" وہ مسکرائیں۔

"اگر وہ نہ آیا تو ہم بھوکے بیٹھے رہیں گے؟" طیبہ میں مروت نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔

"نہیں بھوکی کیوں بیٹھو گی، تم کھالو۔ میں اور محسن اکٹھے کھائیں گے۔" نبیلہ نے نرمی سے کہا۔ تب ہی طیبہ کے قریب سے محسن نے جھانکا۔ وہ شاید ماں کا آخری جملہ سن چکا تھا۔

"ہم حاضر ہیں۔ کھانا لگایا جائے۔"

"لو۔ محسن بھی آ گیا۔" نبیلہ نے کتاب اور عینک سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

"بھابھی! بہت سخت بھوک لگی ہے۔"

"تمہارے آفس کے رستے میں کوئی ریسٹورنٹ نہیں ہے؟"

محسن نے منہ کھول کر ماں کو دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبا گئیں۔ طیبہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے چلی گئی تھی۔

"لگتا ہے آج جمال بھائی کا فون نہیں آیا۔" محسن نے شرارت سے سرگوشی کی۔

"جاؤ، فریش ہو کر آ جاؤ۔ میں میز پر انتظار کر رہی ہوں۔" نبیلہ بیٹے کے کندھے پر چپت لگا کر جانے لگیں۔ محسن نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"ہاں! دوا لے لی تھی۔ اب بہتر ہوں۔" وہ تسلی دے کر چلی گئیں۔ محسن فریش ہو کر آیا تو کھانا لگ چکا تھا۔ ماں انتظار میں بیٹھی تھی۔

"بھابھی نہیں کھائیں گی؟"

"شاید نہیں۔" انہوں نے محسن کی پلیٹ میں چاول ڈالے۔ دو نوالوں کے بعد ہی محسن کا منہ بن گیا۔ کھانے کے معاملے میں وہ یوں بھی بہت نخریلا تھا۔ کھانا اچھا بنا ہو ذائقے دار ہو خواہ دال یا سبزی ہی کیوں

"نہ ہو" بچھو ماں کے ہاتھ ہی کے کھانوں کا عادی تھا۔ سو کھانے میں کمی دیکھ کر فوراً ہی بول اٹھا۔
"یہ کیا ہے امی! چاول گلے نہیں ہیں اور سبزی میں ابھی پانی ہے۔ اچھی طرح بھنی بھی نہیں ہے۔"
"آہستہ بولو بیٹا! آج کھانا طیبہ نے بنایا ہے۔"
"آپ ہی بھابھی خود نہیں کھا رہیں۔ ہمارے سامنے تو ساری چیزیں ابال کر نمک مرچ چھڑک کر رکھ دیتی ہیں۔ گویا کھانا انسانوں کو نہیں' جانوروں کو کھلانا ہے۔" محسن نے چمچ پلیٹ میں کھڑکایا۔
"اچھا۔ شور کیوں مچا رہے ہو' ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھار۔" جمیلہ نہیں چاہتی تھیں کہ طیبہ کے کان میں کوئی بات پڑے۔ وہ بات بڑھاتی اور پردیس میں بیٹھے جمال کو پریشان کرتی۔
"کبھی کبھار نہیں ہمیشہ۔ جب بھی بھابھی کو کھانا بنانا پڑتا ہے' وہ یہی حرکت کرتی ہیں۔ مجھے نہیں کھانا' میں باہر سے کچھ کھا لوں گا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔
جمیلہ کا دل خراب ہو گیا۔ بیٹا آفس سے سارے دن کا تھکا ہارا آیا تھا اور ڈھنگ کا کھانا بھی نصیب نہ ہوا۔ انہیں طیبہ سے زیادہ خود پر غصہ آیا۔ اب اتنی بھی طبیعت خراب نہ تھی کہ وہ کھانا نہ بنا سکتیں۔ بس یوں ہی کبھی کبھار کسی ذمہ داری سے جان چھڑانے کو دل چاہتا تھا۔ سوچا تھا بہو آئے گی تو سارا گھر اس کے حوالے کر کے بے فکر ہو جائیں گی مگر یہاں تو فکروں میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ وہ پھر بھی طیبہ کو موقع دے دیتی تھیں کہ اس کا شوہر یہاں نہیں رہتا تھا اور طیبہ خوب ان کی نرمی سے فائدہ اٹھاتی۔
"اور یہ کچے چاول کھا کے آپ کی طبیعت ٹھیک رہے گی' رہنے دیں' میں آپ کے لیے بھی کچھ لیتا آؤں گا۔" محسن کو خیال آیا۔
"ارے بیٹا! میں نے جتنا کھانا تھا کھا لیا۔ باہر کی چیزیں مجھے یوں بھی ہضم نہیں ہوتیں' ضرورت محسوس ہوئی تو کوئی پھل لے لوں گی۔"
"ٹھیک ہے۔" محسن باہر نکل آیا پھر رک گیا۔ چھوٹے سے گیراج کے پار گیٹ کے پاس طیبہ پارسل وصول کر رہی تھی۔ گیٹ بند کر کے پلٹی تو محسن کو کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی پھر بوکھلاہٹ سے بولی۔
"کھاؤ گے؟"
"شکریہ! آپ کے ہاتھ کا بنا مزے دار کھانا کھا کر آ رہا ہوں۔" وہ طنز کر کے بولا' طیبہ کندھے اچکا کر گزر گئی۔ محسن غصہ پی کر رہ گیا۔ پھر گیٹ کھول کر باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

"اب باہر بھی آ جا جمیلہ! سو کام پڑے ہیں' بلو تیری بیٹی سے ہی لگی رہے گی۔" اصغر کے سامنے روٹی رکھتے کبریٰ نے بے زاری سے آواز لگائی تو اصغر چونک گیا۔ وہ پینتالیس سالہ لمبا تڑنگا' جھلسی ہوئی رنگت والا محنت کش کسان تھا۔ طبیعت کا اکھڑ اور کانوں کا کچا تھا۔ خاص طور پر گھر کے معاملات میں کبریٰ کی آنکھوں سے دیکھتا اور کبریٰ کے دماغ سے سوچتا تھا۔
"بلو کو کیا ہوا؟"
"ذرا سا تاپ ہے۔ رئیسوں کی طرح چارپائی پکڑ کر بیٹھ گیا اور ماں بیٹی سے لگی بیٹھی ہے۔ جیسے تھا کا ہے' گودی سے ہی نہیں نکل رہا۔"
"بک بک کم کر' پانی نہیں دینا کیا؟" اصغر نے جھڑکا۔
"ہاں' میں تو نوکرانی مل گئی ہوں' مفت کی۔" وہ بڑبڑاتی گھڑے سے پانی بھر لائی۔ "سوچا جوان ہو گا تو باپ کا بازو بنے گا' پر اسے تو رعنائیوں نے لے لیا۔ نہ رعنائیاں ختم نہ ہوں' نہ کسی کام کے نہیں کہتی ہوں' کوئی خبر بھی لے لو شہر میں پڑھنے ہی جاتا ہے یا۔"
"پتا نہیں اللہ نے زنانیوں کے منہ میں زبان کیوں ڈالی ہے۔ کیا پتے کترنے والی مشین چلتی ہوئی جو ان کی زبان چلتی ہے۔" اصغر نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔
"ٹھیک جاتی ہوں' نہیں اچھی لگتی تو۔" کبریٰ تلملا کر اٹھی اور گھر سے باہر نکل گئی۔ اصغر نے روٹی کھائی' گلاس میں بچے پانی سے انگلیوں کی پوریں دھوئیں اور اٹھ کر اندر آ گیا۔ بلو کی آنکھیں بند تھیں

اور جمیلہ اپنا دوپٹہ بھگو بھگو کر اس کے چہرے اور پیشانی پر پھیر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ گویا روتی رہی ہے۔ بلو کا چہرہ بخار کی شدت سے دہک رہا تھا۔
"تو اٹھ جوان! تو کیا ذرا سے بخار سے مر گیا ہے۔"
بلو نے بمشکل آنکھیں کھول کر باپ کو دیکھا۔
"اصغر! اس کا بدن تو دیکھ' تاپ کم نہیں ہو رہا۔"
"دوا لائی تھی؟" اصغر نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔
"ہاں' دے دی ہے۔" جمیلہ نے روتے ہوئے کہا۔
"دی ہے تو آرام آ جائے گا اور تو بھی رونی صورت لے کے۔ چھوٹے موٹے بخار مردوں کا کچھ نہیں بگاڑتے۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ جمیلہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔
"اپنا پتر ہوتا تو دیکھتی' ایسے بے فکری سے جاتا ہے۔"
"ماں!" بلو آنکھیں کھول کر مسکرایا۔
"ماں صدقے۔"
"اب تو ان کی باتوں اور رویوں سے پریشان نہ ہوا کر۔ عرصہ ہوا ابا کے مرنے کے بعد سے یہ ہی کچھ تو دیکھ رہے ہیں۔"
"بس چپ۔ ایسی باتیں نہ سوچ' دماغ پر زور پڑے گا' ابھی تیری ماں زندہ ہے۔"
"ہاں اماں! تمہارا ہی آسرا ہے۔"
"نہ۔ آسرا صرف رب سوہنے کا۔"
"تھوڑا پانی دو۔"
"ابھی لائی۔"
"ٹھک ٹھک! بلو کو کیا ہوا ہے؟" چودہ' سولہ سال کی الھڑ سی لڑکی دوپٹے کی بکل مارے چہکتی ہوئی اندر آئی۔ دوپٹے کے پیچھے سے بالوں کی لمبی اور مرئل سی چٹیا جھانک رہی تھی۔
"بشریٰ! ادھر کدھر گئی تھی؟ تیری ماں کب سے ڈھونڈ رہی ہے۔"
"میں نے کدھر جانا ہے' زانو کے گھر تھی۔" اس نے لاپروائی سے بتایا۔ وہ کبریٰ اور اصغر کی چھوٹی بیٹی تھی۔ بڑی والی ناصو کو کبریٰ نے پندرھویں سال ہی بیاہ دیا تھا۔ وہ اب اوپر تلے کے تین بچے لیے پھر رہی تھی۔ اصغر کی صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔ اس ناتے بلو کو گھر میں خاصی اہمیت ملنا چاہیے تھی مگر کبریٰ کچھ نہ کچھ ایسا کرتی رہتی کہ دونوں ماں' بیٹے کونے میں لگے ہوئے تھے۔
"تو اوہ بخار ہے؟" بشریٰ نے ہمدردی سے بلو کو دیکھا۔ اسے اپنا تایا زاد اچھا لگتا تھا کیونکہ اس کی سکھیاں کہتی تھیں اس کی ماں اس کی شادی بلو سے ہی کروائے گی۔
"بشریٰ! ایک پیالا دودھ کا لا دے' بلو کو پاپے کھلا کے دوا دے دوں۔"
جب سے ان کی بھینس نے دودھ دینا چھوڑا تھا' جمیلہ کو یوں ہی منتوں سے شے مانگنی پڑتی۔ بیٹے کے لیے مانگنے میں اسے کوئی شرم بھی نہ آتی تھی مگر کبریٰ کی باتیں سنائی۔ یہاں بشریٰ کی بات اور تھی۔
"ابھی لائی تائی!" بشریٰ باہر بھاگ گئی۔
"ماں! اس طرح فقیروں کی طرح نہ مانگا کر' زمین میں میرا بھی حصہ ہے۔" بلو کا لہجہ ناگوار گزرا۔
"ہاں پر' بھینس تو کبریٰ کی ہے' داج میں لائی تھی۔"
"ہاں مگر۔"
"بس چپ' کہا نا ابھی دماغ پر زور نہ دے' تاپ سر کو چڑھ جائے گا۔"
جمیلہ نے پیار سے ڈانٹا تو اس نے لب بھینچ کر آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

ساری رات جمیلہ کی طبیعت خراب رہی پیٹ میں ہلکا ہلکا درد اٹھتا رہا۔ انہوں نے محسن کو نہیں جگایا۔ خود ہی گھریلو ٹوٹکے آزماتی رہیں۔
"امی! آج ناشتا نہیں بنے گا؟" محسن آفس جانے

کے لیے تیار تھا۔
"طیبہ نہیں اٹھی؟" وہ کچھ مضمحل سی تھیں۔
"نہیں۔ بھابھی تو۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" محسن نے تشویش سے دیکھا۔ پاس آ کر ماتھا چھوا۔
"ہاں ٹھیک ہوں' چلو تمہارے لیے ناشتا بناتی ہوں۔" نبیلہ اٹھنے لگیں۔
"آپ بالکل ٹھیک نہیں ہیں' مت اٹھیں۔ پہلے ہی کہا تھا وہ کھانا مت کھائیں مگر آپ بھی اب کئی دن تک یہ الم جھیلیں گی۔"
"محسن! تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو' ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ نہیں چاہتی تھیں کہ محسن آفس میں بھی پریشان رہے۔
"آپ لیٹ جائیں' میں آتا ہوں۔" وہ انہیں زبردستی لٹا کر چلا گیا۔ اور جب واپس آیا تو ناشتے کی ٹرے ساتھ تھی۔ انہیں بیٹے پر پیار آ گیا' وہ غصیلا' منہ پھٹ سا لڑکا بہت حساس اور محبت کرنے والا تھا۔ چائے کے ساتھ توس' ابلے ہوئے فرائی انڈے اور سلائس تھے۔ دونوں ماں' بیٹا ناشتا کر رہے تھے' جب طیبہ آ گئی۔
"خیریت۔" طیبہ جگہ جگہ کھانے کے برتن لے کر پھرنے کے خلاف تھیں۔ ناشتا' کھانا سب میز پر ہوتا تھا۔
"کچھ نہیں' بس ذرا پیٹ میں گڑبڑ تھی' معدہ بھی۔"
"تو مجھے جگا دیا ہوتا' میں کوئی دلیہ وغیرہ بنا دیتی۔" احسان جتاتا سرسری لہجہ۔
"جو آپ بناتیں' وہ دلیہ ہوتا؟" محسن نے تلخی سے کہا۔
"کیا مطلب؟" طیبہ کو آگ لگ گئی۔
"پلیز امی! اگر آپ کھانا نہیں بنا سکتیں تو کسی عورت کا بندوبست کر لیں۔" اس نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا۔
"تمہاری شادی نہ کر دوں؟" طیبہ کے تیور دیکھ کر نبیلہ نے بات بدلنے کی کوشش کی۔
"ہاں مگر پہلے لڑکی کے ہاتھ کا کھانا ضرور کھا لیجیے گا۔" وہ طنزیہ انداز میں کہہ کر ماں کے سر پر بوسہ دیتا ہوا چلا گیا۔
"یہ۔ یہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟" طیبہ بگڑیں۔
"کچھ نہیں بیٹا! بس جذباتی ہے' بنا سوچے سمجھے بول اٹھتا ہے۔" نبیلہ نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ "چھوٹا سمجھ کر نظرانداز کر دیا کرو۔"
"اتنا بھی چھوٹا نہیں ہے۔" وہ پاؤں پٹخ کر چلی گئی اور نبیلہ اک طویل سانس لے کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

ساجدہ نے صبح صبح چھاپا مارا' کیونکہ اسے خبر مل گئی تھی کہ بانو کی نند کی شادی میں اماں کیا کیا خریداری کر رہی ہیں' اور یہ اطلاع دینے والی خود بانو تھی۔ سو اب گھر مچھلی بازار بنا ہوا تھا۔ ساجدہ کے دونوں بچے آپس میں گتھم گتھا تھے۔ تیسرا گود میں بھاں بھاں کر رہا تھا۔ اور ساجدہ باپ کے گھٹنے سے لگی جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔ گھر میں سب سے بڑی ہونے کے ناتے اس کی باپ سے زیادہ بنتی تھی' اور بانو کی اپنی ماں سے' اس لیے آپس میں دونوں کی ٹھنی رہتی۔
"ساری زندگی یہ بانو اماں کی چہیتی رہی' ہمیشہ اسی کا سوچا اور وہ بھی جب دل چاہتا ہے' منہ پھاڑ کے مانگ لیتی ہے۔ اس کا جہیز بھی مجھ سے اچھا تھا۔ فرمائشیں کر کر کے بھرتے بنا لی۔ مجھے آج تک میرا میاں طعنے دیتا ہے' میں کیا سوتیلی ہوں؟"
"تیرے سارے کام سوتیلے والے ہی ہیں' اب بیٹھی ہے باپ کے گھٹنے سے لگی میری شکایتیں کرنے۔" اماں آ پہنچیں۔
"تو اب کیا اپنے باپ سے بھی دکھ سکھ نہ کروں؟" اس نے گود والے کو جھانپڑ رسید کیا۔
"تجھے کیا نہ دیا؟ بتا؟" حمیدہ چمک کر بولیں۔
"میرے دیور اور نند کی شادی ہوئی' کیا دیا۔ وہی دو

سڑے ہوئے سوٹ' وہ بھی گھر سے نکال کر۔"
"اس وقت حالات ہی ایسے تھے' میں کیا کرتی۔" حمیدہ نے جواب دیا۔
"دیکھا ابا! اب کیا قارون کا خزانہ نکل آیا ہے؟ اتنا فرق کرتی ہیں اماں' ہم دونوں بیٹیوں میں۔" اس نے پھک پھک کر رونا شروع کر دیا۔
"بڑی سنگ دل عورت ہے' بھئی یہ صاف کہے دے رہا ہوں' میں بانو کے لیے جتنا کیا تھا اتنا ہی ساجدہ کے لیے ہوگا۔" ابا نے حکم صادر کیا۔
"تم۔ تو کیا تم نے میری ہتھیلی پر پیسے رکھے ہیں؟"
"تمہاری زبان تو۔"
ساجدہ کی بات اندر کہیں گم ہو گئی۔ دونوں آپس میں جو بھی لڑنے لگے' ثوبان گھر آیا تو مزہ آ گیا۔
"السلام علیکم! کیا آپ آ گئیں؟" وہ مختصر سے سوال کر کے بچی کی طرف آ گیا۔
عرشہ کپڑے دھو کر پھیلا رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی چہرے پر روشنیاں بکھر گئیں۔
"آپ کہاں غائب ہو گئے تھے؟" اس نے عادلہ کا سوال بیچ میں ہی چھوڑ دیا۔
"یار! گھر میں پڑھا نہیں جاتا' سو اک دوست کے ساتھ ہاسٹل شفٹ ہو گیا تھا اور تم یہ اتنی ٹھنڈ میں کپڑے کیوں دھو رہی ہو؟" ثوبان نے اس کی سرخ ہوتی ہتھیلیاں دیکھیں۔
"تب کپڑے دھونے کے لیے گرمیوں کا انتظار کروں؟" وہ کھلکھلائی۔ اسے دیکھتے ہی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔
"میری جاب ہو گئی تو سب سے پہلے ایک ملازمہ کا بندوبست کروں گا۔" وہ تار پکڑے عین سامنے کھڑا تھا۔
"وہ تو اپنے گھر کے لیے رکھیں گے ناں۔" عرشہ نے نل بند کیا۔
"تم ہم سے الگ ہو؟" ثوبان کا لہجہ گمبھیر اور مدھم ہو گیا۔ تب ہی اندر سے عادلہ نکلیں تو ثوبان ان کی طرف مڑ گیا اور عرشہ اپنے دل کی دھڑکنیں سنبھالتی رہ گئی۔
"گھر میں شور کیسا ہے؟" عادلہ پوچھ رہی تھیں۔
"ساجدہ آپی اور ان کے بچے آئے ہیں' میں تو آج خوامخواہ گھر آ گیا۔"
"ایسے تو نہ کہو' بہنیں کبھی کبھار تو آتی ہیں۔"
"آپ بھی جانتی ہیں' میرا فائنل ایئر ہے' اب کوئی کمی بیشی رہ گئی تو وہ ساری زندگی پر محیط ہو جائے گی اور مجھے اس ماحول سے نکلنا ہے۔"
"صرف خود نکلنا ہے۔ اور جو تم سے وابستہ لوگ ہیں۔" عادلہ مسکرائیں۔
"میری زندگی میں تبدیلی آئی تو ان پر خودبخود اثر انداز ہو گی۔"
دونوں باتیں کرتے اندر چلے گئے' عرشہ نے بے اختیار اپنی پسند پر فخر کیا۔ ثوبان سارے گھر سے مختلف تھا۔ اس میں کچھ خاص تھا۔ شاید آگے بڑھنے' کچھ بدلنے کا جذبہ۔
"لیکن کیا وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے' کیا وہ جانتا ہے کہ میں عرشہ جمیل اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" وہ بے چین سی ہو گئی۔
"تم ہم سے الگ ہو؟" اسے ثوبان کی بات یاد آئی تو کچھ ڈھارس سی ہوئی۔
"یقیناً" وہ مجھے پسند کرتا ہے' لیکن اس جملے سے یہ تو نہیں پتا چلتا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے' اگر وہ کسی اور کو پسند کرتا ہوا تو۔۔۔؟ وہاں یونیورسٹی میں تو اتنی ساری لڑکیاں ہوتی ہیں' خوب صورت' طرح دار۔" بے چینی اتنی بڑھی کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ اندر چلی آئی۔ عادلہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔
"عرشی! چائے بنا لو۔"
"چائے کی ضرورت تو اس وقت عرشی کو ہے' دیکھیں! کیسے بھیگ رہی ہے۔"
عرشہ نے بے اختیار ثوبان کو دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ عرشہ کی نگاہ جھک گئی۔
(کچھ تو ہے' یہ جو ان کہی سی ہے' وہ میرے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سوچتا ہے' فکر کرتا ہے' ایک وقت

آئے گا اور انحصار بھی کرے گی۔)

☆ ☆ ☆

"مریم! اری او مریم!" حمیدہ نے آواز لگائی۔ ساتھ ہی وہ شاپر سے کپڑے نکال نکال کر دیکھ رہی تھیں اور عادلہ سے مشورہ کر رہی تھیں کہ مزید کیا کچھ چاہیے۔ دونوں ابھی ابھی بازار سے آئی تھیں۔ عادلہ کا بس چلتا تو وہ انہیں اس اسراف سے روکتیں، مگر اپنی جٹھانی کی عادت سے بھی واقف تھیں اس لیے خاموش رہیں۔

"ساجدہ کب واپس گئی؟" عادلہ نے پوچھا۔

"صبح ہی نکل گئی تھی۔ جاتے ہوئے تین ہزار بھی لے گئی۔"

"چلیں کوئی بات نہیں، والدین بیٹیوں پر ساری زندگی خرچ کرتے ہی رہتے ہیں۔" عادلہ نے متانت سے کہا۔

"ہاں ساری زندگی ماں ہی بیچاری بیٹیوں کے چونچلے پورے کرتی رہیں گی ہماری اماں۔ ہمارے تو کوئی ارمان ہی نہیں ہیں۔" مریم پھولے منہ کے ساتھ آ کر بولی۔ شادی کے لیے اس کے کپڑے نہیں بنے تھے سو اس کا مزاج برہم تھا۔

"کیا کروں، میری کھال کھنچوا کر سلوا لے اپنا سوٹ۔ اب بھی کسر رہ گئی ہے۔" حمیدہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"بھابھی! اسی لیے تو اعتدال اور میانہ روی کا حکم ہے۔" عادلہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ "لیکن ہماری نمود و نمائش کی عادت نے شادی جیسے مقدس فریضے کو بھی بیکار بنا دیا ہے۔"

"ہاں تم یہ تقریریں کر سکتی ہو۔ ایک ہی اولاد ہے جو چاہے اس پر خرچ کرو۔ مجھ سے پوچھو میں کیسے خرچے پورے کرتی ہوں۔" انہوں نے ترخ کر کہا۔ عادلہ کے پاس خاموش ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"میں شادی پر نہیں جاؤں گی۔"

"نہ جاؤ۔" حمیدہ نے بے مروتی سے کہا۔

"کہاں؟" مریم روہانسی ہو گئی۔

"دیکھو مریم! میرے پاس کوئی پیسا نہیں ہے۔ وہ پرانے کپڑے پڑے ہیں پہن کر جا سکتی ہے تو چل ورنہ پڑی رہ گھر میں۔"

"وہ آؤٹ آف فیشن کپڑے۔"

"یہ مجھے نہیں پتا۔" حمیدہ نے آرام سے کہہ کر سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ مریم پاؤں پٹختی اندر چلی گئی۔

"عرشی سے بھی کہو تیاری کر لے، ساتھ جائے گی۔"

"اسے رہنے دیں، وہ کیا کرے گی۔" عادلہ نے ٹالنا چاہا۔

"جو ڈھول ہم نے بجانے ہیں وہی جا کر عرشی بجائے گی۔" وہ پہلے ہی چڑی بیٹھی تھیں۔

"میں تو اس لیے کہہ رہی تھی، بانو کے سسرال والوں کا مزاج عجیب سا ہے۔ کہیں..."

"گھر سے تو نہیں نکال دیں گے۔ بچی سب کے ساتھ جائے گی تو ہنس بول لے گی بس۔ تمہاری تو ویسے بھی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ عرشی ددھیال والوں سے دور رہے۔"

"بانو کے سسرال والے عرشی کے ددھیال والے تو نہ ہوئے۔" عادلہ مسکرائیں۔ عرصہ ہوا، سسرال والوں کی تلخ و ترش باتیں یونہی مسکرا کر ٹال جاتی تھیں۔

"تم تو بات پکڑتی ہو۔ اچھا! تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں؟"

"پیسے؟" عادلہ گڑبڑائیں۔ (ایک اور ادھار؟)

"دیکھو اب یہ نہ کہہ دینا کہ نہیں ہیں۔ آخر تم دونوں کا خرچ ہی کیا ہے۔ کچھ نہ کچھ تو رکھا ہو گا۔" حمیدہ تھیں، سامنے والے کو یوں گھیرتیں کہ انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ ساری عمر گزر گئی عادلہ کو انہیں سمجھتے نہیں آیا۔

"جی، وہ..." عادلہ ہچکچائیں۔

"تو بس ادھار دے دو، یہ شادی نبٹ جائے تو واپس کر دوں گی۔"

یہ بات تو عادلہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان روپوں کی واپسی کی امید بے کار ہے۔

"جی۔ عرشی کے ہاتھ بھجواتی ہوں۔" وہ اک طویل سانس لے کر اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

کچھ لمحے سکون کی تلاش میں وہ گھر سے نکل آیا۔ چلتے چلتے کیکر کے پاس خشک کنویں کے قریب رک گیا۔ چار و ناچار وہ گھر گیا تھا، کبریٰ نے گویا اس کی جان کھا لی تھی۔ نجانے کیوں اسے لگا تھا کہ وہ بہلتا رہا ہے۔

"کیا زندگی ہے، فضول اور بے کار۔" اس نے کنویں کی گہرائی میں جھانک کر یاسیت سے سوچا۔ "زندگی پہلے تو ایسی نہ تھی، جب تک ابا زندہ تھے۔"

اس نے ان دنوں کی خوشگواریت کو پوری طرح محسوس کرنے کی کوشش کی۔ تب کبریٰ بھی اتنی بدزبان نہ تھی۔ ابا کو بہت شوق تھا کہ اس کا بلو پڑھ لکھ جائے۔ وہ ہمیشہ کہتے "میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ پڑھ لکھ کر افسر بنے۔ بھلے اپنی زمین سنبھالے مگر علم ضرور حاصل کرے۔" ابا کے مرنے کے بعد شاید ان کا خواب یہ ارمان بھی مر جاتا، مگر ماں جمیلہ آڑے آگئی۔ اس نے چھوٹے بلو کو یہ باور کرایا کہ اسے پڑھنا ہے۔ باپ کی خواہش کو پورا کرنا ہے۔ تب ہی تو اس کا شہر کے کالج میں داخلہ کروا دیا۔ وہ اپنے گاؤں سے پڑھنے کے لیے شہر جانے والا واحد نوجوان تھا۔ جہاں گاؤں کے لوگ اس پر فخر کرتے، وہیں کبریٰ اسے زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ پڑھنا لکھنا اسے بے کار کا کام لگتا۔ وہ چاہتی تھی کہ ابرار پڑھائی چھوڑ کر اپنے چاچا کا ہاتھ بٹائے کیونکہ وہ تمام زمینوں کو سنبھال رہا تھا۔ اس خواہش میں اگر خلوص تھا تو صرف اپنے شوہر کے لیے۔

"اے بلو! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟" بشریٰ کی آواز پر ابرار کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ "کیا مصیبت ہے؟" وہ تنگ کر بولا۔

"ہاں۔ تو مجھے مصیبت کہہ رہا ہے۔" بشریٰ نے پورا منہ کھول لیا۔

"میں گھر سے نکلا تھا کچھ لمحے سکون سے گزارنے کے لیے۔" ابرار نے دانت پیسے۔

"کیا مطلب ہے گھر میں تجھے سکون نہیں ملتا۔" بشریٰ نے کمر پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے وہاں بیٹھ کر چاچی کی باتیں سننے کا۔" ابرار نے ایک چھوٹی سی کنکری کنویں میں اچھالی۔

"اماں اچھی باتیں سناتی ہے؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"میں اماں کو بتاؤں گی۔" بشریٰ نے دھمکی دی۔

"ضرور بتانا جتنی باتیں وہ سناتی ہے۔ اگر میں سنانے پر آیا تو ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ یہ زمین اکیلے چاچے کی نہیں ہے۔ اس میں میرا بھی حصہ ہے۔ بتا دینا اماں کو۔"

وہ یہ کہہ کر ناک کی سیدھ میں چلتا چلا گیا۔ بشریٰ منہ کھولے اسے دیکھتی رہی، جو راستے میں آئے ہر پتھر کو ٹھوکر سے اڑا رہا تھا۔

"لگتا ہے بڑا دماغ چڑھ گیا ہے۔ اس کے دماغ کا علاج بھی کروانا پڑے گا۔ اماں کو جا کر بتاتی ہوں۔" وہ واپس گھر کی طرف بھاگی۔

☆ ☆ ☆

"دیکھ لیں امی حضور! میں وقت پر آیا ہوں۔" محسن نے آتے ہی کہا۔

"ہاں میں بھی تیار بیٹھی ہوں۔" نبیلہ نے اپنا پرس اور ایک شاپنگ بیگ اٹھایا۔

"ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ تھوڑے دن ٹھہر کر چلی جاتیں۔" محسن نے ان کے ہاتھ سے بیگ پکڑا۔

"بھئی یہ تم ہر وقت میرے پیچھے نہ پڑے رہا کرو۔ ٹھیک ہوں میں گھر بیٹھے بیٹھے تو یوں بھی دل

گھبرانے لگتا ہے۔" وہ جھنجلا گئیں۔

"ہاں! طیبہ بھابھی کے ساتھ رہتے ہوئے یہ ممکن ہے۔"

"شریر۔" جمیلہ نے گھورا تو وہ ہنس دیا۔

"اچھا تم گاڑی نکالو۔ میں طیبہ کو بتا آؤں۔" وہ دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے طیبہ کے بیڈ روم میں آئیں۔ وہ ریسیور کان سے لگائے بات کر رہی تھی۔

"دل لگانے کے لیے یہاں ہے کیا؟ جمال! میں تنگ آگئی ہوں۔"

جمیلہ لاشعوری طور پر رک سی گئیں۔

"گھر کے کام سے کروں۔ جو کام بھی کرتی ہوں۔ اس میں سو سو نقص نکالے جاتے ہیں۔ ہر کام پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ ابھی تو ایک طرف محسن بھی باز نہیں آتے۔ میں بڑی بھابھی ہوں مگر مجال ہے جو ذرا عزت کرتا ہو۔ ہر بات منہ پر مار دیتا ہے۔ روٹیاں ایسی کیوں ہیں۔ چاول کچے ہیں۔ سبزی نہیں بھنی۔ جانے کیا میں پھوہڑ ہوں؟ اپنے گھر میں کوکنگ کی ماہر سمجھی جاتی تھی اور یہاں۔"

وہ رک کر جمال کی بات سننے لگی۔

"جانتی ہوں! ہر گھر کے اپنے طور طریقے ہوتے ہیں مگر آپ کے گھر کے طریقے میری سمجھ میں نہیں آتے۔" جمیلہ ایک طویل سانس لے کر واپس پلٹ گئیں۔ محسن ان کا گاڑی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے جا کر بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا؟" محسن نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں چلو۔" وہ بدقت مسکرائیں۔



"مریم!" عرشیہ نے پکارا۔

"ہوں۔" مریم اپنے ہاتھوں اور پیروں پر ابٹن ملنے میں مصروف تھی۔ دونوں چھت پر تھیں۔

"محبت کیسے ہوتی ہے؟"

"ایں۔" مریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔

"بتاؤ نا۔ محبت کیسے ہوتی ہے؟" عرشیہ نے اصرار کیا۔

"تم نے رس ملائی بنانے کی ترکیب پوچھی ہوتی تو میں بتا دیتی۔ اب مجھے کیا پتا محبت کیسے ہوتی ہے۔ ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" مریم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"ویسے ہی معلومات میں اضافے کے لیے۔" عرشیہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

"مریم! پتا ہے میرا بھی دل چاہتا ہے کوئی مجھ سے محبت کرے بالکل فلمی ہیرو جیسی مجھ پر مرتے میرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہو۔ میں راتوں کو اٹھ کر آہیں بھروں۔ چوری چوری باتیں ملاقاتیں کروں اور آخر میں ہم دونوں گھر سے بھاگ جائیں۔" وہ جوش سے بولتی چلی گئی۔

"زبردست۔ ایسی سڑک چھاپ قسم کی محبت کرنی ہے تمہیں؟" عرشیہ نے گھورتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پسند نہیں آئی تو نہ سہی۔" مریم نے کندھے اچکائے پھر ابٹن والا برتن اٹھا کر نیچے بھاگی۔

"فاطمہ! چائے بن گئی کیا؟"

"ہاں میں آواز دینے ہی والی تھی۔ آجاؤ۔" فاطمہ نے جواب دیا۔

دونوں نیچے آگئیں۔ فاطمہ نے برآمدے کے تخت پر چائے اور گھر کے بنے بسکٹ رکھے تھے۔

"آپ نے باپ کو دے دی؟" حمیدہ نے پوچھا۔

"جی امی!" فاطمہ نے جواب دیا، وہ اپنا کپ لیے فرد کو قابو کیے بیٹھی تھی، جو بے زار چہرے کے ساتھ کتابیں کھول رہا تھا۔

"فاطمہ آپی! میں بھی آپ سے بسکٹ بنانا سیکھوں گی۔" عرشیہ کھاتے کھاتے جھٹ سے بولی۔

"تو سیکھنا کیا ہے، جب دل چاہے فاطمہ بنا دے گی۔"

"سیکھنے دیں، سسرال میں کام آئے گا۔" مریم ہنسی۔

"تو عرشی کو کہاں جانا ہے۔ یہیں رہے گی میرے پاس۔" حمیدہ نے پیار سے عرشیہ کو دیکھا۔

عرشیہ کے ہاتھ سے بسکٹ چھوٹ کر کپ میں گر گیا۔ اس نے تائی کو دیکھا، وہ آرام سے چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھیں۔ عرشیہ نے باری باری سب کو دیکھا۔ فاطمہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ عرشیہ نے گڑبڑا کر سر جھکا لیا۔ دل نے خوش گوار دھڑکنوں کا راگ چھیڑ دیا۔

"تو کیا تائی بھی کسی کو چاہتی ہیں؟"

تبھی دروازے پر بیل ہوئی۔ فرد کتاب پھینک کر بھاگا۔ "فرد! ارے ارے۔" کہتی رہ گئیں، اس نے بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔

"لو آ گئیں نصیحت بی بی!" حمیدہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ پھپھو جمیلہ کے ساتھ محسن کو دیکھ کر تینوں لڑکیوں نے سر پر دوپٹے لے لیے۔ حمیدہ نے بھی زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔

"بڑے دنوں کے بعد چکر لگایا۔ اور یہ محسن۔ اسے تو کبھی ماں کی یاد ہی نہیں آتی۔" حمیدہ نے شکوہ کیا۔

"کئی دنوں سے آنا چاہ رہی تھی۔ کبھی محسن فارغ نہیں ہوتا تھا تو کبھی میں بیمار پڑ جاتی۔ آج سوچا ہو ہی آؤں۔ موسم بدل گیا ہے۔ کئی دنوں سے لڑکیوں کے لیے کپڑے خرید رکھے تھے۔"

جمیلہ کی ہمیشہ سے عادت تھی۔ ان کے لیے کچھ نہ کچھ خریدتی رہتی تھیں۔ بقول ان کے اس طرح وہ بیٹیوں کی کمی فل شاپنگ کا مزہ لے لیتی ہیں۔

"محسن بھائی! آپ بیٹھیں نا۔" مریم کو خاموش کھڑے محسن کا خیال آیا، تو اس نے جلدی سے کرسی سامنے کی۔

"شکر ہے، پھپھو کے علاوہ کچھ نظر تو آیا۔ ورنہ میں تو سوچ رہا تھا، کھڑے کھڑے واپس جانا پڑے گا۔" وہ شرارت سے کہہ کر بیٹھ گیا۔ "اور سنائیں عرشی بی بی! کیا حال چال ہیں۔" وہ عرشیہ سے مخاطب ہوا۔

"فٹ فاٹ۔" وہ مسکرائی۔ محسن سے زیادہ فری نہیں تھی۔

"اصغری بی بی! آج چائے نہیں ملے گی؟" محسن نے عین سامنے بیٹھی فاطمہ کو چھیڑا، جو کافی نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر محسن کو دیکھا۔

"محسن! میری بچی کو تنگ مت کرو۔" جمیلہ نے گھورا۔

"میں نے اسے اکبری تو نہیں کہا۔ اصغری کہا ہے، تعریف ہی کی ہے۔ کیوں پھپھو!" اس نے عقب میں کھڑی عرشیہ اور مریم سے تائید چاہی۔

"میں لاتی ہوں۔" فاطمہ مسکراہٹ دبا اٹھ گئی۔

"اور لڑکی! تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ چھوٹی امی کو بلاؤ، اکٹھے چائے پیتے ہیں۔" عرشیہ محسن کی بات سن کر ماں کو بلانے چل دی۔

"بھائی جان کدھر ہیں؟" جمیلہ نے پوچھا۔

"نماز پڑھنے گئے ہیں۔ پتا نہیں پوری آتی بھی ہے یا نہیں۔" حمیدہ کے جواب پر محسن کو زور سے ہنسی آگئی۔



توبہ۔ توبہ ایسی مہنگائی کہ مت پوچھو۔ بیٹھے بٹھائے پورے چار ہزار خرچ ہو گئے۔ اوپر سے لڑکیوں کے جو چونچلے، اگر جلال ادھار نہ دیتی تو پتا نہیں کیسے پورا ہوتا۔ نعمان نے تو کہہ دیا تھا اور ایک پیسا نہیں دوں گا۔"

جمیلہ نے بے اختیار جلال کو دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئیں۔ جمیلہ نے طویل سانس لے کر حمیدہ کو دیکھا، جو ابھی تک مہنگائی کے رونے رو رہی تھیں۔

"ہاں بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔ اسی لیے انسان کو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہیے۔ اب کتنی بار تو سمجھا چکی ہوں کہ سوچ سمجھ کر خرچ کیا کریں۔ تھوڑی بچت کی عادت ڈالیں۔ ابھی دو لڑکیاں بیاہنی ہیں۔ ثوبان کی تعلیم۔ نعمان کی شادی۔ خواہشات کا کیا ہے، جو جن کی طرح جتنا مرضی بڑھاتے جاؤ۔ آخر میں بدمزاجی کرتی ہیں۔ اب دکھاوے کے چکروں میں بچت تو نہیں

خراب کرنا چاہیے "لڑکیوں کو بھی سمجھایا کریں۔ اس مقابلے بازی میں سیکھنے والوں کا کباڑا نہ کریں۔"

نبیلہ نے رسانیت سے سمجھایا۔ حمیدہ دل ہی دل میں قلق کر رہ گئیں تب ہی بات بدل دی۔ "یہ محسن کہاں چلا گیا؟"

"اسے آفس جانا تھا۔ واپسی پر مجھے لے جائے گا۔"

"اچھا میں کچھ کھانے کا بندوبست کرلوں۔" حمیدہ اٹھیں۔

"جی۔" نبیلہ نے انہیں اندر غائب ہونے تک دیکھا۔ پھر عادلہ کی طرف مڑیں۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ اس طرح ادھار مت دیا کرو۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ وہ کبھی واپس نہیں کرتیں۔"

"میں کیا کروں نبیلہ! انکار کر کے ان کے طعنے کون سنے۔"

"عادلہ حد کرتی ہو۔ خود مختار ہو۔ اپنے گھر میں رہتی ہو۔ اپنا خرچ کرتی ہو۔ پھر اتنا دبنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ جھنجلا گئیں۔

"نبیلہ! تم جانتی ہو۔ جہالت کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔"

"یہ کوئی لاجک نہیں ہے۔ عرشیہ کی شادی، تعلیم کیا بندوبست کیا ہے تم نے۔ بتاؤ تم میں اور حمیدہ میں فرق کیا ہے۔ وہ اس طرح اڑاتی ہیں تم اس طرح۔"

"اچھا چھوڑو اس قصے کو۔" عادلہ نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"میری مانو تو کمیٹی ڈال کر عرشیہ کا زیور وغیرہ بنوالو، ورنہ اس طرح تو کچھ جمع نہیں کرپاؤ گی۔" نبیلہ کا مشورہ عادلہ کے دل کو لگا۔

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔"

"تو بس اسی مہینے سے شروع کردو۔" نبیلہ کے لیے عادلہ کو سمجھانا آسان تھا۔

☆ ☆ ☆

"بلو کا بخار اتر گیا؟" اصغر نے پراٹھے پر گھی لگاتی کبریٰ کو دیکھتے پوچھا۔ کبریٰ موٹے موٹے پراٹھے بنا رہی تھی۔ جب سے سردی کا آغاز ہوا تھا۔ سب چولہے کے پاس بیٹھ کر ناشتا کرتے تھے۔

"نہیں دماغ کو چڑھ گیا ہے۔" کبریٰ نے چڑ کر کہا۔

"کیوں؟ مجھے بتایا کیوں نہیں۔" وہ اٹھنے لگا۔

"بیٹھ جائیے بھتیجے کے لیے بڑا تڑپتا ہے۔ کچھ نہیں ہوا اسے جس کا دماغ خراب ہے۔"

"تو سیدھی طرح نہیں بتا سکتی۔ بچی مت ہے تیری بھی۔" اصغر گرجا۔

"چار جماعتیں کیا پڑھ لی ہیں۔ ہمارے سر چڑھنے لگا ہے۔ بڑھ بڑھ کر باتیں سنانے لگا ہے۔ بشریٰ کو بلا کر پوچھ لیں کیا کیا طعنے دیے ہیں۔" اس نے گرم گرم پراٹھا چنگیر میں رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔ ساتھ میں دہی کا پیالا اور مٹی کی کٹوری میں اچار بھی موجود تھا۔ اصغر اس میں سے مرچ کا اچار الگ کرنے لگا۔

"کیا کہتا ہے؟"

"بشریٰ کو کہتا ہے تیری ماں مجھے طعنے دیتی ہے اس زمین میں میرا بھی حصہ ہے۔ چاچا اکیلا نہیں ڈکار سکتا۔"

"اس نے یہ کہا؟" اصغر کی تیوری چڑھی۔

"نہیں میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"

"بلو او بلو۔" اصغر دھاڑا۔

"اچھی طرح دماغ درست کریں۔" کبریٰ کو موقع مل گیا تھا۔

"جی چاچا!" بلو باورچی خانے کے دروازے میں آکھڑا ہوا۔ وہ کالج جانے کے لیے تیار تھا۔

"کل بشریٰ سے کیا بکواس کی تھی؟"

بلو نے کبریٰ کو دیکھا۔ یقیناً اچھی خاصی لگائی بجھائی کی تھی۔ کل غصے میں جو کچھ کہا تھا اس پر پچھتایا بھی تھا۔ فی الحال اسے چاچا کی ضرورت تھی۔ اپنا حق، عنایت کچھ کرنا منظور تھا کم از کم اس وقت تک جب تک وہ خود کمانے کے قابل نہ ہو جاتا۔

"تیرا زمین میں حصہ ہے؟" اصغر نے پوچھا۔

"کیا نہیں ہے؟" ابرار نے سنبھل کر نگاہ اٹھائی۔

"کوئے تیری۔"

"چاچا! انگلی مت دکھا۔" ابرار نے انگلی اٹھائی ایک لمحے کے لیے اصغر کو احساس ہوا۔ اصغر بوڑھا ہو گیا ہے اور بلو جوان وہ اب بے غرض نہیں سہارے گا۔ اس احساس نے اسے جھنجلا دیا۔

"مجھے انگلی دکھاتا ہے۔" اچار کی کٹوری اڑتی ہوئی ابرار کے سینے سے ٹکرائی اور اس کی سفید شرٹ کو داغ دار کرتی نیچے گر کر ٹوٹ گئی۔ ابرار دو ساتھ پیچھے کو لڑکھڑایا۔ ایک لمحے کو کبریٰ بھی ششدر رہ گئی۔ اتنے شدید ردعمل کی توقع نہ تھی۔ یوں تو کئی مرتبہ شکایتیں لگا کر ابرار کو ڈانٹ پڑوائی تھی۔

مگر آج کچھ نیا ہوا تھا۔

آج ابرار نے سر جھکا کر گالیاں نہیں سنی تھیں۔ اس کی انگلی اٹھی تھی۔ آج انگلی اٹھی تھی تو کل۔

کبریٰ توے پر پڑا پراٹھا بھول گئی۔

اصغر مغلظات بک رہا تھا اور ابرار۔

کبریٰ کو ابرار کی شرارے برساتی آنکھوں سے خوف آیا۔

شور سن کر جمیلہ اور بشریٰ بھاگتی ہوئی آئیں۔

"کیا ہوا؟"

"سمجھالے۔ سمجھالے اس سانپ کو۔ مجھے انگلی دکھاتا ہے۔ میں تو اس کی۔" اصغر کو کبریٰ نے تیزی سے اٹھ کر آٹے سے بھرے ہاتھوں سے اصغر کا بازو پکڑ لیا۔ "جانے دیں نہ، بچہ ہے۔"

جمیلہ دل پر ہاتھ رکھے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ابرار کی سفید شرٹ سرسوں کے تیل میں لتھڑی تھی۔

"بلو! تو چل باہر۔ چل ادھر سے۔" جمیلہ اسے کھینچنے لگی تو بلو نے اپنا بازو چھڑالیا۔ ایک نفرت بھری نگاہ سب پر ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

جمیلہ اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ لمحوں میں حویلی کا دروازہ پار کر گیا۔ وہ وہیں چوکھٹ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

کبریٰ اصغر کا غصہ ٹھنڈا کر رہی تھی اور بشریٰ ایک طرف تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"اگر بلو گھر نہ آیا تو۔"

☆ ☆ ☆

"نہیں۔ نہیں اپنے سیاپے پورے کرلے میرا کیا ہے؟ کسی نے جوتے پر پالش پھیرنے کی زحمت گوارا ابھی نہیں کی۔ گھر میں رکھی کوڑے کی ٹوکری جتنی اہمیت نہیں۔"

نانا ظفر کو ویسے بھی بہت شوق تھا ایسے کسی بھی موقع پر گھر والوں کے ہاتھ پاؤں پھلانے کا، خاطر سب کام چھوڑ کر بھاگ کے ہاتھ میں بیٹھے رکھے ہوتے تھے۔

"دیکھیں نانا! میں نے تو صبح سے آپ کے جوتے چمکا کر رکھے ہیں۔"

"تو چھپا کر رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟" انہوں نے گھورا۔

"چھپائے نہیں وہ تو ادھر۔"

"فاطمہ! میں نے بنیان لایا تھا۔" نعمان کی آواز پر وہ ادھر لپکی۔

"ہاں پہلے ان کو دو لاسا دو۔ جتنا کہا ہے اس سے دگنی آنکھیں دکھاتا ہے۔" وہ بڑبڑانے لگے۔ گھر میں عجیب سی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ ثوبان اوپر سے تیار ہو کر خوشبو میں بسا نیچے آیا۔

"ماشاء اللہ! میرا بیٹا ہیرو لگتا ہے۔ آج تو لوگ جل مریں گے۔ ہے کوئی اس جیسا۔" حمیدہ سارے کام چھوڑ کر اس کی بلائیں لینے لگی۔ نعمان نے مڑ کر ثوبان کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

"ہاں اماں! یہ تو ٹھہرا تیرا افسر بیٹا اسی کی بلائیں لے گی۔"

"نہیں۔ تو بھی کسی سے کم نہیں۔" ماں نے تسلی دی۔ ساتھ ہی پکارا۔ "مریم او مریم! جلدی سے مرچیں لا کے بیٹوں سے وار دوں۔"

"اماں! میں عرشیہ سے جوتے لینے جا رہی ہوں۔" مریم نے جواب دیا اور عرشیہ کی طرف آگئی۔

وہ میک اپ کر رہی تھی۔ مریم ٹھٹک گئی۔ میرون اور گلابی امتزاج کے جدید اسٹائل سوٹ میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔
"تم نے یہ سوٹ کب لیا؟"
"امی کے ساتھ جا کر لائی تھی۔" عرشیہ مڑ کر مسکرائی۔
"شادی کے لیے؟"
"ہاں۔"
"مجھے دکھایا ہی نہیں۔" اس کے لہجے میں حسد ہی حسد تھا۔
"ابھی کل ہی تو لائے ہیں۔ تم اس وقت مہندی لگوانے گئی تھیں۔" عرشیہ نے کانوں میں وہی ٹاپس ڈالتے ہوئے بتایا جو عادلہ نے اسے میٹرک پاس کرنے پر بنوا کر دیے تھے۔
"تم تیار ہو گئیں؟"
"ہوں۔ تم سے اسٹرپ والے بلیک سینڈل لینے آئی تھی۔"
"اوف وہ تو میں نے پہن رکھے ہیں۔" عرشیہ نے پاؤں سامنے کیا۔ "تم کوئی اور دیکھ لو براؤن۔"
"نہیں سوٹ پر لگتا ہے تو میں سینڈل بھی پرانے پہن لوں گی۔" مریم کا مزاج مکمل طور پر برہم ہو چکا تھا۔ اسے اپنی ساری تیاری بے کار لگنے لگی تھی۔
"جیسے تمہاری مرضی۔" عرشیہ کندھے اچکا کر میرون اور گلابی چوڑیاں پہننے لگی۔ مریم پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔
"عرشی اب جلدی آجاؤ میں جا رہی ہوں۔" عادلہ اندر آئیں پھر ٹھٹک گئیں۔
"بری بات عرشیہ! کنواری لڑکیاں اتنا میک اپ نہیں کرتیں۔" انہوں نے نرمی سے ٹوکا۔
"امی زیادہ تو نہیں ہے۔" عرشیہ نے آئینہ دیکھا۔
"ہاں۔ بس لپ اسٹک ہلکی کر لو۔ زیادہ میک اپ سے نیچرل بیوٹی دب جاتی ہے اور میری بیٹی ویسے ہی بہت پیاری ہے۔"
"اوکے۔" عرشیہ اپنی تعریف پر خوش ہو گئی۔
"اچھا۔ میں جا رہی ہوں تم بھی جلدی آؤ۔"
"بس چوڑیاں پہن لوں۔" وہ جلدی جلدی چوڑیاں پہننے لگی۔ تھوڑی تنگ تھیں۔ اس بے وقت ہو رہی تھی۔ دوسری طرف اٹھنے والا شور بتا رہا تھا کہ سب گاڑی میں بیٹھنے والے ہیں۔ چوڑیاں پہن کر عرشیہ نے ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا۔
"آج غضب ڈھا رہی ہو۔" آئینے نے سرگوشی کی۔
"اچھا۔ تو کیا آج وہ کچھ بولے گا؟"
آئینہ خاموش ہوا مگر اس میں ثوبان کا عکس بولنے لگا۔
عرشیہ گھبرا اٹھی۔ ثوبان اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔
کچی کلیوں سی نازک لڑکی گلابی رنگ اوڑھے
آنکھوں میں خوابوں کی دھنک
لبوں پر شرمیلی مسکان
جبھی لگتی تھی کہ وہ ثوبان پر اپنا آپ ہار چکی ہے۔
اس کی انا اور خود پسندی بلند ہونے لگی۔
"آج تو اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ کوئی بھی ساری دنیا کے خزانے تم پر لٹانے کو تیار ہو جائے۔" وہ پلٹ کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی اشیا کو خوامخواہ چھیڑنے لگی۔
"مجھے کسی کے خزانے کی ضرورت نہیں۔" عرشیہ کو لگا یہی لمحہ ہے۔ اگر اس لمحے میں ثوبان بندھ گیا تو ساری عمر کے لیے قید ہو جائے گا۔
"تو۔" وہ قریب آیا اتنا قریب کہ اس کے پرفیوم کی مہک عرشیہ کے حواسوں پر طاری ہونے لگی۔
"کبھی کبھی کسی کے کہے چند الفاظ انمول خزانوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔"
"کون سے الفاظ؟" وہ مستقل انجان بن رہا تھا۔
"آپ کے پاس میرے لیے چند الفاظ بھی نہیں ہیں؟" عرشیہ نے ایک ادا سے کہا۔
ایک پل کو ثوبان حیران رہ گیا۔
اتنی بے باکی اتنی جرأت اتنا کھلا اظہار۔
"تو سنو۔" وہ اس کے کان پر جھکا۔
"کوئی وعدہ نہیں ہم میں

نہ آپس میں محبت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب مناجاتیں
مگر اک ان کہی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں"
"عرشیہ!" وہ۔ عادلہ اپنی دھن میں اندر آئیں۔ ثوبان چونک کر پیچھے ہٹا۔
عرشیہ گھبرا کر مڑی تو ہاتھ لگنے سے پرفیوم کی شیشی نیچے گر گئی۔
عادلہ ششدر سی کھڑی بھول گئیں کہ کیا کہنے آئی تھیں۔
پرفیوم نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔
خوشبو چار سو بکھرنے لگی۔
خوشبو جو سارے راز افشا کر دیتی ہے۔
"کب سے کہہ رہا ہوں اب نکلو بھی۔ مگر ان لڑکیوں کی تیاری بھی۔" ثوبان جھنجھلا کر باہر نکل گیا۔ عادلہ ہکا بکا تھیں۔ بچپن سے ایک ساتھ پلے بڑھے تھے۔ یوں کھڑے ہو کر بات کرنا انوکھا نہ تھا مگر انوکھے تو دونوں کے انداز تھے۔
"اور کتنی دیر ہے؟" عادلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"بس آ رہی ہوں۔" عرشیہ دوپٹہ اوڑھتی باہر لپک گئی۔ شادی میں انجوائے کرتے اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ وہ اپنی ماں کے لیے فکروں کے نجانے کون کون سے در کھول آئی ہے۔



کڑوی چائے کی پیالی سے اٹھتی بھاپ معدوم ہو گئی تھی۔
ابھی ابرار نے ایک گھونٹ نہیں لیا تھا۔ ماسٹر صاحب عشا کی نماز پڑھ کر آئے تو ٹھٹک گئے۔ وہ ابھی تک نہیں گیا تھا۔ منی نے بتایا تھا اس نے نماز بھی نہیں پڑھی اور کھانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔
"کیا بات ہے بیٹا! ٹھیک تو ہو۔" انہوں نے لوئی اتار کر کھونٹی پر ٹانگی۔ کھلوں کی راتیں ٹھنڈی ہونے لگی تھیں۔ رات کو گرم کپڑوں کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔
"جی ماسٹر صاحب!" ابرار نے کہا اور پیالی اٹھائی۔ چائے میں ہلکی سی گرمائش تھی۔ وہ ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔
"گھر نہیں جانا؟" انہوں نے چارپائی پر بیٹھ کر کھیس ٹانگوں پر ڈال لیا۔
ابرار خاموش رہا۔
"ماں انتظار کر رہی ہوگی۔" انہوں نے پھر کہا تو ابرار کھڑا ہو گیا۔
ماسٹر صاحب نے اسے بغور دیکھا پھر نرمی سے بولے۔
"بیٹا! نہیں جی چاہ رہا تو بیٹھ جاؤ۔ ٹھنڈی رات کو گلیوں میں پھرنے کی ضرورت نہیں۔" ابرار اسی طرح بیٹھ گیا۔
"چاچے نے کچھ کہا ہے؟" وہ اس کے گھر کے حالات سے بخوبی آگاہ تھے۔
"کچھ۔" ابرار نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "بہت کچھ۔ سب کچھ چاچے کا ہے۔ بس نہیں چلتا اس کا میرے ہاتھ سے کتابیں چھین کر کہیں پھینک دے۔ وہ چاہتا ہے میں کالج چھوڑ کر اس کے ساتھ زمینیں سنبھالوں۔"
"اس کا بیٹا نہیں ہے۔ اس لیے چاہتا ہے کہ تم اس کے بازو بنو۔ یہاں کالج چھوڑنے والی بات غلط ہے۔ زمین سونا اگلتی ہے تو علم ذہن کو زرخیز کرتا ہے۔" ماسٹر صاحب نے رسانیت سے کہا۔
"جاہل کیا جانے علم کی قدر۔"
"تم خود کو عالم سمجھنے لگے ہو۔" وہ دھیرے سے مسکرائے۔
ابرار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔
"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ پر چاچی کی ہر شکایت پر چاچا بار بار بے عزتی کرتا ہے۔ خرچہ تک پورا نہیں دیتا۔ سال [illegible] وہ [illegible] کر لیتی ہے۔ ایک ایک پیسے کے لیے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ کیوں میرا اس زمین میں

حصہ نہیں ہے کیا؟ آج وہ محنت کر رہا ہے۔ تو کل کو میں بھی کماؤں گا۔ کہاں لے جاؤں گا؟ اسی گھر میں لاؤں گا نا۔" ابرار دل کی بھڑاس نکالتا چلا گیا۔

"اصغر کو اسی بات کا تو یقین نہیں ہے۔ اسے لگتا ہے کہ جب تو پڑھ لکھ کر کسی ملازمت پر لگے گا تو یہاں نہیں رہے گا۔ گھر چلا جائے گا ماں کے ساتھ۔"

"جیسا اس کا سلوک ہے۔ یہی کروں گا۔"

"دیکھ پتر! تو میرے شاگردوں میں سب سے ہونہار شاگرد تھا۔ تجھے بہت آگے جانا ہے۔ پر ابھی تیری منزل دور ہے۔ صبر اور تحمل سے یہ وقت گزار دے۔ اسے یہی لگتا ہے کہ تو اس کا ہاتھ نہیں بٹاتا۔ تھوڑا وقت نکال کر کھیتوں میں چلا جایا کر۔ اس کے شکوے بھی دور ہو جائیں گے۔" ماسٹر صاحب نے رسانیت سے سمجھایا۔

"اس کے شکوے کبھی دور نہیں ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں۔ شہر یہاں سے کتنی دور ہے۔ دو دو ویگنیں بدل کر جانا پڑتا ہے۔ کالج شہر کے آخری کونے پر ہے۔ آتے آتے شام ہو جاتی ہے۔ میں کیا کروں اور چاہتے ہو کون سا میرا خرچہ اٹھا رکھا ہے۔ ایک ایک پیسے کے لیے ترساتا ہے۔ جس دن کرائے کی رقم کم ہو مجھے پیدل کالج تک جانا پڑتا ہے۔" وہ تلخی سے کہتا چلا گیا۔

"اور ماسٹر صاحب! آج میرے ساتھ جو یہ سلوک کر رہے ہیں۔ میں کل ان کے ساتھ کیسا سلوک کروں گا، یہی کچھ لوٹاؤں گا۔"

"ہوں۔ نیت ٹھیک رکھ۔ اللہ سارے رستے کھول دے گا۔ مشکل وقت ٹل جانے کے لیے ہوتا ہے۔ اسے صبر سے گزارے گا تو میٹھا پھل پائے گا۔ میں تجھے یہیں ٹھہرا لوں، پر تیری ماں دروازے سے لگی بیٹھی رہی ہوں گی۔ جا ماں کو انتظار نہ کرا۔ اس دنیا میں اللہ کے بعد تو ہی اس کا سہارا ہے۔ جا میرا پتر اللہ نگہبان۔"

ابرار ست روی سے اٹھا۔ اگر ماں کے انتظار کا خیال نہ ہوتا تو کبھی گھر کا رخ نہ کرتا۔ مگر اب جانا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کافی بیت گئی تھی۔ مگر سب لوگ ابھی بھی بکھرے خیموں میں مصروف تھے۔ چائے کے دو دور چل چکے تھے۔ مگر گپ شپ جاری و ساری تھی۔

"توبہ! نجانے کسی سستی سی بیوٹیشن سے میک اپ کروایا تھا۔ سارا منہ لال لال کر دیا اور آئی شیڈ۔ توبہ!" مریم نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"اور اس کے سسرال والے دیکھے تھے؟ ساری عورتیں اپنی شادی کے جوڑے پہن کر آئی تھیں۔ چودہ پندرہ سال پرانے۔" ساجدہ بھی ان کے ساتھ ہی آبیٹھی تھی۔

"گھر کے لوگ بڑے سیانے ہیں۔ میرے تمہارے جیسے نہیں ہیں۔" حمیدہ نے جل کر کہا۔ "ابو نے اپنی دیوالی کو ہوا بنایا تھا۔ کیا لے کر آئے اس کے میکے والے؟ گھٹے سوٹ۔ اور کہہ کر ہمارا اتنا خرچ کروا دیا۔"

"آپ بھی فوراً اس کی باتوں میں آجاتی ہیں۔ ان کی اوقات کا پہلے نہیں پتا تھا کیا؟"

ساجدہ شروع ہو گئی۔ علاولہ نے طویل سانس لے کر عریشہ کو دیکھا۔ وہ اب بھی فاطمہ اور مریم کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔ پوری شادی میں انہوں نے بہت کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ بچی کے بدلے ہوئے انداز ان کے تفکرات میں اضافہ کر رہے تھے۔

انہوں نے بہت غور سے عریشہ کو دیکھا۔ وہ واقعی بڑی ہو چکی تھی۔

"عریشہ!" انہوں نے گھبرا کر پکارا۔ آواز اتنی بلند تھی کہ سب مڑ کر انہیں دیکھنے لگے۔

"کافی دیر ہو گئی ہے۔ آپ چلو۔ صبح کالج کے لیے لیٹ ہو جاؤ گی۔"

"میں تو صبح بالکل نہیں جا رہی کالج۔ اتنی تو تھکن ہو رہی ہے۔" مریم نے آرام سے کہا۔ علاولہ عریشہ کو اشارہ کر کے کھڑی ہو گئیں۔ گھر آکر بھی عریشہ نے کپڑے نہیں بدلے۔ یونہی سوئی سی گھومتی رہی۔

آخر علاولہ کو ٹوکنا پڑا۔

"اب کیا یونہی پھرتی رہو گی۔ کپڑے بدل کر سو۔"

عریشہ نے ٹھٹک کر ماں کو دیکھا۔ وہ کچھ الجھی ہوئی لگ رہی تھیں۔

اسے صبح والا منظر یاد آیا تو کپڑے بدلنے کے بہانے کھسک گئی۔ واپس آئی تو علاولہ جاگ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔

"عریشہ!" وہ نیم غنودگی میں تھی، جب علاولہ نے پکارا۔

"تمہیں ثوبان کیسا لگتا ہے؟"

عریشہ کی ساری نیند اڑ گئی۔ "اچھا ہے۔ اچھا لگتا ہے۔"

"ہوں۔" علاولہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گئیں۔ عریشہ منتظر تھی کہ وہ کچھ اور پوچھیں تو وہ اپنے دل کا حال کہہ دے گی۔ مگر وہ بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔ عریشہ نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔

"اچھا تو امی کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔ اللہ خیر کرے۔ ویسے ثوبان میں کس چیز کی کمی ہے۔ سب سے بڑھ کر اپنا ہے۔ میں ہمیشہ امی کی نظر کے سامنے رہوں گی۔"

اپنی ہی سوچوں نے اس کے لبوں پر پھول کھلا دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

جمیلہ کب سے دہلیز پکڑے بیٹھی تھی۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ گلیوں میں پھرتے آوارہ کتے بھی منہ چھپا گئے۔ گہری خاموشی پورے گاؤں پر سائے کی طرح پھیل گئی۔ باڑے میں جانور گردن ہلاتے تو گردنوں میں بندھی گھنٹیاں کھنکنے لگتیں۔ تاریک رات کی گود بے شمار روشن ستاروں سے بھری ہوئی تھی۔

"اماں! تم ابھی تک سوئی نہیں۔" بشریٰ آنکھیں ملتی سر پر کھڑی تھی۔ وہ پانی پینے کے لیے اٹھی تھی جو صحن کے آخری کونے میں تھا۔

"ماں کا کلیجہ گلیوں میں رل رہا ہے۔ نیند کہاں سے آئے۔" جمیلہ نے دوپٹے سے آنکھیں خشک کیں۔

"ہائے اللہ! بلو ابھی تک نہیں آیا؟" جمیلہ نے کھا جانے والی نظروں سے بشریٰ کو دیکھا۔

"سارا اسیاپا تو نے ڈالا تھا۔ کیا ضرورت تھی جھوٹ سچ لگانے کی۔ پتا بھی ہے تیرے ماں پیو گرم دماغ کے ہیں۔"

"تو امی نے کوئی جھوٹ بولا تھا۔ بلو نے مجھ سے خود دیا ہے۔" بشریٰ نے تنک کر کچھ کہنا چاہا۔ جمیلہ نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"تیرے بھلے میں بلو نے کچھ کہہ دیا تھا تو چپ نہیں رہ سکتی تھی۔ ذرا سی بات اور۔"

"ہاں سارا قصور تو میرا ہے۔" بشریٰ روہانسی ہو گئی۔

"ہائے رہا لیے! تو بھی رات کو دروازے پر بارات کیوں کھڑی ہے۔" کبریٰ کی باٹ دار آواز پر بشریٰ نے مڑ کر دیکھا۔

"اماں! بلو ابھی تک گھر نہیں آیا۔"

"ہائے۔ وہ کیا ننھا کاکا ہے، جو گھر کا راستہ بھول گیا۔ نہیں پھر رہا ہوگا آوارہ۔ تو کیا اس کی راہ تک رہی ہے۔ چل دفع ہو اندر۔ اب ماں بیٹوں کے تماشے تو چلتے رہیں گے۔ نہ دن کو چین نہ رات کو سکون۔"

کبریٰ نے کھا جانے والی نظروں سے جمیلہ کو دیکھا۔

"جا۔ کبریٰ! خوامخواہ میرا جی نہ جلا۔ میں نے نہیں کہا۔ اسے میرے پاس دروازے پر کھڑی ہو۔ میں اپنی بچی کی راہ دیکھ رہی ہوں۔"

"ہونہہ پتر ہے نہ ماں کی فکر ہے نہ خیال۔ چل بی بی۔" وہ بشریٰ کو ٹہوکا دے کر اندر چلی گئی۔

جمیلہ نے طویل سانس لے کر گھٹنوں پر سر جھکا لیا۔

بلو نے تاروں کی روشنی میں دروازے پر ایستادہ اس سائے کو دیکھ لیا تھا۔ شرمندگی سے اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ سارے دن کی تھکی ہاری ماں کو اس وقت گرم بستر میں ہونا چاہیے تھا اور وہ اس کی

خاطر سردی میں ٹھٹھر رہی تھی۔
ابرار کو خواہ مخواہ غصہ آنے لگا۔
"اماں! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟"
جمیلہ جھٹکے سے اٹھی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔
"صدقے جاؤں پتر! تو کہاں چلا گیا تھا۔"
"کہاں! کہاں جاؤں گا' ادھر ہی تھا گاؤں میں۔ تو آرام سے سو جاتی۔"
"آرام سے۔" جمیلہ نے سر اٹھا کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ اس سے اونچا ہو گیا تھا' ایسا مشورہ دے سکتا تھا۔ تاروں کی اجلی روشنی میں جمیلہ کے آنسو جھلملا رہے تھے۔
"تجھے دیکھے بغیر تو مجھے سانس نہیں آتا' پتر! نیند کیسے آتی۔"
"اچھا! ہوئی ہے' اندر چل۔" ابرار کو ندامت ہونے لگی۔
"دیکھ کتنا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ چل لحاف اوڑھ کے لیٹ میں تیرے لیے دودھ پتی لاتی ہوں۔"
وہ منع کرنا چاہتا تھا' مگر جمیلہ تیزی سے باورچی خانے میں چلی گئی۔ تب ہی بشریٰ باورچی خانے سے نکلی اسے دیکھ کر ٹھٹکی۔
"آگیا واپس۔ بڑا ہی اتھرا ہے۔ ابے کی دو باتیں نہ سن سکا۔" وہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آگئی۔ ابرار نے لب بھینچ لیے۔ "ویسے اتنا ہی غصہ تھا تو واپس کیوں آیا؟"
"تو مجھے سمجھتی کیا ہے؟"
"میں تو تجھے کچھ بھی نہیں سمجھتی۔" ابرار نے ایک دم اسے بازوؤں سے دبوچا اور غرایا۔
"اپنے آپے میں رہ ورنہ تیرا وہ حشر کروں گا کہ یاد کرے گی۔"
وہ ایک دم ڈر گئی۔
ابرار نے اسے جھٹکے سے چھوڑا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔
وہ کئی قدم لڑکھڑا کر رکی اور ساکت سی رہ گئی۔ شاید اسے بلوے اس جارحانہ رویے کی توقع نہ تھی۔
"کیا ضرورت تھی اتنا غصہ کرنے کی۔" کبریٰ لحاف میں دبکے اصغر کے پاؤں دبا رہی تھی۔
"شاباش ہے' پہلے میرے کان بھرتی ہے۔ بتا بتا کے غصے کو ہوا دیتی ہے۔ بعد میں کیا ضرورت تھی؟" اصغر نے کبریٰ کے ہی انداز میں کہا۔
"لے میں نے تیرے کون سے کان بھر دیے؟" کبریٰ نے غصے سے ہاتھ کھینچ لیے۔
"ابھی یہ زنانیوں میں دل پھیرے بندے کی سمجھ میں نہیں آتے۔"
"جو سچ تھا تجھ سے وہی کہا تھا۔"
"تو میں نے بھی وہی کیا جو مجھے کرنا ہے۔" اصغر ترکی بہ ترکی بولا۔
"جوان خون ہے۔ تجھے اس پر یوں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ اس طرح تو وہ بالکل ہاتھ سے نکل جائے گا۔" کبریٰ نے پتے کی بات کی۔
"آخر تو چاہتی کیا ہے؟" اصغر جھنجلایا۔ کبریٰ نے بلب کی پیلی روشنی میں شوہر کا چہرہ دیکھا۔
"اصغر! سن' تو جوان دھی کا باپ ہے۔"
"کیا مطلب؟" اصغر بری طرح چونکا۔
"اس پر بس اتنا رعب رکھ کہ وہ تیرے کہنے میں رہے۔ بشریٰ کے لیے اس سے اچھا بر کہاں سے ملے گا۔"
اصغر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔
(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

راحت جبیں

ساری بھول ہماری تھی

ناولٹ

عریشہ عادلہ کی بیٹی ہے۔ عادلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں' مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جیٹھ اور جٹھانی اپنے بچوں نعمان' ثوبان فرید' فاطمہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں' بانو اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں' عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عادلہ کو یہ چیز پسند نہیں کیونکہ ان کے جیٹھ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ' عادلہ اور حمیدہ کی نند ہیں' ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال' جمال ملک سے باہر ہے مگر اس کی بدمزاج بیوی طیبہ یہیں رہتی ہے۔

ابرار جمیلہ کا بیٹا ہے' شہر میں پڑھتا ہے' باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چچی کبریٰ کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے' اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ پڑواتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی بشریٰ کی ابرار سے شادی ہو جائے۔

۲
دوسری قسط



"کل تک وہ زمانے بھر کا آوارہ تھا۔ اب وہ تجھے بشریٰ کے لیے ٹھیک لگ رہا ہے۔"

"وہ تو اس لیے کہتی ہوں کہ تو اکیلا ہے۔ وہ بھی تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دے۔ ماسٹر صاحب بتا رہے تھے، پڑھنے لکھنے میں اچھا ہے۔ کل کو کسی اچھی نوکری پر لگا تو فائدہ بھی تو اپنا ہی ہے۔" کبریٰ نے تحمل سے سمجھایا۔

اصغر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"تو پھر میں جمیلاں سے ابھی بات کر لیتا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ وہ کچھ اور سوچ لے۔"

"جلدی کس بات کی ہے۔ کرلیں گے۔ بس ذرا بلو سے نرم بات کیا کر۔ زیادہ سختی بھی اچھی نہیں۔"

"چل ٹھیک ہے۔ اس معاملے میں زنانیوں کی عقل کچھ زیادہ ہی چلتی ہے۔" اصغر کہہ کر لیٹ گیا۔

کبریٰ نے دل میں سوچا۔

"ابھی سے بات کر کے جمیلاں کو اپنے سر پر بٹھالوں۔ پہلے ہی بہت بڑا مان کرتی ہے۔"

☼ ☼ ☼

نبیلہ کچن میں کھانا بنا رہی تھیں۔ صبح سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن دوپہر تک جب کھانا بننے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو مجبوراً انہیں اٹھنا پڑا۔ ورنہ محسن نے آکر شور مچا دینا تھا۔ طیبہ نے دیکھا مگر نظر انداز کر گئی۔

"جب میرے ہاتھ کا بنا کھانا پسند ہی نہیں آتا تو مجھے کیا ضرورت ہے اتنا کھپنے کی۔"

"بیگم صاحب! جب طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو جا کر لیٹ جائیں۔ میں جیسا تیسا بنا ہی دوں گی۔" ملازمہ نے انہیں ہمدردی سے دیکھا۔ وہ بار بار پانی کا گھونٹ بھر رہی تھیں۔

"وہ جیسا تیسا کھانا محسن کو پسند نہیں آتا بتول! تمہیں تو پتا ہے۔ وہ کھانے کے معاملے میں کتنا نخریلا ہے۔" انہوں نے بتول کے ہاتھ سے کٹے ہوئے ٹماٹر لے کر ہنڈیا میں ڈالے۔

"اب آپ میں بھی تو دم خم نہیں رہا۔ سیدھے سیدھے محسن صاحب کی شادی کر دیں۔"

"ہاں۔ سوچ تو میں بھی یہی رہی تھی۔"

"ہاں پر یہ دیکھ لیجئے گا۔ لڑکی کو گھرداری کا بھی شوق ہو۔ ورنہ تو۔" اندر آتی طیبہ نے بتول کا جملہ سن لیا تھا۔ کڑے تیوروں سے گھورا۔

"تمہیں صرف باتیں بنانی آتی ہیں۔ کب سے کہا تھا میرے کپڑے استری کر دو۔"

"وہ چھوٹی بی بی! تب لائٹ نہیں تھی۔ تو میں بیگم صاحبہ کی مدد۔"

"ہو گئی مدد تو اب جا کر کپڑے استری کر دو۔ جاہل لوگ۔" بتول نبیلہ کو دیکھتی چلی گئی۔

"بری بات ہے بیٹا! ملازموں کے ساتھ بھی ذرا۔" انہوں نے رسانیت اور نرمی سے سمجھانا چاہا۔ طیبہ نے بات کاٹ دی۔

"مجھے تو آپ ہر وقت نصیحتیں کرتی رہتی ہیں۔ کہ گھر کی باتیں باہر نہیں کرتے اور خود ملازمہ کے سامنے میری برائیاں کرتی رہتی ہیں۔"

نبیلہ ڈھکنا پتیلی پر دے کر حیرت سے مڑیں۔

"میں نے تمہاری کون سی برائیاں کی ہیں؟"

"بس رہنے دیں امی! میں سب جانتی ہوں۔ گھر کے کام نہیں کرتی، کروں تو بے دلی سے کرتی ہوں۔ آپ کا اور گھر کا خیال نہیں رکھتی۔ شوہر کی محنت کی کمائی شاپنگ میں اڑاتی ہوں۔ مجھے نظر آتا ہے اور سنائی بھی دیتا ہے۔" طیبہ بدتمیزی سے کہتی چلی گئی۔

"اگرچہ اس میں سے کوئی ایک بات بھی جھوٹ نہیں۔ لیکن اتنی تہذیب ہے مجھ میں کہ گھر کی باتیں دوسروں پر خاص طور پر ملازمہ کے سامنے نہ کروں۔ اور دوسری بات، اپنی فرسٹریشن نکالنے کا طریقہ انتہائی غلط ہے کہ تم بڑوں سے بات کرنے کی تمیز بھی بھول جاؤ۔"

انہوں نے ہلکی آواز لیکن سخت لہجے میں تنبیہ کی۔ طیبہ کا منہ کھل گیا۔

"آپ مجھے فرسٹریٹڈ کہہ رہی ہیں؟"

"طیبہ! اپنے کمرے میں جاؤ۔" انہوں نے تحمل سے کہا۔

"میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ یہی باتیں آپ بھائی سے بھی کہتی ہیں۔ تب ہی وہ مجھے اپنے پاس نہیں بلاتے۔" وہ غصے سے پاؤں پٹختی چلی گئی۔ اندر آتے محسن نے حیرانی سے طیبہ کو دیکھا۔

"خیریت امی! ابھی کو کیا ہوا؟ اندھے بیل کی طرح ٹکریں مارتی پھر رہی ہیں۔"

"محسن۔" نبیلہ نے سہارے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ محسن نے تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں تھاما۔

"امی! کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں، چکر سا آگیا۔ مجھے میرے کمرے تک لے چلو۔" وہ چاہتیں تو بھی محسن کو کچھ نہیں بتا سکتی تھیں۔ وہ جذباتی سا لڑکا تھا۔ خواہ مخواہ طیبہ سے الجھنے کو ہو جاتا۔

"کتنی بار کہا ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو مت جایا کریں کچن میں۔ لیکن آپ ہیں کہ سنتی ہی نہیں۔" انہیں سہارا دے کر کمرے تک لایا اور آرام سے لٹایا۔ نبیلہ نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ دل بہت ہی گھبرا رہا تھا۔

"امی! کیا بات ہے؟" محسن نے آہستگی سے پوچھا۔ نبیلہ کو اپنے حساس سے بیٹے پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ تو آنکھیں کھول دیں، ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آگئی۔

"جاؤ بیٹا! کھانا تقریباً تیار ہی تھا۔ بتول سے کہو، روٹی ڈال دے۔"

"امی! میں بچہ نہیں ہوں، جو آپ میرے کھانے کے لیے اتنی پریشان ہوتی ہیں۔ کھالوں گا۔ آپ آرام سے لیٹی رہیں۔ بلکہ ایسا کرتا ہوں۔ یہیں لے آتا ہوں۔ اکٹھے مل کر کھائیں گے۔" وہ پہلے ماں کا خیال آنے پر لہجہ بدل کر بولا تھا۔

"امی! مجھے بالکل بھوک نہیں لگ رہی۔ تم۔"

"او کے۔" وہ آرام سے مان گیا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ طیبہ کے دل میں میرے خلاف اتنی کدورت اور بغض ہے۔ لیکن کیوں۔ میں نے تو کبھی اسے بہو نہیں سمجھا۔ ہمیشہ بیٹی ہی جانا۔ اور وہ۔ نجانے جمال سے کیا کچھ کہتی ہو گی۔" جمال کا خیال آتے ہی وہ بے چین ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

عادلہ اسکول سے گھر آئیں تو عریشہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ انہوں نے پریشان ہو کر تیز برستی بارش کو دیکھا اور جھٹ سے کچن کی طرف آگئیں۔ جہاں فاطمہ پکوڑے بنا رہی تھی اور مریم مزے سے چٹنی میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھی۔

"تم کالج نہیں گئیں؟" وہ مریم کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئیں۔ اس کا مطلب تھا عریشہ کالج میں اکیلی ہے۔

"صبح سے موسم خراب تھا امی! میں نے تو عریشہ سے بھی کہا تھا چھٹی کر لے۔ مگر وہ مانی نہیں۔" مریم نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"مجھے تو لگتا ہے وین والا نہیں گیا۔ موسم بھی اتنا خراب ہے۔" وہ قدرتی طور پر پریشان ہو گئیں۔

"چچی! آپ ثوبان کو فون کریں، وہ عریشہ کو پک کر لے گا۔" فاطمہ نے مشورہ دیا تو وہ سر ہلاتی فون کی طرف آگئیں۔ ثوبان نے تسلی دی کہ وہ عریشہ کو لے لے گا۔

"اب خدا کرے، وہ کالج سے نہ نکلی ہو۔" عادلہ نے زیر لب کہا۔ فاطمہ ان کے لیے وہیں چائے لے آئی۔

"ارے عریشہ آجائے تو اکٹھے پی لیں گے۔"

"چچی! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ ثوبان لے آئے گا۔ آپ آرام سے بیٹھ کر چائے پئیں اور گرما گرم پکوڑے کھائیں۔" فاطمہ نے تسلی دی۔

"ابا کہاں ہیں؟"

"باتھ روم میں ہیں۔" تب ہی باہر کے دروازے پر زور کی دستک ہوئی۔

"کہا ہوں گے۔ وہ بھی صبح کے نکلے ہیں۔" فاطمہ نے ٹرے ان کے سامنے رکھی اور دوپٹہ سر پر رکھتی بھاگتی ہوئی صحن عبور کر گئی۔ بارش کا پانی ڈیوڑھی میں بھی اکٹھا ہونے لگا تھا۔ فاطمہ نے دروازہ کھول دیا' پھر محسن کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"آپ۔!"

"اللہ کی بندی اندر آنے دو گی' میں بارش میں کھڑا ہوں۔"

"او سوری۔۔۔ آجائیں۔" فاطمہ نے کھسیا کر رستہ دیا۔

☼ ☼ ☼

وہ کب سے شیڈ کے نیچے کھڑی برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ رکشے' ویگنیں اس کے سامنے آتے اور گزرتے رہے۔ تب ہی ایک گاڑی اس کے پاس آرکی۔ ثوبان کو دیکھ کر وہ اندر تک پرسکون ہو گئی۔

"آج تو کچھ اور بھی مانگتی تو۔۔۔ لیکن کچھ اور کیوں مانگتی بھلا۔" وہ بھاگتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی۔

"آپ کیسے آگئے۔۔۔؟"

"تمہی کا فون آیا تھا۔"

"بہت اچھا ہو گیا۔ میں کب سے وین کا انتظار کر رہی تھی۔"

"وین والے کا دماغ خراب ہے' جو اس موسم میں روڈ پر نکلے گا۔" ثوبان نے گاڑی بڑھائی۔ "اور موسم تو صبح سے خراب تھا۔ جب مریم نے چھٹی کی تو تم کیوں آئیں۔"

عریشہ کو اس کی ڈانٹ خاصی بری لگی۔ "میرا بہت ضروری ٹیسٹ تھا۔"

"ہو گیا؟"

"نہیں۔۔۔ مس آئیں ہی نہیں۔"

ثوبان نے بے ساختہ اسے دیکھا اور ہنس دیا۔

"آپ کو اتنا برا لگا ہے تو نہ آتے۔ میں پہنچ ہی جاتی گھر۔" وہ منہ بنا کر بیٹھ گئی۔ تب ہی گاڑی میں کسی خوشبو کا احساس ہوا۔ اس نے چونک کر ثوبان کو' پھر پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں سرخ گلابوں کا گلدستہ پڑا مہک رہا تھا۔

"یہ کس کے لیے ہے؟"

"ایک دوست کی عیادت کو جا رہا تھا۔"

"اچھا۔" دل خوش فہم کو ٹھیس سی لگی۔ "میں سمجھی شاید کسی دوست سے میرے لیے گاڑی ادھار مانگی ہے۔"

"بہت خوش فہم ہو' ویسے یہ گاڑی بھی اسی کی ہے جس کی عیادت کو جا رہا ہوں۔"

"تو آپ کے پاس کیوں ہے؟"

"ورکشاپ میں تھی' اس نے کہا آتے ہوئے لیتے آؤں۔"

"کوئی خاص ہی دوست ہی ہو گا۔" عریشہ کے لہجے میں ہلکی سی جلن تھی۔

ثوبان مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ عریشہ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھی رہی۔ پھر پیچھے مڑ کر بو کے سے ایک بڑا سا گلاب کھینچ لیا۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ کیا کر رہی ہو' سارا بو کے خراب ہو جائے گا۔"

"ہو جائے۔"

"بہت ہی اوٹ پٹانگ لڑکی ہو۔" ثوبان گھور کر رہ گیا۔ عریشہ گلاب کو انگلیوں میں گھمانے لگی۔

"مجھے گلاب بہت پسند ہیں۔" کچھ دیر کے بعد عریشہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میرا دل چاہتا ہے' کوئی مجھے بھی سرخ گلاب دے۔" عریشہ کے لہجے اور آنکھوں سے اس کی خواہش مترشح تھی۔

"تمہارا دل ایکسیڈنٹ کروانے کو چاہ رہا ہے۔"

"اللہ نہ کرے۔"

"میں جس کے لیے لے جا رہا ہوں' وہ بھی ایکسیڈنٹ کے بعد ہی اسپتال پہنچا ہے۔"

"غالباً" آپ جانتے نہیں' سرخ گلاب محبت کی علامت ہوتا ہے۔"

"سوری' مجھے پھولوں کے بارے میں اتنی انفارمیشن نہیں۔"

"شاعرانہ مزاج رکھنے والا بندہ پھولوں کے بارے میں نہیں جانتا؟"

"شاعرانہ مزاج؟ کم آن عریشہ! میں تو اچھا خاصا پریکٹیکل بندہ ہوں۔۔۔ ہاں تم! لگتا ہے خواب بہت دیکھتی ہو۔" وہ ہنسا۔

"اچھا۔۔۔ اور وہ جو مجھے نظم سنائی تھی؟"

"کون سی؟" ثوبان کے سرسری لہجہ پر عریشہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جو لمحہ اس کی ساری زندگی پر محیط ہو گیا تھا۔ ثوبان کے خیال سے بالکل محو ہو چکا تھا۔

تو کیا وہ صرف اک وقتی سی اٹریکشن تھی۔۔۔ صرف ایک پل کے جذبات۔۔۔ اور میں۔۔۔ خواب نگری میں اس ایک لمحے کو تھامے ان لفظوں کی پائل چھنکاتی اب تک محو رقص ہوں۔

اس نے ثوبان کو دیکھا۔ وہ انہماک سے گاڑی چلا رہا تھا۔

عریشہ نے ہاتھ میں پکڑے گلاب کو دیکھا۔۔۔ اور اس سے اپنی محبت کی تصدیق چاہی۔

ایک ایک پتی پھول سے الگ ہو کر امید و ناامیدی کے درمیان ڈولتی اس کی گود میں گرنے لگی۔

محبت ہے۔

محبت نہیں ہے۔

محبت ہے۔

گاڑی آہستگی سے گھر کے سامنے رک گئی اور عریشہ کے ہاتھ میں پکڑے گلاب کی آخری پتی پر اٹک گئی جو "نہیں ہے" پر جا کر رک گئی تھی۔ اس نے پھول کو کرا سے باہر اچھال دیا اور خود تیزی سے اتر کر اندر بھاگ گئی۔ ثوبان وہیں سے واپس چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"نبیلہ کو بھی لے آتے۔" خالہ نے تیسری بار ان سے کہا تو حمیداں منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئیں۔

"بچی! امی کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ اسی لیے انہوں نے فاطمہ کو بلایا ہے۔"

"کیوں؟ تمہاری بھابھی کہاں گئی۔ دو دن ساس کی دیکھ بھال بھی نہیں کر سکتی۔" حمیداں چمک کر بولیں۔

"وہ کر تیں تو مسئلہ کس بات کا تھا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا' پھر براہ راست فاطمہ سے پوچھنے لگا۔

"کیوں فاطمہ! چل رہی ہو؟"

فاطمہ گھبرا کر ماں کو دیکھنے لگی۔۔۔ تو مریم فوراً" بول اٹھی۔

"محسن بھائی! میں چلوں۔۔۔؟"

"میں فاطمہ کو امی کی دیکھ بھال کے لیے لے جا رہا ہوں۔۔۔ تمہاری دیکھ بھال کون کرے گا۔" مریم منہ بنا کر اٹھ گئی۔

"ارے۔۔۔ مگر فاطمہ کے بغیر میں۔۔۔"

حمیداں نے کچھ کہنا چاہا' مگر اس سے قبل ہی برکت صاحب کی آمد ہو گئی' شومئی قسمت کہ انہوں نے سن بھی لیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ابھی تمہارے میکے سے بلاوا آجائے تو فوراً" بھیج دو گی۔۔۔ اب میری بہن کو ضرورت ہے' تو آنا کانی کر رہی ہے۔ اٹھو فاطمہ۔۔۔ جاؤ۔۔۔ بارش بھی رک گئی ہے۔ کل میں پتا کرنے آؤں گا تو تمہیں لے آؤں گا۔" انہوں نے ساری بات ہی ختم کر دی۔ سب کے سامنے کچھ کہنا اپنی بے عزتی کروانے کے مترادف تھا' سو حمیداں دل ہی دل میں گھٹ کر رہ گئیں۔ خالہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

"بچی! عریشہ کے لیے کپڑے لے جائیں' کہہ رہی تھی' کپڑے بدل کر آتی ہوں' آئی ہی نہیں۔" فاطمہ نے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

نعمان اپنے اسٹور کے دروازے میں کھڑا برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے اوپر "نعمان سپر اسٹور اینڈ پی سی او" کا بورڈ لگا تھا۔ چچا جب فوت ہوئے تو یہ اسٹور اتنی اچھی حالت میں نہ تھا۔ نعمان نے اس میں بہت سی تبدیلیاں کی تھیں اب یہ علاقے کا صاف ستھرا

اور خوب چلتا ہوا اسٹور تھا۔ برستی بارش میں کسی گاہک کے آنے کی تو امید نہ تھی' سو وہ اطمینان سے کھڑا موسم کے تیور دیکھ رہا تھا۔
"نومی بھائی! گرما گرم جلیبیاں اور سموسے لے کر آؤں۔" اس کے ساتھ کام کرنے والا لڑکا سر پر آکھڑا ہوا۔
"جانے دے یار! بارش تیز ہے۔"
"اب اتنی بھی تیز نہیں۔ دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔" وہ مسکین سی شکل بنا کر بولا تو نعمان ہنس دیا۔
"تیرا ندیدہ پن نہیں جائے گا۔ چل جا' لے آ۔" نعمان نے پیسے نکال کر دیے تو وہ بھاگ گیا۔
نعمان نے سی ڈی پلیئر کی آواز اونچی کی اور شیشے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔
وہ بے رنگ سا منظر تھا۔
تواتر سے برستی بارش۔ بھیگتی ٹوٹی' پھوٹی سڑک اور سڑک پر جمع ہوتا پانی۔
اسی پانی میں ایکدم رنگ سے ابھر آئے۔ نعمان کا دل اسی ٹوٹی پھوٹی سڑک کے کھڑے پانی میں دھمال سا ڈالنے لگا۔
چند منٹ تھے اور اسے یہاں سے گزر جانا تھا۔ اور یہی چند منٹ نعمان کی زندگی کا حاصل تھے' مگر خود پر چھتری تانے' سیاہ چادر میں لپٹی لڑکی وہاں سے گزری نہیں بلکہ اس کے عین سامنے آکھڑی ہوئی۔
نعمان دم بخود رہ گیا۔ اک خواب مجسم ہو کر اس کے سامنے ٹھہر گیا تھا۔
اس نے بوکھلا کر رستہ دیا۔ وہ تیزی سے اندر آئی۔ اور چھتری بند کر دی۔ چھتری کے باوجود اس کی سیاہ چادر کہیں کہیں سے بھیگی ہوئی تھی۔
"مجھے فون کرنا ہے۔"
نعمان نے بوکھلا کر فون سیٹ اس کی طرف بڑھایا۔
وہ تیزی سے نمبر ڈال کر رہی تھی اور نعمان چپکے چپکے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ عام سے خدوخال کی عام سی لڑکی۔ اس کے لیے کتنی خاص تھی یہ صرف نعمان کا دل جانتا تھا۔ وہ ہر روز یہیں سے گزرتی اور نعمان ہر روز اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب رہتا تھا۔ اسے وہ اچھی لگتی تھی۔ اچھی نہیں بہت ہی اچھی۔
ہیڈ ماسٹر افتخار حسین کی اکلوتی بیٹی۔
استانی عائشہ بی اے' بی ایڈ۔
"جی ابو! السلام علیکم' میں عائشہ۔"
"جی' موبائل میں بیلنس ختم ہو گیا تھا۔ اس لیے خراب موسم میں گھر سے نکلنا پڑا۔"
"ایمرجنسی ہی تھی' امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔"
"گھر میں جو کر سکتی تھی کر چکی' مجھے لگتا ہے انہیں فوراً" اسپتال لے جانا ہوگا۔" اس کے لہجے اور چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ بظاہر رجسٹر میں گم نعمان چوکنا ہو گیا۔
"اتنی دور۔ آپ کو تو پہنچنے میں ہی گھنٹہ لگ جائے گا۔ ٹیکسی کہاں سے ملے گی۔ بارش رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ میں کیا کروں۔"
"میں کچھ۔" نعمان بنا سوچے سمجھے بول اٹھا۔
عائشہ نے حیران ہو کر دیکھا۔ وہ ریسیور لینے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ عائشہ نے ریسیور دے دیا۔
"جی ماسٹر صاحب! میں نعمان بول رہا ہوں۔ پر اسٹور والا۔ آپ کہیں تو میں مدد کروں۔ جی ٹھیک ہے۔"
"اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔ تمہاری بڑی مہربانی بیٹا۔ اگر کسی طرح انہیں اسپتال پہنچا دو۔ میں بھی فوراً" پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔" ماسٹر صاحب اس کے مودب لہجے پر شکر گزار لہجے میں بولے۔
نعمان کی یوں بھی ان کے ساتھ سلام دعا تھی۔ وہ اکثر یہیں سے گھر کا سودا سلف لیتے۔
"عائشہ کو فون دو۔"
نعمان نے ریسیور عائشہ کی طرف بڑھایا۔
"لیکن ابو۔" وہ بات سن کر کچھ کہنے لگی۔
"عاشی! ضرورت کے وقت کسی سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ وقت اگر مگر کرنے کا وقت نہ

"انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔ تو اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔
"آپ گھر جائیں اپنی والدہ کے پاس' میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں۔" نعمان نے عجلت میں کہا۔

☼ ☼ ☼

"حد کرتے ہو محسن! مجھ سے تو پوچھ لیتے۔ خوامخواہ فاطمہ کو تکلیف دی۔" شمیلہ نے پیار سے پاس بیٹھی فاطمہ کو دیکھا جو خجل سی ہو رہی تھی۔
محسن ہنستا ہوا اماں کے قریب بیٹھا۔
"آپ نے تو کبھی زندگی میں تسلیم نہیں کیا کہ آپ بیمار ہیں۔"
"چھوٹی موٹی بیماریاں تو زندگی کے ساتھ چلتی رہتی ہیں۔ اب ان کو کیا ہوا بنایا جائے۔"
"اور جو میں بتاتا کہ فاطمہ کو لینے جا رہا ہوں تو آپ کب آنے دیتیں۔ اور نہ ہی ممانی اسے بھیجتیں۔"
"آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔" فاطمہ نے دھیمی آواز میں کہا۔
"صغریٰ بی بی! میں آپ کو یہاں نصیحتیں کرنے نہیں لایا۔ اب جلدی سے کچن میں جا کر دو چار اچھی سی ڈشز بنا کر فریز کر دیں اور ہاں۔ رات کے لیے پلاؤ ضرور بنانا۔"
"زینب۔ اٹھو یہاں سے' جاؤ اپنے کمرے میں' مجھے اپنی بیٹی کے ساتھ بہت سے باتیں کرنا ہیں۔" شمیلہ نے ڈانٹا تو وہ آرام سے اٹھ گیا۔
"جو مرضی کریں۔ بس کھانا وقت پر تیار ہونا چاہیے۔"
"میرے لڑکے بھی انوکھے ہی ہیں۔ گھر کے کھانے کے سوا کچھ اچھا ہی نہیں لگتا۔ جمال بھی بالکل اسی طرح کیا کرتا تھا۔ تم اتنی دور کیوں بیٹھی ہو۔ یہاں آؤ۔"
فاطمہ اٹھ کر ان کے قریب آگئی۔
"اچھا ہی ہو گیا۔ میں بھی سارا دن کسی سے بات کرنے کے لیے ترس جاتی تھی۔"
فاطمہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ بھی اس کی نظروں میں سوال پڑھ گئی تھیں۔
"طیبہ کی اپنی مصروفیات ہیں۔ جمال کے جانے کے بعد اداس بھی رہنے لگی ہے۔ لو طیبہ بھی آگئی۔" طیبہ خوبصورت میرون سوٹ میں بالکل تیار تھی۔
"فاطمہ آئی ہے۔"
"السلام علیکم بھابھی!"
"اچھا ہو گیا۔ آنٹی کو بھی کمپنی مل جائے گی۔ میں بھی ان کی وجہ سے کئی دنوں سے امی کے گھر نہیں جا سکی۔ آنٹی! میں ذرا ہو کر آتی ہوں۔"
فاطمہ ہکا بکا پھپھو کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ نظریں چرا گئیں۔
ایسی شان بے نیازی' نہ بیمار ساس کا خیال' نہ گھر آئے مہمان کا خیال۔ وہ گھڑی پاس بیٹھنا تو ایک طرف' چائے پانی پوچھنا بھی گوارا نہیں۔ اور پھپھو نے تو کبھی آدھا لفظ نہیں بتایا کہ بہو رانی کے مزاج آسمان پر ہوتے ہیں۔ اب اندازہ ہوا' محسن مجھے کیوں لایا ہے۔
"ارے بھئی۔ تم کس سوچ میں ڈوب گئی ہو۔ جلدی سے چائے بنا کر لاؤ۔ پھپھو بھتیجی مل کر پئیں گے۔ اور ہاں کباب بھی فرائی کر لینا۔" پھپھو کی آواز پر وہ چونک گئی اور مسکرا کر کچن میں آگئی۔ سجا سجایا' خوبصورت کھلا سا کچن' جس میں زندگی کی ہر سہولت موجود تھی۔
"لوگ بھی کتنے ناشکرے ہوتے ہیں۔" اس نے طویل سانس لے کر سوچا۔

☼ ☼ ☼

"توبہ' بال دیکھو کتنے بے جان اور روکھے۔" وہ تو آئی تھی کہ مریم کے ساتھ مل کر اپنا فیورٹ ڈرامہ دیکھ لے کہ تائی نے دبوچ لیا۔ اور ان کی محبت کے سامنے عرشہ کی کہاں چلتی تھی۔ سو اب آرام سے بیٹھی تیل لگوا رہی تھی۔
"ایک اکلوتی اولاد ہو تم اور تمہاری ماں کو اتنی بھی

فکر نہیں ہے۔ ارے دماغ کمزور ہوتا ہے۔ بال جھڑنے لگتے ہیں۔"

"کمال ہے! تمہیں بھی تو ساری فکریں عریشہ کی ہی رہتی ہیں۔ کبھی اتنے پیار سے میرے سر میں تو تیل لگایا نہیں۔" مریم نے چڑ کر کہا۔ حمیدہ نے آنکھیں نکالیں تو منہ بناتی پاس بیٹھ گئی۔

"تم کیوں جلس ہوتی ہو۔" عریشہ نے ناز سے کہا۔

"جلس ہوتی ہے میری جوتی۔"

"زیادہ بک بک نہ کر۔ چل۔ ہنڈیا میں ڈوئی چلا کے آ۔ ایک فاطمہ وہاں جا کر بیٹھ گئی ہے۔" مریم غصے سے دھپ دھپ کرتی کچن میں چلی گئی۔

"پاگل، خواہ مخواہ جلنے لگتی ہے۔ تو تو مجھے بچپن ہی سے پیاری ہے۔ یاد ہے جب تیری ماں تجھے کھینچ کر اسکول لے جایا کرتی تھی تو تو بھاگ کر میری گود میں آچھپتی تھی۔" تائی کی زبان پھر سے شہد ٹپکانے لگی۔

عریشہ کی یادداشت میں ایسا کوئی لمحہ نہیں تھا۔ ہاں یہ یاد تھا کہ ابا کی وفات کے بعد تائی اس سے کچھ زیادہ ہی محبت کرنے لگی تھیں۔ کرنے لگی تھیں کہ جتانے لگی تھیں۔ عریشہ کا ذہن ان گتھیوں کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ ہاں، کبھی کبھی یہ محبت ماں کی محبت کے مقابل کھڑی ہو جاتی۔ یہ صورت حال عریشہ کے لیے تو نہیں، البتہ عادلہ کے لیے ضرور تکلیف دہ ہو جاتی تھی۔

"تمہاری ماں اور پھوپھی نے ہمیشہ مجھے کمتر ہی جانا۔ میں ان پڑھ جاہل، وہ پڑھی لکھی عورتیں میرا ان کا مقابلہ کیا؟"

"تائی جان! ایسی بات کیوں کر رہی ہیں۔"

"بات تو یہی سچ ہے۔ میں تو ساری زندگی ان کی عقل کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ میں گھنی، میسنی نہیں ہوں، جو دل میں وہی زبان پہ۔ تیری ماں نے بڑی کوشش کی کہ تجھے مجھ سے دور رکھ سکے۔ تجھے کھینچ کر لے جاتی تھی، پابندیاں لگاتی تھی۔ اور میں ایسی پاگل۔ جب تک تیرے منہ میں نوالہ نہ ڈال دوں۔ اپنے حلق سے کھانا نہیں اترتا تھا۔"

انہوں نے اک طویل سانس بھری۔ عریشہ ان کے لہجے سے بری طرح متاثر ہو چکی تھی۔ تب ہی پلٹ کر ان کا تیل والا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جانتی ہوں تائی جان! کہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔"

"لے پگلی اپنا ہاتھ کیوں خراب کر لیا۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔ تیل ہی تو ہے۔"

"ایسے مخمل جیسے ہاتھ ہیں تیرے، ان کی حفاظت کیا کر۔"

"او کے۔ اب جلدی سے بال سمیٹ دیں۔ امی کی آواز آجائے گی۔"

"اچھا عرشی! اپنی ماں سے پوچھنا، دو ہزار روپے ہوں گے۔ مہینے کے آخری دن ہیں۔ پہلے ہی شادی پر اتنا خرچہ ہو گیا ہے۔ نعمان سے مانگے تو جان کھالے گا۔ گھر میں ایک بوٹی نہیں اور تمہارے تایا کے حلق سے سبزی اترتی نہیں۔"

"ہاں امی کے پاس پڑے ہیں۔ میں ابھی لاتی ہوں۔"

"ذرا جلدی لانا۔" انہوں نے عجلت میں اس کے بال سمیٹے۔ تو وہ اپنے گھر کی طرف آگئی۔ عادلہ سبزی بنا رہی تھیں اسے دیکھتے ہی ڈانٹنے لگیں۔

"نہ اسٹڈیز کی فکر ہے، نہ گھر کے کسی کام کی۔ ہو تو بیٹھ ہی جاتی ہو۔"

"اچھا میں آکر کرتی ہوں۔ ابھی تو دو ہزار دیں۔"

"وہ کیوں؟" عادلہ نے حیران ہو کر دیکھا۔

"تائی کو ضرورت ہے۔"

"کس لیے؟" عادلہ نے غصہ دباتے تحمل سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ اب دے بھی دیں۔ پرس میں سے نکال لوں؟" وہ جھنجلائی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ مہینے کے آخری دن ہیں۔ میں نے اپنے خرچے کے لیے رکھے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہو گا کہ ماں کے پاس ہیں۔"

"ل۔۔۔ ل۔۔۔" اس نے کان کھجایا۔ "امی ہمارا کون خیال کر رہا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ ہم تو ہوا کھا کر اور پانی پی کر زندہ ہیں۔۔۔ اگر انہیں ضرورت پڑ گئی تو۔۔۔" انہیں غصہ آگیا۔

"تو انہیں بھی تو ضرورت ہے۔"

"دے دیتی، اگر مجھے یقین ہوتا کہ انہیں واقعی ضرورت ہے۔"

"امی پلیز۔۔۔ اب تو میں ان سے کہہ آئی ہوں۔ بعد میں طعنے مت دیجیے گا۔" وہ منتوں پر اتر آئی۔

"عرشی! تم سچ بہت بے وقوف ہو۔۔۔ دو بول محبت کے بول جاتی ہو۔۔۔ اچھا جاؤ۔۔۔ ایک لینا۔" انہیں بادل ناخواستہ اجازت دینا پڑی۔

"کیا کروں؟ نبیلہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ مجھے کوئی خیال رکھنے والی لڑکی چاہیے۔۔۔ شاید اسی طرح بچت ہو سکے۔۔۔ کیا کروں اس کا۔۔۔ خوب صورت لہجوں کے پیچھے رویوں کو پہچان ہی نہیں پاتی۔" وہ واقعی تشویش کا شکار ہو گئی تھیں۔

"اچھا سنو! جلدی واپس آؤ اور آکر برتن دھو دو۔"

"ایک تو پتا نہیں، یہ امی کو میرے مخمل جیسے ہاتھ کیوں نہیں آتے۔" عریشہ جھنجلا کر دروازہ پار کر گئی۔



نعمان نے بے چینی سے پہلو بدلتے اندرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ کب سے آیا بیٹھا تھا۔ مگر عائشہ کی ایک جھلک بھی دکھائی نہ دی تھی۔

"تمہاری بڑی مہربانی بیٹا! اگر اس دن تم مدد نہ کرتے، اس طوفانی بارش میں عائشہ اکیلی کہاں کہاں رلتی پھرتی۔" ماسٹر صاحب کی آواز پر اس نے چونک کر ان کو دیکھا۔

"یہ میرا فرض تھا۔ آخر برسوں کی محلے داری ہے۔" اس نے مودب لہجے میں کہا۔

"اور سناؤ، کاروبار ٹھیک جا رہا ہے۔"

"جی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

"ثوبان تو ایم بی اے کر رہا ہے غالباً؟"

ثوبان کے ذکر پر وہ بدمزا ہو گیا۔ ثوبان اور اس کی تعلیم خاصا ناگوار موضوع تھا۔

"بس ماسٹر صاحب، ابا بیمار ہو گئے تو مجھے کاروبار سنبھالنا پڑ گیا۔ بی اے میں پڑھ رہا تھا۔ پھر سوچا۔ کسی ایک کو تو قربانی دینا ہی ہے۔ چھوٹے بہن بھائی کسی منزل تک پہنچ جائیں۔ تو یہی کافی ہے۔" اس نے حتی الامکان خود پر انکساری طاری کی۔ ظاہر ہے اب انہیں یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ شروع سے ہی پڑھائی میں دل نہیں لگتا تھا۔

"ماشاء اللہ، ورنہ آج کل کون کسی کے بارے میں سوچتا ہے۔"

"ابو۔۔۔" دروازے کے دوسری طرف سے عائشہ کی آواز پر اس نے بے ساختہ دیکھا۔ وہ ذرا اوٹ میں کھڑی تھی۔

"لے آؤ بیٹا! اندر ہی لے آؤ۔"

نعمان کا دل چاہا، ماسٹر صاحب کا منہ چوم لے۔

عائشہ نے اندر آکر سلام کیا اور درمیانی میز پر ٹرے رکھ دی، جس میں چائے کے ساتھ بسکٹ اور نمکو وغیرہ موجود تھے۔ اس نے سبز دوپٹہ ماتھے تک اوڑھ رکھا تھا۔ نعمان نے چور نگاہوں سے دیکھ کر چہرہ جھکا لیا۔ محبت میں پہلی شرط احترام ہے۔ اس کے دل و دماغ نے پہلی بار سر تسلیم خم کیا تھا۔ وہ معطر ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور گزر گئی۔ وہ سر جھکائے چائے کے گھونٹ بھرتا ماسٹر صاحب کے سوالوں کے جواب دینے لگا۔ ماسٹر صاحب کو یہ لڑکا اچھا لگا تھا۔



فاطمہ کچن میں مصروف تھی۔ ارد گرد انواع و اقسام کے کھانے اور ڈبے بکھرے تھے۔ اس کا ارادہ آج واپس جانے کا تھا سو کچھ کھانے بنا کر فریز کر رہی تھی۔

"کمال ہے، آج گھر میں دعوت ہے اور مجھے خبر ہی نہیں۔"

طیبہ کی آواز پر فاطمہ پلٹی اور مسکرا دی۔ وہ بظاہر

فریج کھولے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔
"دعوت کہاں بھابھی! وہ تو آج مجھے واپس جانا تھا تو سوچا' کچھ کھانے بنا کر فریز کر دیتی ہوں۔"
"ہاں بھئی' اب تمہارے ہاتھ جیسا ذائقہ ہمارے ہاتھ میں کہاں؟" اس کا لہجہ سراسر طنزیہ تھا۔
"نہیں وہ محسن کہہ رہا تھا تو۔" فاطمہ ٹھٹک سی گئی۔ وہ سیدھی سادی لڑکی تھی۔ طیبہ کے مزاج کی وجہ سے ویسے ہی اس سے دور رہتی۔
"محسن کی بڑی مانتی ہو۔"
فاطمہ تیزی سے پلٹی۔ طیبہ مسکرا کر باہر نکل گئی۔
"بھابھی نے ایسے کیوں کہا۔"
"فاطمہ بیٹا! بس کرو۔ تھک جاؤ گی' صبح سے لگی ہو۔" نبیلہ پھپھو نے آکر اسے چونکا دیا۔
"جی پھپھو! ہو گیا ہے۔"
"چلو پھر بازار چلتے ہیں۔ تمہارے لیے اچھا سا سوٹ لے کر آتے ہیں۔"
"اس کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس بہت کپڑے ہیں۔"
"کچھ باتیں ضرورت کے لیے نہیں' دل کی خوشی کے لیے کی جاتی ہیں ڈیئر کزن۔" محسن کو غالباً نبیلہ نے اسی مقصد کے لیے بلایا تھا۔
نبیلہ رخ موڑ کر ڈبے فریزر میں رکھنے لگی۔ وہ ابھی تک طیبہ کی کسی بات میں الجھی تھی۔ محسن اور نبیلہ کے اصرار پر اسے جانا ہی پڑا۔
طیبہ نے انہیں جاتے دیکھا تو کلس کر رہ گئی۔
"بہت ناز اٹھائے جا رہے ہیں' بھتیجی کے۔ اور وہ بھی کتنی گھنی اور میسنی ہے۔ پھپھو' پھپھو کہتی آگے پیچھے پھرتی ہے۔ کوئی غرض ہے تب ہی اتنی جان ماری ہو رہی ہے' ورنہ کون اتنا کرتا ہے۔"
طیبہ کی خود غرض فطرت اس کے دماغ میں خناس بھرنے لگی۔ حالانکہ فاطمہ کی فطرت میں ہی خدمت گزاری اور خلوص شامل تھا۔ مگر طیبہ کو عادت تھی ہر کسی کو اپنی عینک سے دیکھنے کی۔ اور عینک بھی وہ جس کے شیشے بے حد دھندلے تھے۔



بانو آئی تھی۔ مریم کے لیے اپنے دیور کا رشتہ لے کر۔
"لیکن مریم کیوں؟ فاطمہ اس سے بڑی ہے۔" حمیدہ نے اعتراض کیا۔
"میں کیا کروں' گھر والے تو مریم ہی پسند ہے حالانکہ میں نے کہا بھی کہ فاطمہ سے کروا دیتی ہوں۔ اب مریم کو دیورانی بنانے کا مطلب ہے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لوں۔" بانو نے مزے سے کہا۔ مریم کو تو آگ لگ گئی۔
"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے۔ تمہاری دیورانی بننے کا اور تمہیں میرے لیے وہی ملا ہے۔ چٹا ان پڑھ کلرک۔ جس کے دانت چوبیس گھنٹے منہ سے باہر رہتے ہیں۔ کیا کرے اسٹرکچر ہی ایسا ہے۔"
"اپنا چوکھٹا دیکھا ہے۔ ہر نقش فریم سے باہر اور منہ پر یہ کھلے ہوئے گل بوٹے۔ ایسی کوئی پری نہیں ہو' جو کوئی شہزادہ تمہیں بیاہنے آئے گا۔ ہمارے جیسے گھروں میں یہی دکان دار کلرک ہی جچا کرتے ہیں۔"
"تمہارا دیور اگر دنیا کا آخری مرد بھی ہوا تو میری طرف سے صاف انکار ہے اور اماں! اگر آپ نے زبردستی کرنے کی کوشش کی' تو میں کچھ کھا لوں گی' بتا رہی ہوں۔" وہ تن فن کرتی اندر کمرے میں گھس گئی۔
"دیکھا اماں! اس کی زبان دیکھی ہے۔ اور اسے بیاہ میں بڑھاؤ۔" بانو نے ہاتھا پٹ لیا۔
"تھوڑا تحمل رکھ بانو! تجھے بھی بس ہل ہل کر شوق ہے۔ ضرورت کیا تھی اس کے سامنے بات کرنے کی۔ اور ویسے بھی جب تک فاطمہ کی شادی نہیں ہو جاتی' میں تو مریم کے بارے میں سوچوں گی بھی نہیں۔" حمیدہ نے صاف کہہ دیا۔
"اچھا مریم کی رہنے دو ابھی۔ نعمان کی بات کرنی۔"
حمیدہ نے ہاتھ میں پکڑا کپ ٹرے میں پٹخا۔

"جب تک دونوں لڑکیوں کی نہیں ہو جاتی۔ میں تو لڑکوں کا نام بھی نہیں لوں گی اور اگر تو اپنی وہ موٹی بھینس جیسی نند میرے سر تھوپنے کا سوچ رہی ہے۔ تو مریم کی طرح میری طرف سے بھی صاف انکار ہے۔"

"ہو تو میری ماں پر کام اور ارادے سارے دشمنوں والے ہیں۔ کوئی ایک بلا تو میرے سر سے ٹلے گی۔"

"اپنی بلائیں میرے سر ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ معاف کرو بی بی۔" حمیدہ نے دونوں ہاتھ پٹاخ سے اس کے سامنے جوڑے۔ مارے غصے کے بانو کو رونا ہی آگیا۔

"ٹھیک ہے جا رہی ہوں میں۔ اب نہیں آؤں گی۔ ابا سے سلام کہہ دینا۔ اس گھر میں میری یہی عزت ہے۔" جوتا پہن کر چادر اوڑھتی بولتی بولتی دروازے سے نکل گئی۔

"عزت کروانے والے کام بھی تو ہوں۔" حمیدہ بڑبڑائی۔ پھر ٹرے پر نظر گئی۔ "ایک نمبر کی بھوکی ہے۔ اس غصے میں بھی سارے بسکٹ چبا گئی۔"

"جاؤ بیٹا! طیبہ کو بھی بلا لاؤ۔" جب سے وہ لوگ بازار سے آئے تھے۔ طیبہ کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی تھی۔ اب رات کا کھانا کھایا تو نبیلہ نے فاطمہ سے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ فاطمہ ملازمہ نہیں ہے۔" محسن نے سختی سے کہا۔ "بھابھی کو خود تو احساس ہی نہیں۔ سارا دن اپنے کمرے میں بند۔ وہ گھڑی مہمان کے پاس بیٹھنے کی بھی توفیق نہیں۔"

نبیلہ چپ سی ہو گئیں۔ وہ کہہ تو ٹھیک ہی رہا تھا۔

"چھوڑیں۔ اب اتنی سی بات کے لیے بدمزگی کیوں کروائیں۔" فاطمہ اٹھ گئی۔ نبیلہ نے توصیفی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔

"ماشاء اللہ بہت ہی سمجھ دار بچی ہے۔"

"جی۔ بڑی ماں کی تو نہیں لگتی۔" محسن نے معصومیت سے کہا۔

"بہت بد تمیز ہوتے جا رہے ہو۔"

"اچھا میں ہاتھ دھو آؤں۔" وہ ہنستے ہوئے چلا گیا۔ مگر واپسی پر راہداری سے گزرتے ہوئے رک گیا۔ فاطمہ طیبہ کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ ہاتھ ہینڈل پر تھا۔ مگر بت کی مانند ساکت وصامت۔ کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوتے ہی وہ آہستگی سے اس کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔ ادھ کھلے دروازے سے طیبہ کی سسکیاں باہر آ رہی تھیں۔

"جمال! اب میری بس ہو گئی ہے۔ کسی فالتو سامان کی طرح گھر کے کونے میں پڑی ہوں۔ نہ کوئی حیثیت ہے' نہ اہمیت۔ اور کل جب آنٹی ملازمہ کے سامنے میری برائیاں کر رہی تھیں۔ کچھ نہ پوچھو میرے دل پر کیا گزری۔ مجھے نہیں پتا' آنٹی نے مجھ سے کس بات کا بیر باندھا ہے۔ کیا صرف اس لیے کہ میں آپ کی پسند ہوں۔"

محسن کو فاطمہ کا تو نہیں پتا چلا لیکن خود غصے سے برا حال ہو گیا۔ لیکن طیبہ کی اگلی بات نے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی۔

"اور وہ فاطمہ۔ سارے گھر میں یوں دندناتی پھر رہی ہے۔ گویا وہ اس گھر کی بہو ہو۔ اور جمال! تم یقین کرو نہ کرو۔ محسن کا کوئی نہ کوئی چکر فاطمہ کے ساتھ۔"

فاطمہ لڑکھڑائی۔ عقب سے محسن نے اسے تھام لیا۔ فاطمہ نے تڑپ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری تھیں۔ اس نے ایک جھٹکے سے محسن کے ہاتھ ہٹائے اور بھاگتی چلی گئی۔ محسن کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ اس نے تیزی سے پورا دروازہ کھول دیا۔ طیبہ نے بوکھلا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ طیبہ کا رنگ ایک لمحے کو زرد پڑ گیا۔

"میں نے آپ جیسی گھٹیا عورت ساری زندگی نہیں دیکھی۔"

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ دوسری طرف جمال نے بخوبی سنی۔

"ڈرامہ باز عورت۔" محسن نے نفرت سے کہا اور مڑ گیا۔ کچھ لمحے اور کھڑا رہتا تو شاید اس کا گلا دبا دیتا۔

"طیبہ۔ طیبہ کیا ہوا؟"

جمال کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔

"تم نے۔ تم نے سنا جمال۔ یہ اوقات ہے میری اس گھر میں۔ مجھے اس طرح گالیاں دی جاتی ہیں۔" محسن آندھی و طوفان کی طرح کھانے کی میز تک آیا۔ جمال فاطمہ روتی جا رہی تھی۔ اور نبیلہ پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔ "کیا ہوا ہے؟"

"اٹھو فاطمہ! تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" محسن نے کہا۔

"کیا ہوا محسن؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔ فاطمہ رو کیوں رہی ہے۔"

"واپس آ کر بتاتا ہوں۔ اٹھو فاطمہ۔" وہ سختی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ اپنا چہرہ صاف کرتی فاطمہ اس کے پیچھے تھی۔



"میری ہی غلطی ہے' مجھے فاطمہ کو لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ کیسی کینہ پرور عورت ہے۔ آپ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں جمال بھائی سے کہہ رہی تھی۔" وہ غصے میں پورے کمرے میں چکرا رہا تھا۔ نبیلہ سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

"اب پتا چلا' جمال بھائی مجھے فون کیوں نہیں کرتے۔ ایسا ہی کچھ میرے بارے میں بھی کہتی ہو گی۔"

"محسن! بیٹھ جاؤ۔" نبیلہ نے ہارے ہوئے انداز میں کہا۔ "مجھے تو فاطمہ کی فکر ہے۔ نجانے کیا سوچتی ہو گی۔ طیبہ کو ذرا شرم نہیں آئی ایسی تہمت لگاتے۔ کیسی شرم لحاظ اور رکھ رکھاؤ والی لڑکی ہے۔ اس نے تو کبھی تم سے کھل کر بات بھی نہیں کی۔"

"گھٹیا سوچ رکھنے والوں کو بات بڑھانے کے لیے رائی کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ پہاڑ کھڑا کر لیتے ہیں۔" محسن تھک کر ان کے قریب بیٹھا۔

"ایسے کون سے پہاڑ کھڑے کر دیے میں نے۔" طیبہ دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ بالکل بدلے ہوئے تیور کے ساتھ۔ نہ کوئی خوف نہ جھجک۔ "کچھ دیکھا ہے' کچھ محسوس کیا ہے تو ہی بات کی ہے۔"

"امی! اس سے کہہ دیں کہ یہاں سے چلی جائے۔" محسن نے دانت پیس کر کہا۔

"جا رہی ہوں۔ اس گھر سے۔ میں نے شادی جمال سے کی تھی۔ جب وہی یہاں نہیں۔ تو یہاں رک کر آپ کے طعنے سننے کا فائدہ۔" وہ کھٹ کھٹ کرتی چلی گئی۔

"حسن کم جہاں پاک۔" محسن نے کہہ کر ماں کو دیکھا۔ وہ گم صم بیٹھی تھیں۔

"آپ کو زیادہ ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جمال بھائی سے بات کریں۔"

نبیلہ نے اک طویل سانس لے کر بیٹے کو دیکھا جو اس سچویشن پر بوکھلایا ہوا بھی تھا اور غصے میں بھی تھا۔ وہ بولیں تو لہجہ خلاف معمول پرسکون تھا۔

"میں ٹینشن نہیں لے رہی۔ میں جانتی ہوں' مجھے اس مسئلے کو کیسے ہینڈل کرنا ہے۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ طیبہ یہ سب کیوں کر رہی ہے۔ جب تک بات لحاظ کے پردے میں چھپی تھی چل رہا تھا۔ اب فیصلہ تو کرنا پڑے گا۔ تم جاؤ۔ آرام کرو۔ صبح آفس کے لیے نکلنا ہے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا۔" محسن نے تشویش سے ماں کو دیکھا۔

"فکر نہ کرو۔ تمہاری ماں اتنی کمزور نہیں ہے۔" وہ قصداً مسکرائیں۔ محسن کو ان کی مسکراہٹ سے وہی تسلی ہوئی جو ننھے بچے کو چوٹ کھانے کے بعد ماں کی حوصلہ بڑھاتی مسکان سے ہوتی ہے۔



ثوبان نے رائٹنگ ٹیبل پر پڑی پرچی اٹھا کر دیکھی۔

اک ذرا ہاتھ بڑھا میری طرف

خود کو میرا تو ہم سفر کر دے
تم میری زیست کا حاصل ہو
اتنا کہہ اور معتبر کر دے

ثوبان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اسے اک ٹین ایجر کی جسارت سمجھ کر نظر انداز کرنے کو تھا۔ اس سے قبل کہ اسے ڈسٹ بن میں پھینکتا۔ اس نے دروازے میں کھڑی عریشہ کو دیکھ لیا تھا۔ جس کے ہاتھ میں دو سفید مگ تھے۔ جن پر سرخ اسٹرابری بنی تھیں۔ یہ عریشہ کے فیورٹ مگ تھے۔

"آؤ عریشہ۔" اس نے پرچی سائڈ پر رکھ دی۔

"کافی۔"

"شکر ہے اس گھر میں کسی کو تو کافی بنانا آتی ہے۔" ثوبان نے ہاتھ بڑھا کر مگ پکڑا اور ریلیکس سا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ یونہی موڈ ہو رہا تھا۔ آپ کے ساتھ کافی پیتے باتیں کرنے کا۔" وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ جہاں ڈھلتی دوپہر کی زردی بکھری تھی۔

"آپ کا دوست کیسا ہے؟"

"کون سا؟"

"وہی، جس کے لیے سرخ گلاب لے کر گئے تھے۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی رقابت در آئی۔

"تم سرخ گلابوں سے اتنا الرجک کیوں ہو؟" ثوبان مسکرایا۔ اب تو اسے بھی اس آنکھ مچولی میں مزا آنے لگا تھا۔

"میں کیوں پھولوں سے الرجک ہوں گی۔" عریشہ نے کندھے اچکائے۔

"تو پھر میری دوست سے جیلس ہو۔"

"میری دوست" عریشہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ "وہ لڑکی تھی؟"

"میری یونیورسٹی فیلو۔"

"آپ کی لڑکیوں سے دوستی ہے؟"

"ہاں بھئی، ساتھ پڑھتے ہیں۔ تو دوستی بھی ہو ہی جاتی ہے" ثوبان نے لاپروائی سے کہا۔ عریشہ کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے مگ جھپٹ لیا۔

"ارے ارے کافی تو پینے دو۔"

"اسی کے ساتھ پییں، جس کے لیے پھول لے کر گئے تھے۔" عریشہ نے چبا چبا کر کہا اور تیزی سے نکل گئی۔

"اسے کس بات پر غصہ آ گیا۔ حد ہو گئی۔ یہ کوئی بات تھی خفا ہونے والی۔ نجانے کب سمجھدار ہو گی۔" عریشہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی نیچے آئی۔ چارپائی پر بیٹھی حمیدہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا عرشی؟"

"تائی جان! یہ ثوبان ہے نا بالکل بھی اچھا نہیں ہے، بہت برا ہے۔" اس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

"کیا کہہ دیا میری بچی کو؟ ابھی بلا کر پوچھتی ہوں۔" انہوں نے پیار سے کہتے بازو سے پکڑ کر قریب بٹھا لیا۔

"وہاں یونیورسٹی میں پڑھنے تھوڑی جاتا ہے، لڑکیوں سے دوستی کرنے جاتا ہے۔ اور وہ بیمار ہو جائیں تو پھول لے کر عیادت کے لیے اسپتال پہنچ جاتا ہے۔"

"تو تو کیوں پریشان ہو رہی ہے۔ وہاں دس ہزار لڑکیاں ہوں۔ میری عرشی جیسی تو ایک بھی نہیں ہو گی۔"

(یہ بات وہ کیوں نہیں کہتا)

"آنے دے نیچے، ابھی اس کے لتے لوں گی۔ لے کے تجھے رلا دیا۔"

☼ ☼ ☼

عائشہ ابھی ابھی اسکول سے لوٹی تھی۔ سیدھی ماں کے کمرے میں آئی، مگر دروازے میں ٹھٹک کر رک گئی۔ آمنہ خاتون کے پاس نعمان بیٹھا تھا۔

"موصوف روز ہی چلے آتے ہیں۔"

نعمان نے اسے دیکھا تو آنکھوں میں چار سو چالیس واٹ کا بلب روشن ہو گیا۔ مگر دوسرے پل وہ سر جھکا چکا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ آمنہ خاتون مسکرا دیں۔ سلام کا جواب دے کر کہنے لگیں۔

"عاشی! کھانا کھا کر نعمان کے لیے ایک کپ چائے بنا دو۔ مجھے تو اس نے اٹھنے نہیں دیا۔"

"نہیں خالہ! چائے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عائشہ سر ہلا کر چادر اور بیگ کمرے میں رکھ کر کچن میں آ گئی۔ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ چائے بھی بنائی۔ کپ لے کر اندر آئی تو آمنہ خاتون بے حد سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔

"ایک ہی حسرت ہے میری، عاشی کا رشتہ اچھی جگہ ہو جائے تو میں سکون سے مر سکوں۔ پتا نہیں کیا بات ہے کہ کہیں بات آگے بڑھتی ہی نہیں ہے۔"

عاشی کو دیکھتے ہی وہ فوراً خاموش ہو گئیں۔

عاشی نے بڑے ضبط سے کپ نعمان کو تھمایا اور کمرے میں آ گئی۔

"وہ فرید اور اکرم۔" نعمان نے ان کے بیٹوں کے بارے میں پوچھنا چاہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ فرید تو پچھلے سال دبئی چلا گیا اور اکرم ابھی ایف ایس سی کر رہا ہے۔ بہاولنگر اپنے ماموں کے پاس رہتا ہے۔ میرے بھائی کی اولاد نہیں تھی۔ بچپن سے اسے گود لے لیا تھا۔ کہتا ہے، یہاں کوئی نہیں ہے۔ واپس آ جاؤں گا۔ مگر اس کے ابو نے منع کر دیا۔ وہاں اس کے ماموں بھی تو تنہا ہیں۔ ہمارے پاس تو عاشی ہے۔ ہمارا ارادہ تو یہی ہے کہ عاشی کی شادی کے بعد وہیں بہاولنگر چلے جائیں گے۔ عاشی کے ابو کی ریٹائرمنٹ بھی قریب ہے۔ اس کرائے کے گھر سے بھی جان چھوٹے گی۔"

آمنہ خاتون کو بھی بڑے عرصے کے بعد سامع ملا تھا۔ سو نعمان بہت جلد ان کے گھر کے تمام حالات سے بخوبی واقف ہو گیا تھا۔

"اچھا خالہ! اب اجازت دیں۔ کوئی کام ہوا تو مجھے ضرور بتایئے گا۔" آمنہ خاتون اسے دعائیں دینے لگیں۔

اس کے جانے کے بعد عاشی شیرنی کی طرح کمرے میں آئی۔

"امی! آپ بھی حد کرتی ہیں۔ کیا ضرورت تھی ایک اجنبی شخص کے سامنے میرے رشتے کی بات کرنے کی۔"

آمنہ خاتون نے دیکھا اس کا چہرہ غصے اور خجالت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"مجھے کس قدر انسلٹ فیل ہوئی۔ میں اتنی گئی گزری ہوں کہ مجھے کوئی پوچھنے ہی نہیں آ رہا۔ ہزاروں لڑکیاں ہیں، جن کی شادیاں نہیں ہوئیں۔ تو وہ کیا زندہ نہیں رہتیں۔ ہر آئے گئے کے سامنے یہی ذکر۔ آپ تھکتی نہیں میری بے عزتی کرواتے۔"

"عائشہ! تو کتنی تلخ ہونے لگی ہے۔" انہوں نے حیرت اور دکھ سے اسے دیکھا۔

عائشہ کو اپنے لہجے کی تیزی کا احساس ہوا۔ تو جیسے تھک کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"جانتی ہوں، میں اک معمولی شکل و صورت کی لڑکی ہوں۔ میرا باپ کوئی بڑا جہیز بھی نہیں دے سکتا۔ تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں کسی پر بوجھ تو نہیں۔ اپنا کماتی، اپنا کھاتی ہوں۔ اللہ نے کسی کا محتاج تو نہیں کیا۔"

"عاشی! مجھے یہ لڑکا بہت اچھا لگتا ہے۔ گھرانا بھی ہمارے جیسا ہے۔ اور مجھے لگتا ہے، وہ بھی تجھے پسند کرتا ہے۔"

عاشی نے حیرت سے ماں کی شکل دیکھی۔

"چوک میں کھڑا کر کے نیلامی لگا دیں۔ جس کا جی چاہے لے جائے۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر چلی گئی۔ آمنہ خاتون ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"یہ تو نہیں، وقت کی تلخیاں بول رہی ہیں میری بچی۔" انہوں نے آنکھوں پر دوپٹہ رکھ لیا۔

☼ ☼ ☼

پڑھتے پڑھتے اس کا دماغ بوجھل ہونے لگا۔ اس

نے گردن موڑ کر ماں کو دیکھا۔ سارے دن کی تھکی ہاری سو رہی تھی۔ وہ چائے بنانے کے ارادے سے کچن میں آگیا۔ شکر تھا کچن میں سلنڈر گیس موجود تھی۔ ورنہ وہ کہاں آگ سلگاتا۔ چائے بنا کر پیالی میں ڈال رہا تھا۔ جب کبری چلی آئی۔

"اچھا تو ہے۔ میں بھی کہوں۔"

"چاچی! بڑی خبردار نیند ہے تیری" وہ ہنسا۔ خیال تھا وہ ابھی کوئی نہ کوئی طعنہ مارے گی۔

"اچھا وہ اچھی طرح ڈھک کے اور دروازہ بند کر کے جانا۔" وہ جمائی لیتی چلی گئی۔

"حیرت ہے، آج تو راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔" وہ پیالی اٹھا کر اندر آگیا۔ چارپائی پر بیٹھا تو وہ چرچرانے لگی۔ جمیلاں نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

"کیا ہوا ابلو؟"

"کچھ نہیں اماں۔"

"اب سو جا ابلو، ساری رات پڑھتا رہے گا۔"

"اماں! پرچے ہو رہے ہیں۔ ویسے بھی میرے اس جاگنے پر میرے مستقبل کا انحصار ہے۔"

"اللہ ڈھیر ساری کامیابیاں دے۔ تیری راہیں آسان کرے" وہ دعائیں دیتے دیتے سو گئی۔ ابرار نے اس کے سوئے ہوئے چہرے کو پیار سے دیکھا۔

"ماں! سفر تو تم نے کیا ہے۔ لیکن اب تھوڑا ہی عرصہ ہے۔ اللہ نے چاہا تو تمہاری مشقت ختم ہونے کو ہے۔"

اس نے چائے کا گھونٹ بھرا اور کتابیں کھول لیں۔ دھیرے دھیرے بیتتی رات میں وہ مستقبل کے چراغ جلاتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میری سمجھ میں نہیں آرہا، آپ کچھ کہتی ہیں، طیبہ کچھ اور کہہ رہی ہے۔"

جمال سخت الجھا ہوا تھا، کئی ماہ سے طیبہ روٹھ کر میکے بیٹھی تھی۔

"جمال! میں یہ نہیں کہتی کہ مجھ پر اعتبار کرو جو کچھ ہوا؟ میں اسے بھول جانا چاہتی ہوں۔ غلطی تمہاری بھی ہے، تم نے ابھی تک اسے اپنے پاس بلانے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔ ایک بیوی کا حق ہے کہ وہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہے۔"

نبیلہ کی یہی اچھی عادت تھی۔ وہ کبھی بات کو بڑھاتی نہیں تھیں۔ اس وجہ کو ختم کرنے کی کوشش کرتیں، جو فساد کا باعث بنی ہو۔

"امی! میں تو آپ کی وجہ۔"

"میری فکر نہ کرو، بس تم کاغذات بنواؤ اور اسے اپنے پاس بلالو، طیبہ کے یہاں رکنے سے صرف قباحتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ بھلا کسی کا نہیں ہو رہا۔ میں زبردستی اسے یہاں اپنی خدمت کے لیے نہیں روکنا چاہتی۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔

"تو پھر ایسی عورت کا فائدہ جو کسی کو فیض نہیں پہنچا سکتی۔" جمال نے تلخی سے کہا۔

"یوں مت کہو، جو کچھ اس نے کیا غلط تھا۔ لیکن میں نے معاف کیا۔ تم سے پیار کرتی ہے، تم سے مخلص ہے، میرے لیے یہی بہت ہے۔"

"آپ اکیلی رہیں گی؟"

"میری فکر مت کرو، میرے پاس محسن ہے" اور میں جلد اس کی شادی کروں گی۔"

انہوں نے قطعی لہجے میں کہا۔ کچھ دیر بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔ ٹانگیں دباتی بتول نے حیرت آمیز توصیفی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"بڑا ول گردہ ہے بیگم صاحب! میری بہو ایسی ہوتی تو چوٹی سے پکڑ کر گھر سے نکال دیتی۔ بلکہ بیٹے سے کہہ کر فارغ بھی کروا دیتی۔"

"ایسے مت کہو بتول۔ غلطیاں چھوٹوں سے ہو جاتی ہیں۔ ہمارا کام انہیں سمجھانا اور معاف کرنا ہے۔ طیبہ سمجھانے کی حد سے نکل گئی ہے، سو میں نے اسے معاف کر دیا۔" انہوں نے تحمل اور بردباری سے کہا۔

"اچھا۔ محسن کو میرے پاس بھیجو، مجھے اس سے

ضروری بات کرنا ہے۔"

☼ ☼ ☼

حسب معمول وہ کالج سے سیدھی تائی کے پاس آئی تھی۔

"آجا میری بچی! فاطمہ نے آلو چنے کی چاٹ بنائی ہے، چائے بھی دم پر ہے۔"

عریشہ کچن میں چلی گئی، فاطمہ اس کے لیے چاٹ ڈال رہی تھی۔

"لے جاؤ میں چائے لاتی ہوں۔"

وہ چائے لے کر تائی کے پاس آگئی۔

"بات سن عرشی! یہ تیری ماں پیسے کو چھپانے لگی ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد حمیداں نے رازداری سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"ابھی تنخواہ آئی کو دیر ہی کتنی ہوئی ہے، کل پانچ سو مانگے تو صاف انکار کر دیا کہ ختم ہو گئے۔ اتنی جلدی کیسے ختم ہو گئے۔" انہیں یہ بات ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی کہ عادلہ نے انکار کیسے کر دیا۔

"پتا نہیں۔ کسی کو ادھار دیے ہوں گے۔" عریشہ نے لاپروائی سے چاٹ کھاتے کہا۔

"ہاں۔ ہمیں ادھار دیتے تو جان نکلتی ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔

"ہو رہی ہیں، شہزادی کی ناز برداریاں، اماں! میں ابھی کالج سے آئی ہوں۔" مریم حسب عادت چڑ گئی۔

"مریم! تو عریشہ سے نہ جلا کر، یہ تو مجھے شروع ہی سے بہت پیاری ہے۔" حمیداں نے دلار سے عریشہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "ابھی پاؤں پاؤں چلتی تھی، تب ہی سوچ لیا تھا اسے اپنی بیٹی بناؤں گی۔"

"کیوں اپنی چار بیٹیوں سے جی نہیں بھرا تھا۔" مریم جل کر بولی۔

"ارے پگلی بہو کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔" تائی جی کی بات عریشہ کو اچھو لگ گیا۔ ایسا واضح اظہار حمیداں کی طرف سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

"ارے کیا ہوا؟ سنبھل کر کھاؤ۔" حمیداں گھبرا کر اس کی پیٹھ سہلانے لگیں۔

"تو والہ نہیں، آپ کی بات حلق میں پھنسی ہے۔" مریم ہنسی۔

"ہاں تو اس کی ماں نے کون سا اسے بتایا ہو گا۔ اس کے باپ کی بھی یہی خواہش تھی۔ اب نہ باپ رہا، نہ اس کی خواہش۔"

عریشہ نے سٹپٹا کر تائی کو دیکھا۔

"اب تو سب کچھ اس کی ماں کے ہاتھ میں ہے، میں تو اب بھی ذکر نہ کرتی، بس دل بھر آیا، سنا ہے بالا ہی بالا اس کا رشتہ ڈھونڈ رہی ہے۔"

"نہیں تائی جان۔" عریشہ نے گلاس ہاتھ سے رکھ دیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تو بچی ہے، تمہیں نہیں۔"

عریشہ کا دل ایکدم ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"آپ بہت اچھے ہیں نعمان صاحب! لیکن میں نے اب تک کی زندگی بہت احتیاط سے گزاری ہے۔ آپ کا اس طرح بار بار اس دروازے تک آنا لوگوں کو چونکا سکتا ہے اور لوگوں کو باتیں بنانے کے لیے زیادہ کچھ کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

دروازے کے دوسری طرف کھڑی عائشہ کی مدھم آواز اور مضبوط لہجہ نعمان کو اپنے حصار میں لے رہا تھا۔

"عائشہ! میں۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

عائشہ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ اچھے قد کاٹھ اور اچھی شکل و صورت کا نوجوان تھا۔ سنا تھا کاروبار بھی اچھا چل رہا ہے۔ اگر اس کی ماں نے آس لگائی تھی تو یہ کچھ ایسا غلط تو نہ تھا۔

"تو اس کے لیے آپ کو نہیں، آپ کے والدین کو آنا چاہیے۔" عائشہ نے کہہ کر ایکدم دروازہ بند کر دیا۔ نعمان نے بے یقینی سے بند دروازے کو دیکھا۔

"کیا واقعی عائشہ نے یہ کہا ہے کیا واقعی اسے میرا ساتھ قبول ہے۔"

بے یقینی کا پل گزرا۔ تو دل خوشی سے بھر گیا۔ اس کا دل چاہا، گلی میں ایک ایک کو روک کر خوش خبری سنائے۔

٭ ٭ ٭

نبیلہ نے فاطمہ کا رشتہ مانگا تھا۔ جہاں حمیداں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہیں برکت حسین نے سینہ پھلا لیا۔

"دیکھا۔ آخر بہن تھی میری بھائی کا احساس کیا، کیسا لائق فائق لڑکا ہے، محسن اور کیسی اچھی نوکری۔"

"ارے رہنے دو، غیروں سے بھولا کر دل بھر گیا تو اپنوں کا خیال آیا۔" حمیداں سے شوہر کی جتاتی ہوئی خوشی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

"ہائے فاطمہ! تیری تو لاٹری نکل آئی۔" مریم بے حد خوش تھی۔

نبیلہ نے کوئی ہنگامہ کرنے ہی نہیں دیا۔ بس اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر فاطمہ کو پہنا دی، فاطمہ گم صم تھی۔

"پھوپھو! آپ نے تو طیبہ کی بات پر تصدیق کی مہر لگا دی۔" انگوٹھی دیکھتے ہوئے فاطمہ نے آہستگی سے کہا تو نبیلہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"صرف اچھی اچھی باتیں سوچو، محسن نے کہا ہے، ہمارے گھر کو فاطمہ جیسی لڑکی کی ضرورت ہے، اب کسی کی فضول سی بات پر میں ایسی ہیرا لڑکی کو کھو نہیں سکتی تھی۔"

"جمال بھائی کیا سوچیں گے۔"

"وہ میرا بیٹا ہے، اور فکر نہ کرو، سب کچھ اس کے مشورے سے ہو رہا ہے، اب جلدی سے مسکرا دو، محسن پوچھے گا، فاطمہ خوش تھی تو میں کیا جواب دوں گی۔"

ان کے شرارت بھرے انداز پر فاطمہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"آجائیں کھانا تیار ہے۔" عادلہ نے جھٹ پٹ کھانے کی تیاری کر لی تھی۔ کباب، چکن، پلاؤ، قورمہ۔

"پھوپھو۔" بھتیجیوں کی بڑی فکر ہے آپ کو، بھتیجوں کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔

نعمان نے کان میں انگلی چلاتے کہا، سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ آج پہلی بار اس کے منہ سے ایسی کوئی بات سنی تھی۔ ورنہ وہ من موجی اور مست سا بندہ تھا۔

"لڑکا اپنے منہ سے بول رہا ہے۔ بھائی صاحب سوچ لیں۔" نبیلہ نے مسکرا کر کہا۔

"صبر کرو۔ صبر۔ دو بہنیں گھر بیٹھی ہیں۔ پہلے انہیں تو رخصت کر لے۔ اپنی پڑ گئی ہے۔" حمیداں نے حسب عادت چمک کر کہا۔

"مطلب، بہنوں کو بیاہتا بیاہتا بوڑھا ہو جاؤں۔" بظاہر اس نے ہنستے ہنستے کہا۔ مگر لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ نبیلہ اور عادلہ نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"نہیں بھئی۔ ہم تو نعمان کے لیے لڑکی ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔ فاطمہ اور نعمان کی شادی ایک ساتھ کریں گے۔" عادلہ نے کہا۔

"کیوں بھائی جان۔" نبیلہ نے بھائی کو ساتھ ملا لیا۔

(ہاں میرا دماغ خراب ہے۔ اکلوتا اس گھر کا کمانے والا۔ میں بیاہ کے ہاتھ سے گنوا دوں مریم کے بعد ہی کروں گی کرتے رہو صلاح مشورے)

حمیداں نعمان کو دیکھتے سوچ رہی تھیں۔

٭ ٭ ٭

"امی! اچھا ہو گیا نا۔ محسن بھائی اور فاطمہ کی منگنی۔" سارے کام سمیٹ کر وہ دونوں گھر لوٹی تھیں۔

"ہاں بہت اچھا ہو گیا۔ فاطمہ کے لیے ایسا ہی ا

شریک حیات ہونا چاہیے تھا۔" وہ اپنے بستر پر دراز ہو گئیں۔ وہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"بلکہ میرا تو دل چاہتا ہے، اب جلدی سے کوئی اچھا سا لڑکا ملے اور میں بھی اپنی بیٹی کی منگنی کروں۔"

(اچھا لڑکا آس پاس ہی تو ہے۔ اب آپ کو دکھائی نہیں دیتا تو میں کیا کروں۔)

"کس سوچ میں ڈوب گئیں؟"

"کچھ نہیں، میں تو سوچ رہی تھی۔ فاطمہ آپی کی شادی پر کپڑے کیسے بنواؤں گی۔" عریشہ ہنس دی۔

"ایک کام تو کرو۔" کچھ لمحے اسے دیکھنے کے بعد عادلہ کے دل میں خواہش سی پیدا ہوئی تو تکیے کے نیچے سے چابی نکال کر اسے تھمائی۔

"الماری کے لاکر میں ایک ڈبہ ہے۔ وہ نکال لاؤ۔"

"کیسا ڈبہ؟"

"لاؤ تو۔"

عریشہ نے وہیں کونے میں رکھی الماری کا لاک کھول کر اندر سے ایک سرخ مخملیں بڑا سا ڈبہ نکالا۔

"امی! یہ تو زیور لگتا ہے۔"

عادلہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ڈبہ اس کے ہاتھ سے لے کر کھولنے لگیں۔

"واؤ۔ کتنا خوبصورت ہے۔" مکمل گولڈ کا سیٹ نگوں کے ساتھ جگر جگر کر رہا تھا۔

"امی! کس کا ہے؟"

"تمہارا۔" عادلہ نے پیار سے بیٹی کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟ یہ تو بالکل نیا ہے۔" اس نے حیران ہو کر چہرہ اٹھایا۔

"میں نے کمیٹی ڈالی تھی۔ پچھلے ماہ نکلی تو فوراً بنوا لیا۔"

"اسی لیے آپ تائی کو پیسے نہیں دے رہی تھیں۔"

"ہاں۔ مجھے اب کچھ تمہارے لیے بھی تو جمع کرنا ہے۔"

عریشہ کبھی انگوٹھی پہن کر دیکھ رہی تھی تو کبھی جھمکا اس نے لگا کر نازک کلائی کنگنوں سے سج گئی۔ عادلہ تصور ہی تصور میں اسے دلہن کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔

"اچھا بات سنو عرشی! ابھی کسی کو۔"

لیکن عادلہ کی بات درمیان میں رہ گئی۔

"عادلہ چچی! لو امی پوچھ رہی ہیں۔"

"مریم! دیکھو امی نے میرے لیے کتنا خوبصورت سیٹ بنوایا ہے۔"

"کمال ہے چچی! اتنا زیور بنا لیا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔"

"ابھی کچھ دن قبل ہی لائی ہوں۔ میں۔"

"میں امی کو بلا کر لاتی ہوں۔"

"تائی کو یہاں کیوں بلاتا ہے۔ میں وہیں دکھا لاتی ہوں۔" عریشہ جوش میں اٹھی۔ عادلہ اپنا سر تھام کر رہ گئیں۔ وہ تصور میں حمیداں کے تاثرات کا اندازہ لگا سکتی تھی۔

٭ ٭ ٭

جمیلہ نے نم آنکھوں کے ساتھ بیٹے کی پیشانی چومی، پھر اس کے گلے میں پڑے گولڈ میڈل کو پورا گاؤں امڈ پڑا تھا۔ اصغر بھی سینہ تانے سب کی مبارک باد وصول کر رہا ہے۔ آج پہلی بار اسے ابرار پر فخر محسوس ہوا تھا۔ اخبار میں ابرار کی تصویر اور انٹرویو آیا تھا۔ جمیلہ کا بس نہ چلتا تھا اسے فریم کروا کے دیوار پر ٹانگ دے۔

"آج تو تو نے پورے گاؤں کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے بیٹا جی۔" ماسٹر صاحب نے اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا۔

"اصغر! میں نے تجھ سے کہا تھا نا" معمولی لڑکا نہیں ہے۔ اسے تو بہت آگے جانا ہے۔"

"آہو ماسٹر صاحب۔ بات تو آپ نے ٹھیک کہی تھی۔"

رات تک مٹھائی بٹتی رہی۔ لوگ آتے جاتے رہے۔ اور بہت رات گئے جب وہ کھری چارپائی پر بازوؤں کا تکیہ بنائے روشن تاروں بھرے آسمان کو تکتے مستقبل کی پلاننگ کر رہا تھا۔ تو جمیلہ اس کے لیے دودھ

کا پیالا لے کر آئی۔

"پتر! اب تو نوکری کرے گا؟"

ابرار مسکرا دیا۔ "اماں! ابھی تو سفر باقی ہے۔"

"ابھی اور پڑھائی کرے گا؟"

"ہاں اماں! میں نے سی اے کرنا ہے۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بننا ہے۔ سفر لمبا بھی ہے اور مہنگا بھی۔"

"اچھا۔" ابرار کو اس کے لہجے میں ہلکی سی افسردگی محسوس ہوئی۔ دوسرے پل وہ جوش سے بولی۔

"تو فکر نہ کر' زیادہ پیسوں کی ضرورت پڑی تو میں بھینس بیچ دوں گی۔" اسے ماں کی معصومیت پر پیار بھی آیا اور رونا بھی۔

"بھینس بیچ دی تو اماں تمہارا گزارا کیسے ہو گا؟"

"اللہ وارث ہے۔"

"اماں! تو فکر نہ کر۔ مجھے اسکالر شپ بھی ملے گا اور میں کوئی چھوٹی موٹی ملازمت بھی ڈھونڈ لوں گا۔ میرا گزارا ہو جائے گا۔ بس یہ ہے کہ اب مجھے شہر میں رہنا پڑے گا۔"

"اچھا۔" وہ افسردہ سی ہو گئی۔ "خیر۔ تو دودھ پی۔"

☼ ☼ ☼

"پکی بات ہے کبری۔ لڑکا تو بہت ہی لائق نکلا۔" اصغر اب تک متاثر تھا۔

"پتا ہے' ماسٹر جی بتا رہے تھے۔ اب وہ یونیورسٹی میں پڑھے گا اور بہت بڑا افسر بنے گا۔"

"بس اب اس کے قصیدے نہ پڑھتے رہو۔ ایک بار افسر بن گیا تو پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔" کبری نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"کیوں بھئی؟"

"اصغر! میں کہتی ہوں' اب وقت آ گیا ہے تو جمیلہ سے بات کر۔ میں تو کہتی ہوں نکاح ہی کر دیتے ہیں۔ پاؤں میں نکاح کی بیڑی ہو گی تو مڑ کر ادھر ہی آئے گا۔"

"ہوں' کہتی تو تو ٹھیک ہے۔" اصغر نے پر سوچ انداز میں گردن ہلائی۔ "لے فر۔ میں صبح ہی جمیلاں سے بات کرتا ہوں۔ گھر کی بات ہے۔ چند دنوں میں دو بول نکاح کے پڑھا دیں گے۔"

☼ ☼ ☼

مرغیوں کو دانہ ڈالتے ابرار کے ہاتھ سے سارے دانے ایک ساتھ گرے۔ ساری مرغیاں پر پھڑپھڑاتی ایک ساتھ لپکیں۔ ابرار نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔

"بشری سے؟"

"ہاں تیرا تایا کہتا ہے" جمیلہ کے لہجے سے صاف لگتا تھا۔ کہ وہ بھی دل سے راضی نہیں۔

"تایا جو مرضی کہتا رہے۔ لیکن ابھی مجھے ان جھنجھٹوں میں نہیں پڑنا۔"

"تیرا تایا ناراض ہو گا پتو۔"

"تو ہوتا رہے۔ وہ کون ہوتا ہے میرے بارے میں فیصلہ کرنے والا۔ اور اماں تجھے ان کے پریشر میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ابھی پڑھنا ہے بہت کچھ کرنا ہے۔ اور بشری سے شادی۔ جس لڑکی نے ساری عمر میری ماں کی عزت نہیں کی۔ اسے اپنی بیوی بنا لوں۔ وہ تجھے چارپائی پر بٹھا کر نہیں کھلائے گی۔ ساری زندگی چاچی نے تجھے اور مجھے دو کوڑی کی حیثیت نہیں دی۔ اب بیٹی کا رشتہ دے رہی ہے۔ نہ دے۔ کسی صورت نہیں۔ میری طرف سے صاف انکار ہے۔"

وہ تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

جمیلہ نے تھکے تھکے انداز میں اسے جاتے دیکھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ گھر میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ وہ کبری اور اصغر کے رد عمل کا سوچ کر اندر ہی اندر سہم گئی۔

☼ ☼ ☼

"دیکھ خالہ! صاف صاف کہہ رہا ہوں۔ میرا یہ کام کروانا ہے۔ لیکن اگر گھر جا کر میرا نام لیا تو سچ کہتا ہوں میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔"

ماسی زبیدہ ہنس دی۔ نعمان کی بے تابی وہ ایک نظر میں بھانپ گئی تھی۔ رشتے کروانے کے سلسلے میں ماسی زبیدہ کا نام اس محلے میں خاصا معتبر جانا جاتا تھا۔

"لڑکی والوں کی طرف سے انکار نہیں ہو گا۔ یہ تو کڑی ہے۔ ماسٹرنی کئی دفعہ مجھے عائشہ کے رشتے کے لیے کہہ چکی ہے۔ اچھی بھلی لڑکی ہے۔ پھر بھی دیر ہوئی جا رہی ہے۔ اب تیرے گھر والوں کا کیا ارادہ ہے۔"

"خالہ! اسی لیے تو تجھ سے بات کی ہے۔ میں خود گھر میں عائشہ کا نام لوں تو اماں تو کسی اور طرف ہی لے جائے گی۔ اسی لیے کسی بہانے اس کی توجہ اس طرف ڈال۔"

"ٹھیک' میں کل عائشہ کے لیے کچھ لوگوں کو لے کر جا رہی تھی۔" اس نے دانستہ جھوٹ بولا۔

"خبردار۔ خبردار خالہ! جو وہاں کسی کو لے کر گئی۔" نعمان نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ پھر جیب سے پانچ سو نکال کر اسے تھمائے۔

"بس۔ ؟ ان سے کیا ہو گا؟"

"تو رشتہ تو کروا" تیرے گھر سودا مفت ڈال دیا کروں گا۔"

"چل پھر ٹھیک ہے۔ ابھی تو ایک کلو چینی اور ایک کلو چاول دے دے۔" خالہ نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا۔

"بس شروع ہو گئی۔" نعمان ہنسا۔ "اوئے چھوٹے! خالہ کو چینی اور چاول نکال دے ایک ایک کلو۔"

تب ہی حمیداں سر پر چادر ڈالے کچھ سودا ہاتھ میں پکڑے اندر داخل ہوئی۔

"خالہ! کھسک لے' سودا تیرے گھر پہنچا دوں گا۔" نعمان نے آہستگی سے کہا۔ تو وہ حمیداں کو سلام مارتی چلی گئی۔

"یہ تمہارے پاس کھڑی کیا کر رہی تھی؟" حمیداں نے حیرت سے پوچھا۔

"رات والے ڈرامے کی اسٹوری سنا رہی تھی۔ حد کرتی ہو اماں! اسٹور چلاتا ہوں' لوگ یہاں سامان لینے آتے ہیں۔ تو تا کیسے آ گئی؟"

"میں تو بازار سے آ رہی تھی۔ سوچا۔ گھر میں کچھ سامان ختم تھا تجھ سے کہتی جاؤں۔"

☼ ☼ ☼

عرشہ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا۔ اور مطمئن ہو کر مسکرا دی۔ ڈھکی ہوئی پلیٹ اٹھائی۔ دال صاف کرتی عادلہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کدھر؟"

"ثوبان کو کھیر دینے" تو عذرا دیر کو رکی۔

"صرف ثوبان کو۔" عادلہ کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گئی۔

"جی۔ اسے آپ کے ہاتھ کی کھیر بہت پسند ہے نا اس لیے۔"

"ہاں۔ جاؤ۔" عادلہ نے کہا تو وہ تیزی سے کھسک گئی۔ عادلہ نے دال کا تھال ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کی لکیریں بہت گہری ہوئی تھیں۔

"یہ کس راہ پر قدم رکھ دیا ہے عرشی۔" انہوں نے دیوار سے سر ٹکا دیا۔ ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ بیتی ہوئی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ تنگ نظر، تنگ ذہن اور خود غرض لوگوں میں زندگی گزارنا گویا دنیا میں پل صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔ وہ اس پل صراط سے گزر رہی تھیں۔

"لیکن عرشہ۔ نہیں۔ وہ نہیں۔" وہ فیصلہ کر کے اٹھیں اور فون کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کی انگلیاں نبیلہ کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

پلیٹ تقریباً "پٹخنے والے انداز میں رکھی گئی تھی۔ ثوبان سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"کھیر ہے۔"

ثوبان نے پلیٹ اٹھا کر دیکھا۔

"کھیر تو میٹھی ہوتی ہے اور تم تو یوں کھڑی ہو گویا

کر لیے چبا کر آئی ہو۔"

"آپ کو تو اتنا بھی یاد نہیں ہوگا کہ کسی کو منانا ہے۔" وہ روٹھے روٹھے انداز میں بولی

"کس کو؟" ثوبان کے اس قدر انجان انداز پر عریشہ کو غصہ آگیا۔

"میں آپ سے ناراض تھی۔"

"اوہ۔ اور اب خود ہی منانے چلی آئیں۔"

"آپ کو کوئی حق نہیں، میری انسلٹ کرنے کا۔" ثوبان کے مذاق اڑاتے انداز پر عریشہ کی آنکھوں میں پانی آگیا۔ وہ تیزی سے پلٹنے کو تھی۔ ثوبان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پاگل پاگل ہو۔"

"مجھے جانے دیں۔"

"جاؤ۔ ویسے یہ گلابی رنگ تمہیں بہت سوٹ کرتا ہے۔"

عریشہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر مسکراہٹ چھپانے کو رخ موڑ گئی۔

"چلتی ہوں۔"

ثوبان نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ عریشہ دروازے تک جاکر پلٹی۔

"ویسے۔ یہ گلابی نہیں "کاسنی" رنگ ہے۔"

وہ شرارت سے کہہ کر چلی گئی۔ ثوبان نے ہنس کر اپنے سر پر چپت لگائی۔

☼ ☼ ☼

ابرار بیرونی دروازے سے ابھی اندر گیا ہی تھا جب بشری تیر کی طرح اس کے سامنے آئی۔ ابرار کو رکنا پڑا۔ وہ سامنے کھڑی خونخوار تیوروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"رستہ چھوڑو۔" ابرار نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"تم نے مجھ سے شادی سے انکار کیا ہے۔"

"ہاں۔" وہ جو چند قدم آگے چلا گیا تھا۔ طویل سانس لے کر پلٹا۔

"اگر مجھے اتنی سی امید ہی ہوتی کہ تم کل کو میری ماں کو چارپائی پر بٹھا کر اس کی خدمت کروگی۔ یا میری عزت کروگی۔ تو میں اقرار کرنے میں ایک منٹ نہیں لگاتا۔"

"خدمت۔ خدمت کرتی ہے میری جوتی۔ تمہاری اوقات کیا ہے؟"

ابرار نے بڑے تحمل سے سامنے کھڑی غصے میں بھڑکتی آگ کو دیکھا۔

"وہی جو تمہاری ہے۔ ہم دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔"

"میں بھی تم سے شادی کے لیے مری نہیں جارہی۔ اس گاؤں میں دس گھر ایسے ہیں۔ جو مجھے بہو بنانا چاہتے ہیں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"تو ان ہی میں سے کوئی انتخاب کرلو اور میری جان چھوڑو۔" وہ قطعی لہجے میں کہہ کر صحن اور برآمدہ عبور کرکے اندر آیا۔ اور ٹھٹک کر رک گیا۔

کمرے میں موجود تینوں افراد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہاں اک مانوس سی خاموشی بکھری تھی وہی خاموشی جو کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ابرار کے لیے نہ یہ خاموشی نئی تھی اور نہ اس کے بعد اٹھنے والا طوفان۔

"کیسے احسان فراموش ہو تم ماں پتر۔" اصغر کی سرسراتی آواز خاموشی کو چیرتی چلی گئی۔

"اچھا۔ کون کون سے احسان کیے ہیں آپ نے؟" ابرار کی ہلکی سی طنزیہ ہنسی نے اصغر کو بھڑکا دیا۔

"بکواس بند کرواسے۔"

"بکواس نہیں کررہا۔ ان احسانات کی فہرست دریافت کررہا ہوں۔ جو اب تک آپ نے ہم ماں بیٹوں پر کیے۔" ابرار نے چبا چبا کر کہا۔ جمیلہ بے اختیار اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

"بیٹو۔"

"دیکھ۔ دیکھ اس کے تیور۔ چار جماعتیں کیا پڑھ لیں۔ چاچے کے منہ کو آرہا ہے۔ دفع دور۔ ہم ایسے بے دید، بے لحاظ کو کیا کرنا ہے۔" کبری نے حسب عادت واویلا شروع کیا۔ جب مقصد ہی

نہیں ہو رہا تو مصلحت سے کام لینے کا فائدہ کیا؟

"میں بے دید، بے لحاظ ہوں۔ تم لوگ کیا ہو؟ اور چاچا! تم جو احسانات گنوا رہے ہو۔ آج اس کا حساب بھی ہوجائے۔ میری ماں اس گھر میں نوکرانیوں کی طرح کام کرتی ہے۔ وہ دودھ بیچ کر اپنا گزارا کرتی ہے۔ میری فیس جمع ہوتی ہو تو گاؤں کی اس گلی سے شروع ہوتی تھی ادھار مانگنا۔ تو نے آج تک میرے لیے کیا ہی کیا ہے؟ اس زمین میں میرے باپ کا بھی حصہ ہے۔ حق ہے میرا۔ اور یہی حق نہ مانگ لوں۔ تم نے آج تک یتیم سمجھ کر بھی میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔"

"میں تیرا منہ توڑ دوں گا۔ بے غیرت۔" اصغر لپکا۔ جمیلہ لپک کر دونوں کے بیچ آگئی۔

"نہ بھائی اصغر۔ یہ تو ایسے ہی بول گیا۔ پھر اس نے انکار تو نہیں کیا۔ بس وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"اماں! تو اس کیوں دلا رہی ہے۔ آج نہ کل، مجھے کبری سے شادی کرنا ہی نہیں۔" ابرار کا لہجہ دوٹوک اور صاف تھا۔ اصغر کا ہاتھ اٹھ گیا۔ پہلا تھپڑ ابرار نے بے دھیانی میں کھایا تھا۔ دوسری بار اصغر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بس چاچا! اور نہیں۔"

"نکل۔ ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل۔"

"ٹھیک ہے، جارہا ہوں۔"

وہ ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا۔ جمیلہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ کبری نے اسے نفرت سے دیکھا۔

"تیری کرنی کا پھل ہے۔ بیٹے کو کتابیں تو پڑھا دیں۔ دو لفظ تمیز کے بھی سکھا دیتی۔"

اصغر باہر نکل گیا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ بیگ میں اپنے ڈاکومنٹس اور کپڑے ڈالے آیا۔ تو جمیلہ اسی طرح بت بنی تنہا بیٹھی تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"اماں" ابرار کی پکار پر وہ یوں چونکی جیسے کسی خواب سے جاگی ہو۔

"اماں! میں مصلحت سے کام لیتے لیتے تھک گیا ہوں۔ اس لیے جارہا ہوں۔ لیکن بہت جلد واپس آؤں گا۔"

"بہت اندھیرا ہے بلو۔" اس کے لب تھرتھرائے۔

"چھٹ جائے گا۔ میں جانتا ہوں اماں، تمہیں مشکل حالات میں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ مگر تم ہمت نہ ہارنا۔"

"اسے کیوں چھوڑ کے جارہا ہے، اسے بھی ساتھ لے کر جا۔" کبری دروازے میں آکھڑی ہوئی۔ ابرار نے اسے سلگتی آنکھوں سے دیکھا اور جھٹکے سے کھڑا ہوگیا۔

"اماں یہیں رہے گی۔ تب تک۔ جب تک میں کوئی ٹھکانا نہیں بنالیتا۔ کیونکہ جتنا حق تیرا اس گھر پر ہے اتنا ہی میری ماں کا بھی ہے۔ اماں! حوصلے سے رہنا۔" اس نے ماں کے سر پر ہاتھ رکھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ روتے روتے جمیلہ بے حال ہوگئی۔ اس کے لبوں پر ایک ہی جملہ بار بار ٹوٹ رہا تھا۔

"باہر بہت اندھیرا ہے پتر۔"

☼ ☼ ☼

حمیداں نے سرتاپا ماسی زبیدہ کا جائزہ لیا۔

"نہ تجھ سے کس نے کہا۔ تو میرے نعمان کے لیے رشتہ ڈھونڈتی پھر۔ مجھے رشتہ کرنا ہوتا تو خود تجھ سے کہتی۔"

"ارے، مجھ سے کس نے کہنا ہے۔ وہ ماسٹنی صاحبہ نے کہا کہ بیٹی کے لیے رشتہ دیکھ لو۔ میرے ذہن میں نعمان کا خیال آیا تو تمہاری صلاح لینے آگئی۔ آخر تم نے بیٹوں کی شادیاں کرنا ہیں کہ نہیں۔"

"نہ میں ان کی شادی کروں نہ کروں، تجھے کیا تکلیف ہے؟" وہ چمک کر بولیں۔

"حمیداں! ایک تو تو غصہ بہت کرتی ہے۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ استانی ہے۔ بیس ہزار تنخواہ۔"

"بات سن زبیدہ! میں ایک استانی سے بھر چکی۔ دوسری گھر لانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ ماسٹنی سے کہو اپنی بیٹی کے لیے کوئی اور گھر

دیکھے۔ میرا دماغ خراب ہے۔ ابھی سے لڑکے بیاہ دوں' وہ لگ جائیں اپنی بیویوں کے چوچلوں میں۔۔۔ اور حمیداں ہاتھ ملتی رہ جائے۔ اور یہ نعمان' یہ تو پہلے ہی قابو نہیں آتا۔"

زبیدہ مایوس سی ہو کر بیٹھ گئی۔۔۔ سال تو کوئی لفٹ ہی نہ تھی۔ نعمان کا ڈر نہ ہوتا تو صاف بتا دیتی لڑکے کی مرضی ہے۔

"اچھا سن زبیدہ! نعمان کی تو میں بعد میں کروں گی' پہلے تو میری مریم کے لیے کوئی رشتہ دیکھ۔"

"حمیداں بیگم! میں کہاں سے دیکھوں۔ تیری طرح سب اپنے اپنے لڑکے بغل میں دبائے بیٹھی ہیں۔۔۔ رشتہ دیکھو۔" زبیدہ نے ناک کروار کیا اور بکتی جھکتی چلی گئی۔

حمیداں ہیں۔۔۔ ہیں کرتی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"سچ سچ بتا رہی ہوں۔ تمہاری ماں کا کوئی ارادہ نہیں۔ اگلے چار پانچ سال تک تمہاری شادی کا۔" زبیدہ پھر سے دکان پر آ بیٹھی تھی۔

"تم نے بات چھیڑی تھی؟"

"ہاں تو اور کیا؟ پر وہ تو کوئی بات سننے کو ہی تیار نہیں۔ اب ایک کام کر' خود بات کر لے۔" نعمان نے پریشانی سے سر ہلایا۔

"میں اماں کو تجھ سے زیادہ جانتا ہوں خالہ۔ عائشہ میری پسند ہے' یہ سن کر وہ ویسے ہی ہتھے سے اکھڑ جائے گی۔ اچھا خالہ! مجھ سے وعدہ کر۔ تو عائشہ کے لیے ابھی کوئی رشتہ نہیں دیکھے گی۔ میں کچھ کرتا ہوں۔"

"دیکھ بیٹا! میری اپنی پانچ بیٹیاں ہیں۔ کسی کی بیٹی کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتی۔" زبیدہ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ نعمان نے جیب میں ہاتھ ڈالا ہزار کا نوٹ نکال کر زبردستی اس کی مٹھی میں تھما دیا۔

"چل۔۔۔ تیری خاطر کچھ عرصہ رک جاتی ہوں" پیسے دیکھ کر وہ اپنی پانچ بیٹیاں بھول گئی۔ "پر زیادہ دیر نہ کرنا۔ ماسٹر صاحب ریٹائر ہو رہے ہیں۔ اور اس سے پہلے پہلے لڑکی کی شادی کر کے جانا چاہتے ہیں۔"

"خالہ! آ کرتا ہوں کچھ۔۔۔ تو گھر جا میں کچھ راشن بھی بھجواتا ہوں۔"

خالہ سر ہلا کر چلی گئی۔۔۔ نعمان کچھ دیر بیٹھا رہا۔ لیکن پھر اسٹور میں دل نہیں لگا تو اٹھ گیا۔۔۔ قدم خود بخود عائشہ کے گھر کی طرف بڑھے تھے۔ مگر پھر عائشہ کی بات یاد آ گئی۔۔۔ تو مایوسی سے پلٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

"بس نبیلہ! لڑکا ہی نہیں' اس کی فیملی بھی پڑھی لکھی اور روشن خیال ہو۔۔۔ اس سے زیادہ کی ہوس نہیں۔ روپیہ پیسہ نصیب میں ہو تو مل ہی جاتا ہے۔"

حمیدہ دروازے میں ہی رک گئیں۔ عادلہ کی دروازے کی طرف پشت تھی۔

"وہ بہت بے وقوف ہے۔۔۔ خوبصورت لہجوں میں چھپے تصنع اور بناوٹ کو محسوس ہی نہیں کر پاتی۔۔۔ ظاہر کو دیکھتی ہے۔ باطن میں جھانکنے کی صلاحیت نہیں ہے اس میں۔"

(اچھا۔۔۔ تو یہاں یہ چل رہا ہے۔ دیکھتی ہوں' کیسے کرتی ہو عریشہ کی شادی کہیں اور) حمیدہ بھول گئیں کہ وہ یہاں کس کام سے آئی تھیں۔ منہ پر ہاتھ پھیرتی پلٹ گئیں۔

"ٹھیک کہا۔ کم عمر ہے۔ اور ان باتوں کو سمجھنے کے لیے اک عمر درکار ہوتی ہے۔"

"سنا تم نے برکت حسین! وہ تمہاری بھاوج کیا کرتی پھر رہی ہے۔" انہوں نے سیدھا بیٹھک میں انٹری دی۔ برکت حسین نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"صبح سے نہ چائے کا پوچھا' نہ روٹی پانی کا۔ اور آ گئی ہے بھاوج کی شکایت لے کر۔"

"اس عمر میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہ آنا۔ تم پیالیاں تو ابھی تک تمہاری چارپائی کے نیچے پڑی ہیں۔"

"ہاں تو اس گھر کی عورتیں ہی نحوست ماری ہیں۔

کہاں ہے جو کبھی گندے برتن اٹھا کر لے جائیں۔" انہوں نے کھسیا کر کہا۔

"صاف کہو حمیدہ بیگم ساری نحوست تیری ہے۔ مجھے گھر سے نکال دو اس گھر میں برکت ہی برکت بچے گی۔"

"ہر وقت چخ چخ' کل کل۔۔۔ کبھی آپ لوگ تحمل سے بات نہیں کر سکتے۔" نعمان ابھی ابھی لوٹا تھا۔۔۔ ان کی تکرار سن کر مزاج برہم ہو گیا۔ "باہر تک آوازیں آ رہی ہیں۔"

"ایسا کر ایک ایک پیچ ہم دونوں کے گلے میں ٹھونک دے۔۔۔ ہمیں کھلا رہا ہے نا کما کے' اسی لیے رعب دکھا رہا ہے۔" وہ حمیدہ ہی کیا جو کسی سے دب جائیں۔

"یہاں تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ تن فن کرتا اندر گھس گیا۔

"میرا تو ساری زندگی نہیں کیا۔ کم از کم بیٹے کا لحاظ تو کر لیا کر۔۔۔ جوان خون ہے۔" برکت حسین نے سمجھانا چاہا۔

"سب پتا ہے۔۔۔ یہ جوان خون کیوں ابل رہا ہے۔ شادی کی ہڑک اٹھی ہے۔"

"ہاں تو کر دے۔۔۔ اٹھائیس انتیس کا تو ہو ہی گیا ہے۔"

"جس کا ابھی سے یہ حال ہے۔ بعد میں ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔"

"اچھا۔۔۔ تو آئی کیا کرنے تھی؟" برکت حسین نے بے زاری سے پوچھا۔ تو حمیدہ کو یاد آیا۔ قدرے قریب کھسکیں۔

"اوں ہوں۔۔۔ کیا اوپر چڑھی آ رہی ہے۔ ذرا دور ہو کے بیٹھ۔"

"تیرے قریب بیٹھنے کو تو کبھی جوانی میں دل نہیں کیا۔ اب کیا خاک بیٹھوں گی۔"

"کام کی بات کر۔"

"تیری بھاوج عریشہ کا رشتہ ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔"

"ہاں تو اس کی لڑکی ہے۔۔۔ رشتہ نہیں کرے گی۔"

"بڈھا سٹھیا گیا ہے۔ عریشہ باہر نہیں جائے گی' یہ مکان اور دکان باہر جائے گی۔ اور وہ مال بھی اس کی ماں نے جمع کر رکھا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے۔۔؟"

"نقصان ہی نقصان ہے برکت حسین!"

"ہاں تو اسے گھر میں دو جوان جہان لڑکے نظر نہیں آتے۔ کہو تو عادلہ کو بلا کر بات کروں۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔ وہ بڑی اونچی ہواؤں میں ہے۔ اور تمہاری بہن بھی اس کے ساتھ ملی ہے' وہی عریشہ کا رشتہ ڈھونڈ رہی ہے۔"

"سچ کہو۔"

"قسم سے۔۔۔ لیکن تم فکر نہ کرو' میرا نام بھی حمیدہ ہے۔ ہمارے ہاتھ عادلہ آئے گی نہیں لیکن میں یہ بات خود عریشہ کے منہ سے کہلواؤں گی۔ گھر کی جائیداد باہر نہیں جانے دوں گی' تمہارے مرحوم بھائی کی کمائی ہے۔ کوئی اپنے میکے سے نہیں لائی تھی۔ پہلا حق میرے بیٹوں کا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے۔ سازشی تو تو پہلے ہی ہے۔ کچھ نہ کچھ کر ہی لے گی۔"

برکت حسین نے تعریف بھی یوں کی کہ وہ غصے سے دیکھتی اٹھ گئیں۔

"ارے۔۔۔ یہ پیالیاں تو لیتی جا۔"

☆ ☆ ☆

"ویسے مام! میں دیکھ رہا ہوں جب سے طیبہ بھابھی گئی ہیں۔ آپ اچھی خاصی فٹ فاٹ ہو گئی ہیں۔" محسن نے عقب سے انہیں کندھوں سے تھاما۔

"فضول مت بولو۔" نبیلہ ہنس دیں۔ آج اس کی فرمائش پر چائنیز بنا رہی تھیں۔

"ایسا ہی ہوتا ہے۔ گھر سے ٹینشن رخصت ہو جائے تو انسان بالکل ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔" وہ شرارت سے کہتا گاجر اٹھا کر کھانے لگا۔

"محسن! تم مار کھاؤ گے۔"

"آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ آپ دوسری ٹینشن گھر لے آئیں۔"

"تم فاطمہ کو ٹینشن کہہ رہے ہو؟"

"کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو اس کے آنے کے بعد ہی پتا چلے گا رحمت ہے یا زحمت۔"

"خیریت آج بہانے بہانے سے فاطمہ کو کیوں یاد کیا جا رہا ہے۔"

"کیونکہ آپ منگنی کر کے بھول گئی ہیں۔ اور مجھ سے آپ کا اکیلا پن دیکھا نہیں جا رہا۔"

"میرا اکیلا پن۔" "وہ فس دیں۔

"دونوں کا۔"

"بے وقوف! ابھی منگنی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" انہوں نے شملہ سیخ اٹھائی۔

"کیا شرط ہے کہ سال پورا ہونے سے قبل شادی کی بات نہیں ہو سکتی۔" محسن نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔ نبیلہ نے اسے گھورا۔ پھر مسکرا دیں۔

"تم خوش ہو محسن! میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کر دی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آئی ایم ہیپی۔"

"تو ٹھیک ہے میں جلدی جا کر شادی کی تاریخ طے کر دیتی ہوں اور فاطمہ کو بتاؤں گی کہ میرے بیٹے سے اب صبر نہیں ہو رہا۔"

محسن ہنس کر اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔



"تم تو عجیب بات کر رہے ہو نعمان بیٹا۔" آمنہ خاتون نے پریشان ہو کر نعمان کو دیکھا۔ عائشہ دروازے میں ہی رک گئی۔

"مجھے صرف تھوڑا سا وقت چاہیے۔ خالہ۔ فاطمہ کی تو بات طے ہے۔ چند ماہ میں شادی بھی ہو جائے گی۔ بس مریم رہ جاتی ہے۔ میں آپ کو بہت لمبا انتظار کرنے کو نہیں کہہ رہا۔ ایک دو سال کی بات ہے۔" اس نے بے حد آس سے آمنہ خاتون کو دیکھا۔

"جوان بیٹی کے ماں باپ پر ایک ایک دن بھاری ہوتا ہے۔ بیٹا! تم سالوں کی بات کرتے ہو۔" انہوں نے اک طویل سانس لے کر کہا۔

"خالہ۔" نعمان کھڑا ہو گیا۔ "میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ عائشہ آپ کی بیٹی ہے۔ آپ لوگ اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ صرف اک آس کی ڈور تھام کر آپ کے پاس آیا تھا۔"

"بیٹا! زندگی مفروضوں پر تو نہیں گزرتی۔ اگر دو سال تک تمہارا ذہن بدل جائے۔ یا تمہارے گھر والوں کی مرضی کہیں اور ہو تو۔"

"خالہ! میں نے زندگی میں کبھی کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔" خالہ کی طرف بغیر دیکھے نعمان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "لیکن میں عائشہ کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے میں آپ کو انتظار کرنے کو نہیں کہوں گا۔ اگر وہ میرے نصیب میں ہوئی تو دنیا کی کوئی طاقت اس راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔" اس کا مدھم لہجہ عائشہ کے دل میں گھر کر گیا۔

(اور اللہ کرے وہ تمہارا ہی نصیب ہو۔)

آمنہ خاتون کے دل سے دعا نکلی۔

نعمان تیزی سے باہر نکلا۔ عائشہ کو ہٹنے کا موقع نہیں ملا۔ دونوں کی نگاہ ایک دوسرے سے ٹکرائی۔

"میرا انتظار نہیں کر سکتیں، دعا تو کر سکتی ہو اس قابل بھی نہیں؟" عائشہ کی نگاہ جھک گئی۔ ہلکا سا مسکرا کر بے اختیار اثبات میں گردن ہلا دی۔

نعمان کو گویا دونوں جہاں کی دولت مل گئی۔ مسرور سا گھر سے نکل گیا۔

ہمسائیوں کے گھر سے نکلتی حمیداں کے قدم اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے۔ نعمان تو اپنی دھن میں آگے چلا گیا۔ مگر حمیداں کی نگاہ نے دور تک پیچھا کیا۔ اس کی چال کی سرشاری حمیدہ سے چھپی نہیں رہی تھی۔

انہوں نے اک پر ساتی نظروں سے ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف دیکھا۔

"اچھا تو یہ چکر چل رہا ہے۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



راحت جبیں

ساری بھول ہماری تھی

ناولٹ

عریشہ عادلہ کی بیٹی ہے۔ عادلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں' مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جیٹھ اور جٹھانی اپنے بچوں نعمان' ثوبان' فرید' فاطمہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں' بانو اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں' عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عادلہ کو یہ چیز پسند نہیں کیونکہ ان کے جیٹھ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ' عادلہ اور جٹھانی کی نند ہیں' ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال' جمال ملک سے باہر مگر اس کی بدمزاج بیوی طیبہ یہیں رہتی ہے۔

ابرار جمیلہ کا بیٹا ہے شہر میں پڑھتا ہے' باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چاچی کبریٰ کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے۔ اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ پڑواتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی بشریٰ کی ابرار سے شادی ہو جائے۔ مگر ابرار صاف انکار کرتا ہے۔ اصغر کو غصہ آتا ہے وہ ابرار پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ ابرار ناراض ہو کر گھر چھوڑ دیتا ہے اور شہر آجاتا ہے۔

طیبہ کی مسلسل بدتمیزی سے عاجز آکر نبیلہ جمال سے طیبہ کو ساتھ لے جانے کا کہہ دیتی ہیں۔ نبیلہ محسن کے لیے عائشہ کا رشتہ مانگتی ہیں۔ حمیداں کے اعتراض کے باوجود رشتہ پکا ہو جاتا ہے۔

نعمان اپنے اسٹور سے سودا لینے والے ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ کو پسند کرنے لگتا ہے۔ وہ گورنمنٹ ٹیچر ہے۔ نعمان عائشہ کی ماں سے رشتے کی بات کرتا ہے اور ان سے فاطمہ کی شادی تک انتظار کرنے کو کہتا ہے کیونکہ حمیداں کا دونوں بیٹیوں سے پہلے بیٹوں کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ عائشہ اور اس کے گھر والے تھوڑی سی حیل حجت کے بعد مان جاتے ہیں۔

عادلہ نبیلہ کے کہنے پر بچت کرکے عریشہ کے لیے سونے کا سیٹ بنواتی ہیں۔ عادلہ کے منع کرنے کے باوجود عریشہ حمیداں کو وہ سیٹ دکھا دیتی ہے۔ حمیداں کی عریشہ سے اکھڑ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۳ تیسری قسط

حمیداں کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ جو کچھ دیکھا تھا، کسی صورت قابل قبول نہیں تھا۔ نعمان اپنی دھن میں سرشار آگے چلا گیا تھا۔ انہیں لگا ۔۔۔ وہ دور نہیں جا رہا ان کے ہاتھوں سے نکل رہا ہے ۔۔۔ انہوں نے شرربار نگاہوں سے ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف دیکھا۔ دل میں اٹھے غبار پر قابو پانا ان کی فطرت نہ تھی۔ مگر بروقت عقل نے ہاتھ تھام لیا ۔۔۔ تب ہی کچھ سوچ کر خاموشی سے گھر آگئیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ یتیم خانہ ہے نہ مسافر خانہ۔ کہاں ٹھہرے گا۔ جگہ ہے اس ڈبی جیسے گھر میں؟"

حمیداں کی پاٹ دار آواز ڈیوڑھی میں گونج رہی تھی۔ عریشہ نے ذرا سا جھانک کر دیکھا۔ تایا اور تائی دونوں چوپیں لڑا رہے تھے۔ تایا نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔

"یا اللہ! اس عورت کو سب کچھ دیا تھا۔ ایک زبان نہ دیتا تو کیا ہو جاتا۔"

"اب کاٹ دو ۔۔۔ تمہاری بھی تو زبان کی جگہ تلوار ہی فٹ ہے۔"

"اب وہ رات کو آگیا تھا تو میں کیا گھر سے نکال دیتا۔ میری سگی بچا زاد بہن کا بیٹا ہے۔"

"ساری زندگی تو اس بہن کا نام نہیں سنا اب یہ بیٹا ٹپک گیا ۔۔۔ عادلہ کی طرف بھجوا دو ۔۔۔ ادھر کمرے ہیں۔"

"کیسے بھجوا دوں۔ گھر میں مرد نہیں، جوان لڑکی۔" وہ بڑبڑائے۔

"میرے گھر میں دو دو جوان لڑکیاں ہیں۔ بڑھاپے میں تمہارا دماغ بالکل ہی کھسک گیا ہے۔"

"ہاں تو تو ابھی بھی سولہ سال کی چھمک چھلو ہے۔ کہہ دیا میں نے اب آگیا ہے تو یہیں رہے گا۔" تایا نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ ایسا لہجہ جس کے بعد حمیداں کی بولتی بند ہو جاتی تھی۔

عریشہ کچھ سمجھی، کچھ نہ سمجھی۔ بس خاموشی سے کھسک لی۔ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئی۔ کمرا خالی تھا، باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ رائٹنگ ٹیبل کے پاس آگئی۔ کمپیوٹر کے پاس رکھے جرنل کے صفحات ہوا سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ عریشہ کو شرارت سوجھی۔ اس نے ہولڈر سے پین نکالا اور نچلا لب دباتے ہوئے لکھنے لگی۔ لکھ کر پین درمیان میں رکھ کر جرنل بند کر دیا۔ کچھ دیر کمپیوٹر کو چھیڑتی رہی پھر اکتا کر واش روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ غالباً ثوبان نہا رہا تھا اور وہ نہانے میں کتنی دیر لگاتا ہے۔ عریشہ اچھی طرح جانتی تھی تب ہی مایوس ہو کر کمرے سے نکل گئی۔

پانچ منٹ کے بعد ابرار تولیہ سے سر رگڑتا باہر نکلا۔ نہا کر طبیعت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی، ورنہ پوری رات طبیعت بے چین اور سر بوجھل رہا۔ بار بار ایک ہی سوال بے چین کر رہا تھا۔ وہ جس طرح وہاں سے نکلا ۔۔۔ جس طرح ماں کو تنہا چھوڑ آیا تھا ۔۔۔ کیا وہ ٹھیک تھا۔ دل بے چین تھا مگر دماغ کہتا تھا یہی وقت کا تقاضا تھا۔

اس نے تولیہ کرسی پر پھیلایا۔ بال بنا کر کمپیوٹر کے سامنے آبیٹھا۔ اسے ایڈمیشن کے سلسلے میں مختلف کالجز اور یونیورسٹی کی معلومات درکار تھیں۔ اس نے کمپیوٹر آن کیا اور سامنے پڑا جرنل کھولا تو چونک گیا۔

"تم سے جب بات نہیں ہوتی کسی دن جانم
ایسے چپ چاپ گزرتا ہے یہ سنسان ساون
ایک سیدھی سی بڑی لمبی سڑک پر جیسے
ساتھ چلتا ہوا روٹھا ہوا ساتھی کوئی
منہ پھلائے ہوئے ناراض سا، خاموش گم اس
اور جب ملتا ہوں غمس بڑتا ہے یہ روٹھا دن
کد گد اکر مجھے کہتا ہے، 'کہو کیسے ہو؟'"

ثوبان عجلت میں اندر آیا۔

"ابرار! پھر میرے ساتھ چل رہے ہو؟" ابرار نے چونک کر ثوبان کو دیکھا۔

"جی میں آپ کے ساتھ ہی چل رہا ہوں۔" وہ کھڑا ہوا پھر مسکرا کر رک گیا۔

"لیکن پہلے کسی کو اپنا حال تو بتا دیں ۔۔۔"

اپنی چیزیں اٹھاتے ہوئے ثوبان نے اسے دیکھا۔ ابرار نے شرارت سے جرنل پر انگلی بجائی۔

"یقیناً" یہ نظم میرے لیے نہیں ہے۔ مجھے تو یہاں آئے ایک ہی رات ہوئی ہے اور پہلے یہ نظم یہاں لکھی بھی نہیں گئی تھی۔"

ثوبان نے آگے بڑھ کر وہ نظم کو پڑھی اور مسکرا دیا۔

"ہاں ہے ایک خبطی سی لڑکی۔"

"صرف آپ کے لیے خبطی ہے یا آپ بھی ہیں؟" ثوبان نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا تو اس نے معذرت خواہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"سوری! میں کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گیا۔"

"تمہاری زندگی میں کوئی لڑکی ہے؟" ثوبان اپنا جواب گول کر گیا۔

"چھوڑیں ثوبان بھائی ابھی تو غم روزگار میں الجھنے کے دن ہیں۔" ابرار نے جھینپ کر سر جھٹکا۔ ثوبان بے ساختہ ہنسا۔

"چلو پھر نکلتے ہیں۔"

ابرار نے جرنل بند کیا۔ دونوں ایک ساتھ باہر نکل گئے۔



برکت حسین وضو کر کے باہر نکلے تو چارپائی پر لیٹی حمیداں کو دیکھ کر ذرا سے چونک گئے۔ وہ صحن میں بچھی چارپائی پر منہ پر دوپٹہ ڈالے لیٹی تھیں۔

"مریم ۔۔۔ مریم!"

مریم اندر سے دوپٹہ سر پر لپیٹتی تیزی سے نکلی۔ "جی ابا!"

"یہ اپنی ماں کو دیکھنا ۔۔۔ زندہ تو ہے۔" وہ آستین نیچی کرتے عام سے انداز میں بولے۔

"جی ۔۔۔" مریم ماں کا کان کا منہ دیکھنے لگی۔

"کافی دیر سے اس کی آواز نہیں سنی۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں۔" وضاحت کی گئی۔

مریم مسکراہٹ دباتی دوبارہ اندر گھس گئی۔ حمیداں بیگم دوپٹے کے نیچے کچھ بڑبڑائی ہوں تو بظاہر ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ برکت حسین کو تشویش ہونے لگی۔ تب ہی پاس آکر پوچھنے لگے۔

"تیری کیا قینچی گم ہو گئی ہے؟"

"گم کہاں ہونی ہے مشین میں پڑی ہو گی۔" حمیداں سمجھ تو گئیں۔ مگر آج کچھ اور ہی موڈ میں تھیں۔

"میں نے کہا طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ کچھ اور بے چین ہو گئے۔ حمیداں نے منہ سے دوپٹہ ہٹا کر خشمگیں نگاہ سے شوہر کو گھورا۔

"میں نے کہا برکت حسین جا۔۔۔ مسجد جا کے اللہ کے سامنے معافی مانگ۔۔۔ تیرے بھی کوئی گناہ بخشے جائیں۔"

"جا رہا ہوں۔ تجھے میرے گناہوں کی بڑی فکر ہے۔ شوہر کے آگے زبان چلانے والی عورت جہنمی ہوتی ہے۔"

حمیداں نے دوبارہ پلو منہ پر ڈال لیا۔ وہ بڑبڑاتے چلے گئے۔ اوپر سے ابرار سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ حمیداں اس کی آہٹ پر بدک کر اٹھیں۔

"کہیں جا رہے ہو؟"

"جی۔" ابرار کو حمیداں اور کبریٰ کے رویے میں زیادہ فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا حمیداں کو اس کا یہاں رکنا برا لگا ہے مگر کچھ عرصہ یہاں ٹھہرنا ابرار کی مجبوری تھی۔

"یہ مجھے بیس روپے کا دہی بھی لا دے۔" حمیداں نے پلو سے پیسے کھول کر اسے تھمائے۔

"جی۔۔۔؟"

"ٹھہر جا، کٹوری لا کر دیتی ہوں۔" وہ بھاری وجود سنبھالتے اٹھیں۔ کچن سے لا کر کٹوری بھی اسے تھما دی وہ بے چارہ جز بز ہو کر رہ گیا۔ گلی میں کھیلتے بچے کو بھیج کر دہی منگوائی واپس آیا تو حمیداں نہیں تھی۔

"ماہی!" اس نے صحن ہی سے آواز دی اندر جانا مناسب نہ سمجھا کٹوری چارپائی پر رکھنے کا سوچا تو دیوار پر بیٹھی بلی کو دیکھ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"ماہی' یہ دہی۔۔۔"

اندر سے عریشہ نکلی۔ اجنبی صورت کو صحن میں کھڑے دیکھ کر ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیا بات ہے۔"

"ماہی نے دہی منگوایا تھا۔"

"تو اندر آنے کی کیا ضرورت تھی' دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتے تھے۔" شہابی رنگت والی لڑکی نے تنگ کر کہا۔ ابرار کو اس کے لہجے پر تاؤ ہی آ گیا۔ اس نے کٹوری چارپائی پر پٹخی۔

"ماہی کو دے دیجیے گا۔" کہہ کر باہر نکل گیا۔

"ارے، کس قدر بد تمیز لڑکا تھا۔" وہ بڑبڑاتی کٹوری اٹھا کر کچن میں رکھ آئی۔ اندر فاطمہ نماز پڑھ رہی تھی مریم نے واک مین کانوں سے لگایا تھا۔

"کچھ فاطمہ آپی سے ہی سیکھ لو' یہ چلی جائیں گی تو تمہارا کیا بنے گا۔" عریشہ نے واک مین کھینچا۔

"وہی جو تمہارا بنے گا۔" مریم نے دوبارہ واک مین پکڑا۔

"مریم! میں تم سے باتیں کرنے آئی ہوں۔"

"اوکے' چھت پر چلتے ہیں۔۔۔" مریم فوراً اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

نبیلہ شادی کی تاریخ طے کرنے آئی تھیں۔ حسب عادت حمیداں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"اتنی جلدی ہماری تو ابھی تیاری ہی نہیں۔"

"تیاری کیا کرنی ہے گھر کی بات ہے۔ میں یوں بھی اپنے بھائی پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔ جہیز کی تو ضرورت ہی نہیں۔ گھر میں جو کچھ ہے' انھی نے استعمال کرنا ہے۔"

"پھر بھی اب خالی ہاتھ تو لڑکی کو نہیں بھیجیں گے۔"

"ہاں تو کپڑا لتا بنا لو۔۔۔ بس اتنے دنوں میں اتنا تو ہو ہی جائے گا۔"

"ہاں ہاں۔۔۔" برکت حسین نے فوراً "ہاں میں ہاں ملائی۔ "ٹھیک کہہ رہی ہے نبیلہ! ہم نے کون سا دھوم دھڑکا کرنا ہے۔ سادگی سے نکاح اور رخصتی کر دیں۔۔۔ یہی سنت ہے۔"

حمیداں نے کھا جانے والی نظروں سے شوہر کو دیکھا۔

"آپ کیوں فکر کر رہی ہیں بھابھی! ان شاء اللہ سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ بس بسم اللہ کر کے تاریخ دے دیں۔" عادلہ نے رسانیت سے کہا۔

"ارے میں تین کپڑوں میں لڑکی کیسے رخصت

کروں۔"

"اس کی الٹی کھوپڑی ہے۔ اچھا بھلا خرچہ بچ رہا ہے اور یہ ہے کہ۔۔۔"

برکت حسین دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئے۔

"جمال آ رہا ہے' واپسی پر طیبہ اس کے ساتھ چلی جائے گی۔ اس لیے میں چاہتی ہوں یہ شادی ان کی موجودگی میں ہو جائے پھر نجانے کب ان کا آنا ہو' میں ابھی گھر میں اکیلی رہتی ہوں۔ محسن تو سارا دن آفس میں ہوتا ہے۔"

"ہاں تو بس ٹھیک ہے۔ جب تمہیں مناسب لگے چار بندے لے آنا بعد میں بھلے ولیمہ دھوم دھام سے کر لینا۔ یہی سنت ہے۔"

برکت صاحب نے آرام سے بات ختم کر دی۔

"چلیں' اللہ مبارک کرے۔ میں مٹھائی لے کر آئی ہوں۔" عادلہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

گھر میں شادی کی تیاریاں کیا شروع ہوئیں۔ حمیداں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ "کیا ہوگا' کیسے ہوگا۔۔۔ آتے جاتے نعمان سے۔ جھگڑا کر "پیسے اور دو۔" وہ جھنجلا گیا۔

"میں کہاں سے لاؤں اتنے روپے۔ ذرا ہاتھ روک کر خرچ کریں۔"

"کیسے ہاتھ روکوں' مہنگائی دیکھی ہے۔ تم تو چاہتے ہو' بہن کو شربت کے پیالے پر رخصت کر دو۔" وہ پھنک کر بولیں۔ نعمان نے نوالہ پلیٹ میں پٹخا۔

"جتنا بس میں ہو اتنا کریں نا۔ پھپھو بار بار کہہ رہی ہیں کہ کچھ نہیں کرنا' فرنیچر کراکری سب کچھ ہے تو پھر کیا ضرورت ہے۔"

"یہ عورت ہم سب کو کنگال کرے گی۔ احمق! فاطمہ میری بہن کے گھر جا رہی ہے۔ تیرے کنگلے خاندان میں نہیں' جو اس طرح پاگل ہو رہی ہے۔" برکت حسین نے لتاڑا۔

"ہاں' پاگل ہو رہی ہوں۔ تیری اولاد کے لیے کر رہی ہوں۔ یہی پھپھو کل کو ساس بن کر طعنے دے گی کہ بھتیجی خالی ہاتھ آ گئی۔"

"اماں! تمہیں تو عادت ہو گئی ہے' ہر بات کو بڑھا چڑھا کر کرنے کی۔ کمانا جتنا ہو سکے گا کر دیں گے۔" نعمان نے جھنجلا کر بات ختم کرنے کی سعی کی۔

"پتا ہے تجھے' جو موڈ تیرے دل میں اٹھ رہے ہیں۔۔۔ اس کی بھی خبر ہے۔ جنوں پر پیسہ خرچ کرتے جان نکل رہی ہے۔۔۔ کسی کلموہی کے لیے بچا بچا کر رکھ رہا ہے؟"

"کہاں لے جا رہا ہوں' جو کما رہا ہوں گھر میں ہی لا رہا ہوں۔۔۔ پر یہاں کسی کو کیا قدر۔۔۔ بس نوٹوں کی گڈیاں پکڑاتے رہو' سب راضی۔۔۔ ذرا اونچ نیچ ہو جائے تو گلے سے پکڑ لیتے ہیں۔ اس گھر میں بندے کی نہیں نوٹوں کی قدر ہے۔۔۔" وہ غصے سے بولتا باہر نکل گیا۔

"اب خوش ہے۔۔۔" برکت حسین نے طنز سے پوچھا تو وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگیں۔ "سب جانتی ہوں۔۔۔ اس کو پنکھے کیوں لگ رہے ہیں۔ فاطمہ کی شادی ہو جائے تو کرتی ہوں اس کا بھی بندوبست۔"

☼ ☼ ☼

جمیلاں کسل مندی سے منہ پر دوپٹہ ڈالے چارپائی پر لیٹی تھی۔ جب سے ابرار گیا تھا اس نے گویا ہر کام سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ کرتی بھی تو مارے باندھے۔۔۔ سر شام جسم بخار زدہ ہو جاتا۔ جوڑوں میں خوا مخواہ درد رہنے لگا۔ ابھی چند دن پہلے کیسے گھوڑے کی طرح چاق و چوبند تھی۔ اب جیسے جسم سے ساری توانائی نچڑ گئی ہو۔

کبریٰ نے اسے یوں لیٹے دیکھا تو دودھ کی پتیلیاں زور سے پٹخیں۔

کچھ دیر پہلے جمیلاں اٹھی تھی اور صرف بھینس کا دودھ دوہ کر واپس آئی۔ پاتھیوں کے کھڑاک پر بھی

جب جمیلاں نے سر نہ اٹھایا تو کبریٰ اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"میں نے کہا کب تک یہ ناٹک چلے گا۔۔۔ اس کے دفع ہو جانے سے اس گھر کے کام تو نہیں رکنے لگے۔ میں اکیلی کیا کیا دیکھوں۔"

کبریٰ کی کرخت آواز پر جمیلاں نے دوپٹہ منہ سے ہٹایا۔ اس کی آنکھیں پانیوں سے بھری تھیں۔

"میری طاقت میرا بلو تھا کبریٰ! اسی کے لیے بھاگی پھرتی تھی۔ وہ گیا ہے۔۔۔ تو لگتا ہے جسم سے ساری جان نچڑ گئی ہے۔۔۔ دو پیر چلتی ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے۔ اللہ جانے کس حال میں ہو گا۔۔۔ کہاں رہتا ہو گا' کیا کھاتا ہو گا۔"

"میرے سامنے تو اس حرام خور کا نام نہ لیا کر۔۔۔ ناں ایا کمی تھی میری بیٹی میں۔۔۔ خوب صورت ہے' زمین جائیداد والی ہے۔۔۔ اسے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔۔۔ وہ تو ہم نے سوچا چلو گھر کا لڑکا ہے' بیٹی بھی نظروں کے سامنے رہے گی۔۔۔ تمہارا ابھی ٹھاہ ٹھکانا بنا رہے گا پر نہیں۔ عزت راس نہ آئی تم ماں بیٹے کو۔" کبریٰ چمک کر بولی۔

"تیرا طریقہ غلط تھا کبریٰ! میرا پتر بڑی آن والا ہے۔ نظر جھکا کے چلتا ہے' سر نہیں۔ تو نے تو اسے خریدنا چاہا۔ ان چند روٹیوں کے بدلے جو وہ اس گھر میں کھاتا رہا۔ اتنا سستا نہیں تھا میرا ابرار۔"

"چل۔۔۔ اب دیکھ لیں گے۔ چاچے کے بغیر کون سا تیر مارے گا۔ چار دن میں دھکے کھا کر واپس نہ آیا تو میرا نام بھی کبریٰ نہیں۔ اب اٹھ کر تندور گرم کر۔ بہت ہو گیا آرام۔۔۔ بیٹا بھی بڑ حرام تھا۔۔۔ اب ماں بھی۔"

وہ بکتی جھکتی اندر چلی گئی۔

"تیری کی زبان ہے کبریٰ! جس سے بلو بھاگا ہے۔ اب اللہ جانے کہاں دھکے کھاتا ہو گا۔ اللہ کرے اسے برکت بھائی کا گھر مل گیا ہو۔ برسوں سے کوئی خیر خبر نہیں۔ یہ نہ ہو کہ گھر بدل لیا ہو۔" وہ اٹھ کر سست روی سے تندور میں لکڑیاں ڈالنے لگی۔ دھیان سارا بلو کی طرف تھا۔۔۔ اصغر نے اس دن سے جمیلاں سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ کبریٰ تو کبریٰ بشریٰ بھی ہر وقت انگارے چباتی۔

"ماسٹر صاحب کی طرف جاؤں گی۔ شاید کوئی فون آیا ہو۔"

اس نے چولہے سے سلگتا اپلا چمٹے سے اٹھا کر تندور میں پھینکا۔



"یہ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی!" عادلہ ہکا بکا رہ گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ حمیداں ان سے ایسی بات کر سکتی ہیں۔

"تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ فاطمہ تمہاری بیٹی نہیں ہے؟" مٹر چھیلتی حمیداں نے لاپروائی سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر۔۔۔" عادلہ ابھی بھی شاک میں تھیں۔

"اگر مگر چھوڑو۔ سیدھی بات کرو۔"

"میں نے وہ عرشہ کے لیے۔۔۔"

"تو میں کون سا مفت مانگ رہی ہوں بی بی! ادھار مانگ رہی ہوں۔ کل کو عرشہ کی شادی ہو گی تو واپس کر دیں گے۔۔۔ تب تک ثوبان کی بھی نوکری ہو جائے گی۔ پھر عرشہ کو کہاں جانا ہے۔ یہیں رہنا ہے ہمارے پاس۔"

"آپ۔۔۔" عادلہ بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

"سارے فیصلے خود ہی کرتی جا رہی ہیں۔"

"میں نے کیا انوکھا کہہ دیا۔ تم نے بیٹی نہیں بیاہنی پھر پہلا حق تو ہمارا ہوا نا۔"

"جب وقت آئے گا' دیکھا جائے گا۔"

"استانی صاحبہ! وہ اس خاندان کا خون ہے یہ مت بھولنا' پھر میرے ثوبان میں کمی کیا ہے؟" حمیداں نے تنک کر پوچھا۔

"میں نے کہا نا جب وقت آئے گا' دیکھا جائے گا۔" عادلہ نے قطعی انداز میں کہا۔ "اور جہاں تک بات ہے زیور کی تو وہ میں نے عرشہ کے لیے بنوایا ہے۔ باقی فاطمہ کے لیے جو مجھ سے بن پڑا۔۔۔ میں کروں گی۔" مضبوط لہجے میں کہہ کر عادلہ اپنے گھر چلی گئیں۔

حمیداں کو پتنگے لگ گئے۔ سبزی کی ٹوکری ایک طرف پٹخ دی۔ اندر کا ابال اس وقت نکلا جب عرشہ مریم اور فاطمہ بازار سے آئیں۔

"امی! کیا ہوا ایسے کیوں لیٹی ہیں! سبزی بھی نہیں بنائی۔" فاطمہ نے انہیں یوں لیٹے دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا۔ حمیداں نے اپنی گیلی آنکھیں دوپٹے سے صاف کیں اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"تائی جان! آپ رو رہی ہیں۔" حیران حیران سی عرشہ ان کے پاس بیٹھی تو وہ پھپک پھپک کر رو دیں۔

"ہاں اب میری یہی اوقات ہے کہ تمہاری ماں یوں میری بے عزتی کر جائے۔ وہ پڑھی لکھی عقل مند عورت میں جاہل ان پڑھ۔ میرا اس کا مقابلہ کیا؟"

مریم نے طویل سانس لے کر شاپر اٹھائے اور اندر رکھنے چلی گئی۔ اسے ماں کے واویلے سے کوئی مطلب نہ تھا۔

"پتا تھا کہ بیٹی بیاہنی ہے' پر گھر کے خرچوں نے سر ہی کہاں اٹھانے دیا۔"

"آخر ہوا کیا؟ امی نے آپ سے کچھ کہا۔" عرشہ ان کے گرد بازو لپیٹ کر پوچھنے لگی۔

"اس نے کیا کہنا ہے' غلطی میری تھی۔ جو اپنا سمجھ کر اس سے مدد مانگنے بیٹھ گئی۔ اتنا ہی تو کہا تھا کہ عرشہ کے لیے بنایا زیور فاطمہ کو دے دو۔ ثوبان نے کہا تھا۔ جب عرشہ کی باری آئے گی تو ہم اتنا ہی بنوا دیں گے۔ بس ہتھے سے اکھڑ گئی کہ آپ نے یہ بات کی تو کیوں؟"

ان کے آنسو عرشہ شرمندہ شرمندہ سی اپنی دوپٹے سے صاف کرنے لگی جبکہ فاطمہ کو ماں کی اس حرکت پر غصہ آ گیا تھا۔

"آپ کو کیا ضرورت تھی چچی سے یہ بات کرنے کی۔۔۔ جو ہے' بنتا ہے کافی ہے۔ یوں مانگ تانگ کر تو رخصت نہ کریں۔" فاطمہ کو ماں کی حرص و ہوس سے بخوبی آگاہی تھی تب ہی ان سے الجھنے لگی۔

"فاطمہ آپی! اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ امی کو یوں انکار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ زیور آپ نے پہنا یا میں نے' کیا فرق پڑتا ہے۔" عرشہ نے آہستگی سے کہا۔ اس سے حمیداں کے آنسو برداشت نہیں ہو رہے تھے۔

"عرشہ! یہ بات نہیں ہے۔ چچی نے ہمیشہ ہمارے لیے بہت کیا ہے۔ مگر اس۔۔۔"

"تو چپ رہ فاطمہ! میری بچی۔۔۔" حمیداں نے عرشہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "آخر اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے۔۔۔ پر کیا کریں۔ ہمارے نصیب ہی ایسے ہیں۔ نبیلہ ہی سال بھر ٹھہر جاتی تو ہم بھی کچھ نہ کچھ بنا لیتے۔"

"آپ فکر نہ کریں تائی امی! میں امی سے خود بات کروں گی۔ وہ میری بات بھی نہیں ٹالیں گی۔ آخر وہ زیور میرا ہی ہے۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں عرشی! امی تو خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہیں۔ عادلہ چچی نے وہ زیور نہ بنایا ہوتا' تب بھی میری شادی ہونا ہی تھی۔" فاطمہ نے قطعی انداز میں کہا اور باقی شاپنگ بیگ اٹھانے لگی جو مریم چھوڑ گئی تھی۔۔۔ ساتھ ہی موضوع بدلا۔

"آئیں امی! آپ کو شاپنگ دکھاؤں۔"

"میں گھر جاتی ہوں۔" عرشہ کھڑی ہو گئی۔ حمیداں نے چور نظروں سے فاطمہ کو دیکھا۔ اس کے اندر جانے کے بعد چپکے سے بولیں۔

"تم بات ضرور کرنا۔"

"جی آپ فکر نہ کریں۔" عرشہ نے تسلی دی۔

گھر آئی تو عادلہ بھی منہ سر لپیٹے پڑی تھیں۔ سوئی ہوئی تھیں یا یونہی لیٹی تھیں۔ عرشہ نے بھی بات نہیں کی۔ بس ادھر ادھر پھرتی رہی۔ عادلہ نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ یونہی کروٹ پر کروٹ بدلتی رہیں۔ عرشہ کی اپنی بھوک مر گئی تھی۔ عشاء کی اذان سے ذرا پہلے وہ اٹھیں۔

"تم نے کھانا کھا لیا؟"

"بھوک نہیں ہے۔" وہ کھلی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ جہاں چاند دھیرے دھیرے بادلوں میں چھپتا جا رہا تھا۔ روئی کی سفید پھٹکیوں جیسے بادل سیاہ آسمان پر پھیلتے جا رہے تھے۔ ہوا میں نمی اور خنکی بڑھ رہی تھی۔

"میں نے دوپہر میں بھی نہیں کھایا تھا۔ جاؤ' چاول گرم کر کے لے آؤ۔" انہوں نے نرمی سے کہا تو وہ دل ہی دل میں جھنجلاتے ہوئے کچن میں گئی۔۔۔ چاول گرم کر کے لے آئی۔ حسب عادت نہ رائتہ بنایا' نہ سلاد۔

"تمہاری تائی نے بہت ہی عجیب بات کی۔ روپیہ پیسہ' کپڑے' جوتے لے کر دینا اور بات ہے مگر اس طرح۔۔۔ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ ابھی ابھی خود کلامی کیے گئیں۔

"امی! اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔" عرشیہ نے آہستگی سے کہا۔

عادلہ نے چونک کر بیٹی کا منہ دیکھا اور چمچ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"ابو کی ڈیتھ کے بعد ہر مشکل گھڑی میں انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔"

"عرشیہ! تم کچھ نہیں جانتیں۔۔۔ صرف اس لیے کہ میں نے بھی تمہیں بٹھا کر وہ سب نہیں بتایا جو مجھ پہ بیتا۔ تمہارے ابو کی ڈیتھ سے پہلے اور بعد میں جو کٹھن وقت میں نے گزارا۔۔۔ یہ میں ہی جانتی ہوں۔۔۔ لیکن میں نے تمہیں ان گھریلو سیاستوں سے دور رکھا۔۔۔ صرف اس لیے کہ تم سگے رشتوں سے نفرت محسوس نہ کرنے لگو۔۔۔ میں نے ان سب کے لیے بہت کچھ کیا ہے لیکن اب میرے پاس کچھ نہیں بچا۔ میں زیور دے کر اپنے ہاتھ پاؤں نہیں تڑوا سکتی۔ مجھے تمہاری شادی بھی کرنا ہے۔۔۔ اور میرے پاس کوئی قارون کا خزانہ نہیں۔" عادلہ بولتی چلی گئیں۔

"امی! مجھے اس زیور کی ضرورت نہیں۔ بس آپ فاطمہ آپی کو دے دیں۔"

عادلہ کچھ لمحے بول ہی نہ سکیں۔ انہیں اچانک احساس ہوا ان سے بھول ہو گئی ہے۔ انہیں عرشیہ کو ان تمام حالات سے بے خبر نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اب وہ اسے کچھ بتاتیں تو وہ بھی یقین نہ کرتی۔

"تمہیں اس معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ میں جس طرح مناسب سمجھوں گی۔ ہینڈل کر لوں گی۔"

"امی! آپ۔۔۔ آپ بہت سیلفش ہیں۔"

وہ غصے سے کہہ کر چلی گئی اور۔۔۔ عادلہ بس بیٹی کے تیور دیکھتی رہ گئیں۔ وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی اور اسے بیوہ ماں سے زیادہ دوسروں کا خیال تھا۔ ان کا کھانے سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ پلیٹیں اٹھا کر کچن میں رکھ آتیں۔۔۔ ایک طرف کر کے وہیں لیٹ گئیں۔ انہیں وہ سارے تلخ لمحے یاد آنے لگے جو اس گھر میں گزرے تھے۔ حمیداں پہلی بہو اور ان کے خاندان کی تھیں۔۔۔ سو معتبر ٹھہریں۔۔۔ اور عادلہ کی تعلیم' ذہانت اور سلیقہ ہی ان کے لیے طعنہ بن گیا۔ حسد کی آگ میں وہ لوگ خود ہی نہیں جلے' عادلہ کو بھی جلا ڈالا۔۔۔ آخر عرشیہ کے ابو کو ہی احساس ہوا تو گھر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

یہ قصور بھی عادلہ کے کھاتے میں ڈالا گیا۔ جب تک ساس سسر زندہ رہے۔ زور اور دھونس سے ان کی تنخواہ نکلوا لیتے۔۔۔ جب نہیں رہے تو حمیدہ نے پینترا بدلا اب وہ یہی کام مختلف طریقوں سے کرنے لگی تھیں۔ عادلہ ان سب کی خود غرض اور مطلب پرست فطرت سے بخوبی آگاہ تھیں تب ہی عرشیہ کو ان کے حوالے کرنے سے ڈرتی تھیں۔

ثوبان اچھا لڑکا تھا مگر عادلہ کو اس کی شارٹ کٹ استعمال کرنے کی عادت بری لگتی ہے۔ ایسے لوگ اپنے فائدے کے لیے دوسروں کو دھوکا دے کر راستے میں چھوڑ جایا کرتے ہیں۔ وہ اکثر عادلہ کے پاس بیٹھ کر اپنے مستقبل کی پلاننگ کرتا اور اس کے خواب اتنے اونچے تھے کہ عادلہ کو خوف آنے لگتا۔ وہ بہت

بہت جلد پانے کی خواہش رکھتا تھا اور عادلہ سمجھتی تھیں کہ ایسے لوگ منزل پر پہنچ کر بھی نا آسودہ ہی رہتے ہیں۔

"یا اللہ! ہمیں صحیح اور غلط کا شعور عطا فرما۔"

☼ ☼ ☼

عرشیہ ماں کے پاس سے اٹھ کر تائی کی طرف چلی گئی۔ کمرے میں ٹی وی چل رہا تھا۔ سب اندر تھے بیٹھک کا دروازہ بھی بند تھا اور اوپر کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ آہستگی سے اوپر چلی گئی۔ ثوبان سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ اپنی دھن میں اندر آئی مگر ٹھٹک کر رکنا پڑا۔۔۔ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے ابرار کو دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو گئی۔۔۔ یہ تو پتا تھا کہ کوئی مہمان بیٹھک میں تایا کے پاس ٹھہرا ہے مگر یہ نہیں پتا تھا کہ وہ بھی کبھی کمپیوٹر استعمال کرنے کے لیے ثوبان کے کمرے میں بھی آ جاتا ہے۔ ابرار بھی گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ۔۔۔"

"ثوبان کہاں ہے؟" عرشیہ کو بھی یوں منہ اٹھا کر چلے آنے پر ندامت سی ہوئی۔

"پتا نہیں۔" ابرار نے کہا تو وہ تیزی سے واپس پلٹ گئی۔

"تو یہ ہے؟ وہ خبطی سی لڑکی۔ مگر یوں رات کو اس طرح کسی لڑکے کے کمرے میں آنا تو مناسب بات نہیں۔"

وہ سوچتا ہوا دوبارہ بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

ثوبان فریج سے پانی کی بوتل نکال رہا تھا۔ روٹیاں پکاتی حمیداں بڑبڑانے لگیں۔

"کچھ زیادہ ہی دماغ اونچا ہے اس عادلہ کا۔۔۔ کمی کیا ہے میرے بیٹے میں مگر اس کی تو اڑان ہی کچھ اور ہے۔"

"کیا ہوا اماں؟" اس نے ریک سے گلاس اٹھاتے

پوچھا۔

"ہونا کیا ہے؟ عادلہ نے عریشہ کے لیے تیرے رشتے سے انکار کردیا ہے۔" حمیداں کا انداز ہی ایسا لٹھ مار ہوتا تھا کہ اگلا بندہ ایک بار تو ضرور ہی تو کھا جائے ۔۔۔ ثوبان بھی حیران ہو کر ماں کا منہ دیکھنے لگا۔

"ہاں تو کیوں نہ کرے گی۔ گھر عریشہ کا "وکان عریشہ کی" وہ تو جائیداد والی ہے ۔۔۔ اس کے لیے کوئی اونچا رشتہ ہی ڈھونڈے گی۔ ہمیں تو ویسے ہی کسی کھاتے میں نہیں رکھتی۔ ہم تو اسے جاہل دکھتے ہیں پر ثوبان! تجھ میں کیا کمی تھی ۔۔۔ تیرے جتنی جماعتیں تو اس پورے خاندان میں کسی نے نہیں پڑھیں۔"

"اماں! تمہیں ضرورت کیا تھی ابھی رشتے کی بات کرنے کی۔" ثوبان نے جزبز ہو کر کہا اور مجھے کوئی لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے ۔۔۔ میرے ڈپارٹمنٹ کی ایک سے ایک لڑکی مجھ سے شادی کے خواب دیکھ رہی ہے۔"

"ہاں تو کیوں نہ دیکھے میرا بیٹا شہزادہ ہے شہزادہ۔ عادلہ تو ناشکری ہے۔ اس کی اولاد ہے اس کی مرضی مگر مجھے تو عریشہ کا خیال تھا ۔۔۔ بے چاری لڑکی۔"

حمیداں نے تاسف سے روٹی توے پر ڈالی۔

"اچھا چھوڑ۔ یہ اس لڑکے کے لیے بھی روٹی لے جانا۔ یہ مفت کی مصیبت نجانے کب تک گلے پڑی رہے گی۔"

"خود ہی دے دینا ۔۔۔ میں جارہا ہوں۔" وہ بیزاری سے بوتل اور گلاس لے کر اوپر چلا گیا۔

"ہاں میں نوکر لگی ہوں ۔۔۔ مریم او مریم!" وہ بڑبڑاتی ہوئیں مریم کو آوازیں دینے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"اتنی محنت کرو گے تو پاگل ہو جاؤ گے ۔۔۔ سارا دن نوکریاں کرتے ہو، رات رات بھر پڑھائیاں کرتے ہو ۔۔۔ انسان ہو یا جن ۔۔۔ تمہیں نیند نہیں آتی ۔۔۔"

ثوبان الجھ کر پوچھ رہا تھا۔ ابرار نے کتاب بند کر کے اپنے اکڑے ہوئے وجود کو ڈھیلا چھوڑا۔

"مجبوری ہے ثوبان بھائی! اب گاؤں میں میرے ابا تو بیٹھے نہیں جو میری فیس بھریں گے۔ خود مجھے ہی پیسے جمع کرنے ہیں۔"

"چچا تو ہے نا ۔۔۔ ان ہی کو قابو کرلیا ہوتا۔" ابرار ہنس دیا۔

"اس کی پاداش میں مجھے ان کی بیٹی سے شادی کرنا پڑتی۔"

"تو کرلیتے ۔۔۔" ثوبان نے لاپروائی سے کہا۔

"جی، اور ایک بد زبان لڑکی کو ساری عمر کے لیے گلے کا ہار بنا لیتا۔"

"ساری عمر کے لیے نہ بناتے، وقتی طور پر سہی۔"

"کیا مطلب؟" ابرار نے الجھ کر ثوبان کو دیکھا۔

"او بے وقوف لڑکے ۔۔۔ یہ زندگی ہے یہاں سیدھے رستے پر چلو تو منزل دور بہت دور چلی جاتی ہے یار! شارٹ کٹ مارنا سیکھو۔ شادی کرلو اس سے چچا تمہیں جی بھر کر سپورٹ کریں گے۔ جب جاب مل گئی کسی منزل پر پہنچ گئے تو اپنی مرضی سے شادی کرلینا۔"

"اچھا پھر اس لڑکی کا کیا ہوگا؟"

"طلاق دے دینا ۔۔۔ یا وہیں گاؤں میں چھوڑ دینا سمپل ۔ یہ لڑکیاں بہت بے وقوف ہوتی ہیں۔ ذرا پیار کا جھانسا دو ۔۔۔ یوں۔" اس نے چٹکی بجائی۔ "یوں مٹھی میں آتی ہیں ۔۔۔ بس بندے کو فائدہ اٹھانے کا ہنر آنا چاہیے۔"

ابرار نے بے حد افسوس اور دکھ سے ثوبان کو دیکھا۔ اسے لگا تھا ثوبان باقی گھر والوں سے مختلف انسان ہے۔

"اپنے فائدے کے لیے کسی لڑکی کی زندگی برباد کرنا ۔۔۔ اس کے احساسات و جذبات سے کھیلنا خود غرضی نہیں ہے؟"

"اب اپنا مقصد پانے کے لیے اتنی سی خود غرضی تو جائز ہے۔"

"میرے نزدیک تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔"

"تو بیٹا! پڑا رہ پھر گناہ ثواب کے چکروں میں۔" ثوبان نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ "تم جیسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔"

"شاید ۔۔۔" ابرار نے کندھے اچکا دیے۔ اس کا دل چاہا، وہ ثوبان سے پوچھے کیا وہ عریشہ کو بھی استعمال کر رہا ہے مگر جھجک گیا۔ وہ بڑا ابھی مان سکتا تھا۔ ثوبان وہاں سے نکل کر صحن میں ٹہلنے لگا تھا۔

ابرار کا دل پڑھائی سے اچاٹ سا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"کیسا ہے بلو! تو ٹھیک تو ہے گھر والے تیرا خیال تو رکھتے ہیں۔" جمیلاں بلو کی آواز سن کر رونے لگی تھی۔ ماسٹر صاحب نے دلسوزی سے اسے دیکھا اور باہر نکل گئے تاکہ وہ کھل کر بات کر سکے۔

"جی اماں! میں بالکل ٹھیک ہوں ۔۔۔ کیوں فکر کر رہی ہیں ۔۔۔ نہ یہ شہر میرے لیے اجنبی ہے، نہ میں شہر والوں کے لیے۔" وہ ہنسا۔ اس کی ہنسی نے ماں کے جلتے بلتے دل پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیے۔

"مجھے ایک جگہ نوکری بھی مل گئی ہے اور کچھ ٹیوشنز بھی۔"

"تو پھر پڑھتا کس وقت ہے؟"

"رات کو۔"

"اتنی مشکل پڑھائی راتوں کو جاگ جاگ کر کیسے کرتا ہے۔" جمیلاں کے دل پر گھونسا پڑا۔

"اماں! آپ میری فکر نہ کریں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس اپنا خیال رکھا کریں ۔۔۔ چاچی کی باتوں کو زیادہ دل پر نہ لینا۔ بس پانچ سال کی بات ہے پھر ہم شہر میں اپنا گھر بنائیں گے۔"

"اچھا برکت بھائی کو میرا سلام دینا اور بھرجائی حمیداں کو بھی۔"

"جی اماں ۔۔۔ دے دوں گا۔"

جمیلاں نے بجھے بجھے دل سے فون رکھا اور وہیں بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد ماسٹر صاحب کھنکارتے ہوئے اندر آئے تو وہ دوپٹے سے آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"چلتی ہوں ماسٹر صاحب!" ماسٹر صاحب نے آہستگی سے اپنا ہاتھ جمیلاں کے سر پر رکھا۔

"تیرے آنسو اس کا رستہ کھوٹا کریں گے اس کے لیے دعا کیا کر۔ دعائیں رب کی مہربانی سے تاریک رستوں کو بھی روشن کرتی ہیں۔"

"دکھ اسی بات کا ہے ماسٹر جی! اس کے باپ کے حصے میں اتنی زمین تو آتی تھی کہ اس کا پتر سکون سے پڑھ سکتا ۔۔۔ اب کیسے غیروں کے گھروں میں دھکے کھاتا پھر رہا ہے۔"

"میں نے اصغر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی ۔۔۔ پر وہ ۔۔۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اصغر کے منہ میں کبری کی زبان ہے اور وہ تو یہی چاہے گی کہ بلو بس دھکے ہی کھاتا رہے۔"

"ابرار میں بڑا حوصلہ اور مستقل مزاجی ہے۔ تم دیکھنا بہت آگے جائے گا۔ بس اللہ اسے سیدھے رستے پر رکھے۔"

"آمین ۔۔۔" وہ بوجھل دل کے ساتھ باہر نکل گئی۔ گاؤں کی اداس سنسان گلیوں سے گزرتے اس کا دل بھی خالی ہوتا جارہا تھا۔ اسے لگا وہ بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ گھر بھی وہ کہ جس کی طرف قدم ہی نہ اٹھتے تھے۔

وہ اپنے تھکے ہارے وجود کو لے کر ایک گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"یا اللہ! سر کا سائیں سر پر نہ رہے تو عورت اتنی بے سہارا کیوں ہو جاتی ہے۔"

دوسرے پل اس نے خود ہی اپنے خیالات پر لعنت بھیجی۔

"بے سہارا کیوں؟ میرے پاس میرا بلو جو ہے ۔۔۔ ابھی تو میرے جینے کی آس باقی ہے ۔۔۔ پھر میں کیوں حوصلہ چھوڑ رہی ہوں۔ بلو گھر بنائے گا، شادی کرے گا۔ اس کے بچے ہوں گے ۔۔۔ یا اللہ! میرے بلو کو اپنی

حفاظت میں رکھنا۔ اس کے سارے خواب پورے کرنا۔"

وہ پھر سے بہل گئی۔

خالی ہوتا دل پھر سے امنگوں اور خواہشوں سے بھر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دیوار کی دوسری طرف ثوبان کی آواز اتنی بلند تھی کہ صحن میں ٹیسٹ کی تیاری کرتی عریشہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔

"اتنا مبارک کام ہے مگر ہماری بے جا خواہشوں اور نمائش کی عادت نے اسے زحمت بنا دیا ہے۔"

وہ بیزاری سے کہہ کر سبزی کی ٹوکری اٹھا کر اندر چلی گئیں۔ عریشہ نے پہلی بار ثوبان کی اتنی اونچی آواز سنی تھی' ورنہ وہ ہمیشہ بہت سبھاؤ اور تحمل سے بات کرتا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور درمیان والا دروازہ عبور کر گئی۔ ثوبان ماں سے الجھ رہا تھا۔

"آپ یہ کیسے کر سکتی ہیں۔۔۔ مجھے وہ پیسے ابھی چاہئیں۔"

"کہہ دیا نا۔۔۔ کوئی پیسہ نہیں' جو تھا شیارے کو دے آئی ہوں۔" حمیداں نے بے نیازی سے ہاتھ ہلایا۔ گویا ثوبان کی ناراضی یا غصے کا ان پر کوئی اثر نہیں۔ وہ بڑے اطمینان سے بال کھولے' تیل کی شیشی ہاتھ میں پکڑے سر میں مالش کی تیاری کر رہی تھیں۔

"آپ کو پتا تھا۔۔۔ وہ پیسے میرے فائنل سمسٹر کی فیس کے تھے۔"

"تو میں کیا کروں۔۔۔ بس پندرہ دن رہ گئے ہیں شادی میں۔۔۔ اب جہاں سے بندوبست ہوتا ہے کر لے۔"

"کہاں سے کروں' چوری کروں' ڈاکہ ڈالوں؟ اس منحوس زیور کے بغیر فاطمہ کی شادی نہ ہونا تھی۔"

"جو مرضی آئے کر۔۔۔ میں نے لڑکی کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کرنا۔"

"میں خودکشی کر لوں گا۔"

"دشمنوں کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ خزانے دبا کر بیٹھے ہیں۔ پر برے وقت میں کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ کھانہ جاتی۔۔۔ تیری چچی سے ادھار مانگا تھا۔ ٹکا سا جواب دے کر چلتی بنی۔ لو اور سنو' لڑکی بھی گھر کی' زیور بھی گھر کا' ہم دو کپڑوں میں نکاح کر لیتے پر۔"

"اماں! میں کچھ نہیں جانتا' مجھے میرے پیسے چاہئیں۔" وہ غضب ناک ہوا۔

"تم کون سا کما کر لایا تھا؟" حمیداں نے ہاتھ نچایا۔

"میں دیکھ لوں گا۔۔۔ اس شادی میں نہیں آؤں گا۔" ثوبان غصے سے کہہ کر پلٹا۔ سامنے کھڑی عریشہ کو دیکھ کر ٹھٹکا' پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔۔۔ اس کی آخری شکوہ بھری نگاہ عریشہ کے اندر گڑ کر رہ گئی۔

حمیداں نے عریشہ کو دیکھا' پھر تیل کی شیشی نیچے رکھ دی۔

"اب کھڑی کیا دیکھ رہی ہے عرشی! جا اپنی ماں سے کہہ دے۔۔۔ اگر میرے بیٹے نے کچھ کر لیا تو اس کا ذمہ عادلہ کے سر ہو گا۔"

عریشہ نے دل کر بیٹھنے پر ہاتھ رکھا۔

دوسری طرف صحن میں کھڑی عادلہ نے بھی ایک ایک حرف سنا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ان کی چیز ہے' وہ دیں نہ دیں۔ اس میں انہیں اتنا مجبور کیوں کیا جا رہا ہے۔

"کاش میں زیور نبیلہ کے پاس رکھوا دیتی یا ابھی بنواتی ہی نہیں۔۔۔ نبیلہ نے منع بھی کیا تھا کہ بڑی بھابھی کو خبر نہ ہونے دینا۔"

عریشہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ ماں بیٹی کی نظریں ٹکرائیں۔ عادلہ کو بیٹی کی نگاہوں میں شکوہ ہی شکوہ دکھائی دیا۔ عریشہ بنا کوئی بات کیے اندر چلی گئی۔ عادلہ دل مسوس کر رہ گئیں۔

عریشہ کی سماعتیں ساری رات گھر کی دہلیز پر سو رہی رہیں۔ مگر ثوبان واپس نہیں آیا۔ وہی رات نہیں' وہ اگلے دو دن تک گھر نہیں آیا تھا۔ حمیداں اٹھتے بیٹھتے آہیں بھرتیں' جنہیں سن سن کر عریشہ ذہنی طور پر سخت

اپ سیٹ ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ساری ساری رات پڑھتا رہتا ہے۔ کبھی آنکھ بھی جھپک لیا کر۔" برکت حسین سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ابرار کو دیکھ کر ٹوکے بنا نہ رہ سکے۔ چند دنوں میں انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکا بہت ذہین اور محنتی ہے۔

ابرار نے کتابوں سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور مسکرا دیا۔

"دن بھر کہاں غائب رہتے ہو؟"

"ایک کمپنی میں جاب کر رہا ہوں۔ ایک دو ٹیوشنز بھی شروع کی ہیں۔"

"کیا تمہارے چاچا نے اب بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔" انہوں نے ٹانگوں پر کمبل کر لیا۔

"وہ اب میری مدد کیوں کریں گے؟" ابرار آہستگی سے ہنسا۔

"اچھا۔۔۔ چل ٹھیک ہے' ماں کی خیر خبر تو لیتا رہتا ہے نا؟"

"جی۔" ابرار نے مختصر کہا۔ اس نے ایک دو بار ماسٹر صاحب کو فون کر کے ماں کا پوچھا تھا۔ ماسٹر صاحب نے وعدہ کیا تھا۔ جب بھی جمیلہ آئی وہ اس کی بات کروا دیں گے۔ ابرار اب اسی فکر میں تھا کہ کچھ پیسے ہاتھ لگیں تو ایک سستا سا موبائل ہی خرید لے۔ ایک بار کے بعد ماں سے بات ہی نہ ہوئی تھی۔

"اوپر ثوبان کے کمرے میں بیٹھ کر پڑھ لیا کر' خالی ہی ہوتا ہے۔"

وہ شاید لائٹ سے ڈسٹرب ہو رہے تھے۔ ابرار خاموش ہو گیا۔ ثوبان کا مزاج وہ سمجھ گیا۔ موڈ اچھا ہوتا تو اس سے دوستوں کی طرح برتاؤ کرتا' نہ ہوتا تو اکھڑ مزاج ہو جاتا۔۔۔ ابرار سب دیکھتے سمجھتے نظر انداز کر رہا تھا کہ وہ فی الحال ہاسٹل کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف یونیورسٹی کی فیسوں نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

وہ خالی ہاتھ تھا' نا امید نہیں۔۔۔

مشکل تھا' ناممکن نہیں۔

اگر اللہ نے چاہا تو کوئی نہ کوئی سبب ضرور بنا دے گا۔

یہ اس کا یقین تھا۔

اپنی سوچوں میں گم ابرار کو لگا' دروازے کے پاس سے کوئی سایہ سا گزرا ہے۔ اس نے برکت حسین کو دیکھا' وہ آنکھیں موندے لیٹے تھے۔ کسی خیال کے تحت وہ باہر نکل آیا۔

سیڑھیاں چڑھتی عریشہ کو دیکھ کر اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"یہ لڑکی کس راہ پر چل رہی ہے۔"

اس نے ڈیوڑھی کے کھلے دروازے پر نگاہ دوڑائی۔

"کیا اس کی ماں اتنی ہی بے خبر ہے۔"

دل بوجھل سا ہو گیا۔ اس نے واپس آ کر کتابیں کھول لیں مگر دھیان سیڑھیوں کے آس پاس بھٹک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ثوبان اوندھا لیٹا جاگ رہا تھا۔ اس کے قریب میز پر کھانا جوں کا توں پڑا تھا۔۔۔ آج وہ پورے تین دن کے بعد گھر لوٹا تھا۔

"ثوبان۔۔۔" عریشہ کی آواز پر وہ چونکا' مگر سیدھا نہیں ہوا۔ بلکہ بیزاری سے پوچھنے لگا۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟"

"یہ پوچھنے آئی ہو؟" وہ سیدھا ہوا۔

"اتنے دنوں سے کہاں تھے؟"

"عرشی! پلیز جاؤ' میں اس وقت کسی سوال جواب کے موڈ میں نہیں۔" وہ بیزاری سے بولا۔

"آپ پریشان ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ ہوں۔۔۔ تو۔۔۔ تو کیا کر سکتی ہیں مس عریشہ آپ میرے لیے؟" اس کے لہجے سے چھلکتا طنز عریشہ کو شرمندہ کر گیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ سو پلیز لیو می الون۔۔۔ یہ سوال

جواب کرکے مجھے پریشان نہ کرو۔"

"میں تو صرف۔" ثوبان کے لہجے نے اسے بری طرح مجروح کیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"فار گاڈ سیک عرشہ!" وہ جھٹکے سے کھڑا ہوا۔ "اب یہ ڈراما مت شروع کردینا۔ میری جان پر بنی ہے۔ میرا کیریر داؤ پر لگا ہے۔ چار دن میں پیسوں کا بندوبست نہ ہوا تو میری برسوں کی محنت ضائع جائے گی۔ میرے خواب ملیامیٹ ہوجائیں گے مگر کسی کو کیا پروا۔ یہاں سب اپنی اپنی غرض کے بندے ہیں۔ اماں کو اپنی بیٹی پیاری ہے اور تمہیں اپنا زیور۔"

عرشہ دنگ رہ گئی۔

"مجھے آپ کی پروا ہے ثوبان!"

"جاؤ عرشی۔ پلیز۔ خالی خولی دعوے مت کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

ثوبان نے بیزاری سے ہاتھ اٹھایا۔ عرشہ نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میری محبت صرف دعوا نہیں ہے ثوبان!"

"رئیلی؟" ثوبان استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"ہاں۔ اور یہ میں ثابت بھی کردوں گی۔"

وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

ڈیوڑھی کا دروازہ بند ہونے کی آواز پر ابرار نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔

☼ ☼ ☼

عادلہ نے سخت نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا۔

"کہاں تھیں؟"

"کہاں ہوں گی۔ تائی کے پاس تھی۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر اپنے بستر پر بیٹھی۔

"اس وقت؟"

"اب وہاں جانے کے لیے بھی مجھے وقت دیکھنا پڑے گا۔" اس کے لہجے سے چھلکتی بدتمیزی نے عادلہ کو ایک لمحے کے لیے گنگ سا کردیا۔

"یقیناً"۔

"آپ نے پہلے تو کبھی نہیں روکا۔"

"غلطی کی۔ مجھے روکنا چاہیے تھا۔"

"اب دیر ہوگئی ہے۔" عرشہ لیٹ گئی۔

"عرشی! میری بات سنو۔" عادلہ نے سختی سے کہا۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ کروٹ بدل گئی۔

عادلہ کچھ لمحے اسے غصے اور بے بسی سے دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ڈھولک رکھ لی گئی تھی۔ بانو اور ساجدہ بھی اپنی کل اولاد کے ساتھ آگئیں۔ آنے بہانے چونچیں لڑاتی رہتیں۔ وجہ کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ حمیداں کا موڈ بڑا خوشگوار تھا اور عادلہ کے ساتھ رویہ شہد بھرا۔

"شکر ہے۔ ان کا دھیان تو بٹا۔ اللہ جانے کس نے سمجھایا ہے۔"

عادلہ کی بات پر عرشہ نظریں چرا جاتی۔

درمیان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا۔ بانو ساجدہ کے بچے دونوں صحنوں میں دوڑیں لگاتے رہتے۔ مریم بڑبڑاتی رہتی۔

"ضرورت کیا تھی اتنے دن پہلے آنے کی۔"

"خاموش رہو۔ آپا سن لیں گی۔" فاطمہ نے ٹوکا۔

اس کا آج کل کچن میں جانا بند تھا۔ سارا بوجھ مریم پر آگیا تھا سو وہ جھنجلائی رہتی۔

"تو سن لیں۔ روٹیاں پکا پکا کے میری کمر رہ گئی۔ اب بیسن کے حلوے کی فرمائش۔ گویا اپنے گھروں سے فاقے کرتی آئی ہیں۔ میں تو صاف انکار کرکے آگئی۔"

"اچھا اسی لیے بانو آپی کا موڈ خراب ہے۔" عرشہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"ہوتا رہے۔" وہ آرام سے لیٹ گئی۔

"فاطمہ آپی! آپ تیار ہوجائیں۔ ہمیں پارلر جانا ہے۔ پھپھو نے سارا انتظام کروادیا ہے۔ ان کی گاڑی ہمیں لینے آرہی ہے۔"

"میں بھی فیشل کرواؤں گی۔"

"ہاں۔ مگر اپنے خرچے پر۔" عرشہ آرام سے کہہ کر کچن میں آگئی۔ جہاں حمیداں بیسن کا حلوہ بھون

رہی تھیں۔

"آگئی میری بیٹی۔"

"حلوے کی خوشبو کھینچ لائی۔" وہ ہنستے ہوئے پاس بیٹھی۔

"ڈھیر سارا میوہ بھی ڈالا ہے۔ لے ذرا چکھ۔" انہوں نے پلیٹ میں تھوڑا سا نکالا۔

"تائی امی! میری عادتیں خراب مت کریں۔"

"سو واری صدقے، جس گھر میں تیرے جیسی بیٹی ہو۔ اس گھر کے تو نصیب ہی سنور جائیں گے۔"

"اچھا ایسا کر، یہ اوپر ثوبان کو بھی دے آ۔ ورنہ یہ بچے ابھی سارا چٹ کر جائیں گے۔"

"اماں! ساری فکریں ثوبان کی کرنا۔ تجھے کبھی میرا خیال نہیں آیا۔" نعمان نے اندر آتے ہوئے کہا تو عرشہ ہنس دی۔

"تو اپنا خیال خود جو رکھنے لگا ہے۔" حمیداں نے طنز سے کہا۔

"خیر ہے اماں! آج کل مجھ پر بڑا غصہ ہے تجھے۔"

عرشہ پلیٹ اٹھا کر باہر آگئی۔ نعمان کا سارے گھر پر ہی رعب تھا۔ عرشہ نے بھی کبھی اس سے کھل کر بات نہیں کی تھی۔

ثوبان اسے دیکھ کر مسکرادیا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ گویا کہیں جانے کی تیاری تھی۔ وہ مڑا اور ہلکا سا اسپرے اس پر بھی کردیا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کررہا تھا۔"

"ضروری تو نہیں، میں اوپر آتی۔" وہ ناز سے مسکرائی۔

"محترمہ! ہم آپ کی رگ رگ سے واقف ہیں۔"

"وہ تو تائی امی نے حلوہ دے دیا کہ آپ کو دے آؤں۔"

"ہاں! ورنہ آپ نے کہاں اوپر آنا تھا۔"

دونوں ایک ساتھ ہنس دیے۔ ثوبان نے پلیٹ ایک طرف رکھ دی۔

"مجھے یہ ہیوی چیزیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"

"اسی لیے اتنے اسمارٹ ہیں۔" وہ کہہ کر مڑنے لگی۔ ثوبان نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

"یہ بات میری طرف دیکھ کر کہو۔"

"جی نہیں۔" اسے شرم سی آنے لگی۔ ثوبان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"عرشہ! تم بہت اچھی ہو۔ بہت پیاری۔ اور بہت کیئرنگ بھی۔"

"اور؟"

"اچھا تو اپنی تعریفیں سننے کا موڈ ہو رہا ہے۔" ثوبان نے چھیڑا۔

"جی نہیں۔" وہ خجل سی ہوکر ہاتھ چھڑانے لگی۔

"ثوبان بھائی! آپ کو۔" ابرار ٹھٹک کر دروازے میں رکا۔

ثوبان نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ عرشہ شرمندہ سی ہوکر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"ماموں بلا رہے ہیں۔" ابرار نے سنجیدگی سے پیغام دیا اور پلٹ گیا۔

ثوبان نے کچھ زیادہ محسوس نہیں کیا تھا۔ جبکہ عرشہ نیچے جاکر بھی بہت دیر تک اپنی شرمندگی کو تلملاہٹ میں چھپاتی رہی۔ یہاں تک کہ پھپھو کی گاڑی آگئی اور اسے فاطمہ کے ساتھ پارلر جانا پڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

نبیلہ کو جب ابرار کے بارے میں پتا چلا تو بہت اصرار سے اسے کھانے پر بلایا تھا۔ اب کھانے کے بعد چائے پیتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی پرانی یادیں تازہ کررہی تھیں۔

"جب ہم لوگ گلی میں تھے تو میری اور جمیلہ کی بہت دوستی ہوتی تھی۔ پھر ہم لوگ تو جلدی شہر میں شفٹ ہوگئے۔ بہت روئی تھی میں بھی اور جمیلہ بھی۔" ماں کے ذکر پر ابرار مسکرادیا۔

"تمہاری طرح اسے بھی پڑھائی کا بہت شوق تھا۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے اس نے اپنا شوق تمہارے اندر منتقل کردیا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ اسٹڈیز کے معاملے

میں جتنی سپورٹ اماں کی طرف سے ملی 'ابا کی طرف سے بھی نہیں تھی۔ ماسٹر صاحب کے گھر بھیجنے کے بعد خود چیک کرنے آتیں کہ میں بیٹھا پڑھ رہا ہوں۔ کہیں گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے تو نہیں نکل گیا۔"

"بس بیٹا! اس وقت ماحول ہی ایسا تھا۔ لڑکیوں کی پڑھائی کا تو تصور ہی نہیں تھا۔ میرے پڑھنے پر جو جو باتیں بنی میں بتا نہیں سکتی۔ اور چائے لاؤں؟"

"نہیں۔ بہت شکریہ۔ بہت اچھا لگا' آپ سے مل کر باتیں کرکے۔" ابرار کو وہ سلجھی ہوئی خاتون بہت اچھی لگی تھیں۔

"تمہیں وہاں بھائی صاحب کے گھر کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے، تم یہاں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے؟"

"جی شکریہ آنٹی! میں جلد ہی دوستوں کے ساتھ فلیٹ شیئر کر رہا ہوں۔ بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے۔"

"پھر بھی کسی بھی چیز کی ضرورت ہو۔ بالکل جھجکنا نہیں۔ خالہ سمجھ کر میرے پاس آنا۔ بلکہ مجھے بہت گلہ ہے کہ تم اتنا عرصہ شہر میں آتے رہے' لیکن کبھی مجھ سے ملنے نہیں آئے۔" ان کے لہجے سے چھلکتا خلوص ابرار کو متاثر کر گیا۔

"یہ میری کوتاہی ہے۔ ورنہ اماں نے تو کئی بار کہا تھا۔"

"بیٹا! ہمت مت ہارنا' مشکل وقت گزر جانے کے لیے ہوتا ہے۔" انہوں نے رسانیت سے کہا۔ ابرار نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میں نے محسن سے بھی کہا ہے۔ وہ تمہارے لیے کسی بہتر جاب کا بندوبست کروے گا۔"

"جی۔" ابرار نے کہا اور سر جھکا کر سوچنے لگا۔

اگر دنیا میں پرخلوص لوگ نہ ہوں تو ہم جیسوں کا کیا بنے۔ یہ میری سگی خالہ نہیں مگر ان کے انداز میں کتنی اپنائیت محسوس ہو رہی ہے۔

"اب کے گاؤں گئے تو جمیلہ کو ساتھ ضرور لانا۔" نبیلہ کہہ رہی تھیں۔

"جی ضرور۔" ابرار نے کہا۔ وہ اک خوبصورت شام گزار کر ٹیوشن پڑھانے چلا گیا۔ نبیلہ سے ملاقات نے اس کا ذہن ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازہ عائشہ نے کھولا تھا۔ نعمان کی بہت سی دعاؤں میں سے ایک دعا تو دروازے پہ ہی قبول ہو گئی۔

"السلام علیکم!" عائشہ مسکرائی تھی۔

"وعلیکم السلام! وہ خالہ ہیں گھر پر؟"

"اندر آجائیں۔" عائشہ نے دروازہ کھول دیا تو نعمان اندر آگیا۔ عائشہ نے دروازہ بند کیا۔

"آپ کیسی ہیں؟"

"اچھی ہوں۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔" نعمان کی زبان پھسلی۔ ساتھ ہی وہ خجل سا ہو کر گردن کھجانے لگا۔ عائشہ نے مسکراہٹ دبالی۔

"آپ اندر چلیں۔ میں چائے لاتی ہوں۔"

نعمان کو بیٹھک میں بٹھا کر ماں کو بتانے وہ کچن میں آئی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ اور گاجر کا حلوہ گرم کرکے لائی۔

"میں بھی کہوں تم نے اتنے دنوں سے چکر کیوں نہیں لگایا۔ بہن کی شادی میں مصروف تھے۔" آمنہ خاتون نے کہا۔ عائشہ نے چائے نعمان کے سامنے رکھی اور خود باہر جانے کے بجائے ماں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"جی۔ بس جمعے کو سادگی سے نکاح ہے! بس گھر کے لوگ ہوں گے۔" وہ سیاہ چپل میں مقید اس کے گندمی پیر دیکھ رہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ خوامخواہ کی فضول خرچی کرنی بھی نہیں چاہیے۔ اتنی تو مہنگائی ہے۔"

"جی! فاطمہ کی رخصتی ہو جائے تو میں اماں سے بات کروں گا۔" آمنہ نے بیٹی کو دیکھا۔ وہ ماں کا اشارہ سمجھ کر اٹھ گئی۔ مگر دروازے میں ہی کھڑی ہو گئی۔

"اچھی بات ہے۔ بیٹا! میں بھی جلد از جلد عائشہ کی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتی ہوں۔"

"میں کتنا بے تاب ہوں۔ بتا نہیں سکتا۔" اس نے سوچا پر کہہ نہ سکا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں عائشہ کو آپ کے پاس اپنی امانت سمجھتا ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔ عائشہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔

فاطمہ کے لیے تو یہ اک یادگار دن تھا ہی۔ جب بن مانگے اس کی جھولی خوشیوں سے بھر گئی مگر عریشہ نہیں جانتی تھی کہ یہ دن اس کے لیے بھی بے حد اہم ہو گا اتنا اہم کہ وہ اسے ساری زندگی نہ بھلا سکے گی۔ فاطمہ تیار ہونے کے لیے پارلر جا چکی تھی۔

عریشہ نے تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ لانگ فراک اور چوڑی دار پاجامے میں وہ مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی۔ کھلے بالوں میں برش چلاتے اس نے خود کو کسی اور کی نگاہ سے دیکھا اور شرمائی۔ تب ہی عادلہ اندر آئیں تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ عریشہ کے چہرے پر اتنے رنگ تھے کہ نظر ٹھہرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ آہستہ سے چلتی اس کے قریب آئیں۔

"امی! میں ٹھیک لگ رہی ہوں؟" عادلہ نے منہ میں کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا اور بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

"ارے آج اتنا لاڈ کیوں؟" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"جتنی روشن تمہاری پیشانی ہے۔ خدا اتنا ہی روشن تمہارا نصیب کرے۔ گرم ہوا سے بھی بچائے۔" نجانے کیوں ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"کانوں میں یہ پہن لوں؟" عریشہ نے جیولری باکس سے ٹاپس اٹھائے۔

"نہیں۔ ایسا کرو سیٹ کے ساتھ کی جھمکیاں پہن لو۔" بے اختیار عادلہ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ "میں ابھی نکال کر لاتی ہوں۔" عادلہ الماری کی طرف مڑیں۔ عریشہ نے جلدی سے ان کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں وہ بہت بھاری ہیں۔ میں یہی پہن لیتی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی کانوں میں ٹاپس پہنے۔ باہر شور سا اٹھا تھا۔ "میرا خیال ہے فاطمہ آپی آگئیں۔ امی! آپ بھی جلدی سے آجائیں۔" وہ کہہ کر عجلت میں باہر بھاگی۔

"بچوں جیسی ایکسائٹمنٹ ہے۔" عادلہ ہنس دیں۔ ڈیوڑھی کا دروازہ عبور کرتے وہ بری طرح ابرار سے ٹکرائی۔

"اُفوہ! ایک تو تم ہمیشہ درمیان میں آجاتے ہو۔" وہ پیشانی مسلتے جھنجلائی۔

"میں درمیان میں آجاتا ہوں یا آپ خود ٹکریں مارتی پھر رہی ہیں۔" ابرار نے دلچسپی سے اس مغلیہ شہزادی کو دیکھا۔

عریشہ کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی مگر عقب میں بیٹھک میں سے مردوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ سو اسے گھورتی اندر چلی گئی۔

"کوئی لڑکی اتنی خوبصورت بھی لگ سکتی ہے۔" ابرار نے چپکے سے سوچا۔

فاطمہ پارلر سے تیار ہو کر آگئی تھی۔ نکاح کے بعد نبیلہ نے فاطمہ کو گلے سے لگا کر پیار کیا تو چونک سی گئیں۔ انہوں نے مڑ کر عادلہ کو دیکھا۔ وہ محلے دار عورت سے باتیں کر رہی تھیں۔ نبیلہ کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو سمجھیں کوئی بات کرنا چاہتی ہے۔ تب ہی معذرت کرکے نبیلہ کے پاس آگئیں۔

"بہت مبارک ہو نبیلہ آپا!"

"تمہیں بھی۔ لیکن میں نے تمہیں منع کیا تھا پھر تم نے عریشہ کا زیور فاطمہ کو کیوں دیا؟" انہوں نے دبی آواز میں کہا۔

"ارے نہیں! میں نے تو نہیں دیا۔"

"فاطمہ کا زیور دیکھو' وہی ڈیزائن نہیں۔ آخر ہم دونوں نے پسند کیا تھا۔ کیسے بھول سکتی ہوں۔" عادلہ نے چونک کر فاطمہ کو دیکھا۔

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ان کی سرسراتی بے یقین آواز ابھری۔

"خود کو سنبھالو۔" نبیلہ نے دبی آواز میں کہا۔ عادلہ عقب میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"مریم! اپنی چچی کے لیے پانی لاؤ۔" نبیلہ نے پاس

سے گزرتی مریم کو پکارا تو دور کھڑی عریشہ نے گھبرا کر ماں کو دیکھا اور مضطرب سی ہو گئی۔ عادلہ نے دو گھونٹ پانی لے کر خود کو سنبھالنے کی سعی کی۔ انہیں فاطمہ کی رخصتی تک یہیں رکنا تھا۔ جیسے ہی رخصتی ہوئی وہ تیزی سے اپنے گھر آئیں۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

پرس سے چابیاں لیتے' الماری کا لاک کھولتے' اندر سے زیور کا ڈبہ نکال کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ ڈبہ کھولنے تک انہوں نے کتنی ہی دعائیں کیں۔

"کاش یہ ان کا وہم ہو۔" مگر ڈبہ کھلتے ہی سارے وہم اڑنچھو ہو گئے۔ باقی رہی تو بے یقینی۔

عریشہ چپکے سے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر عریشہ کو دیکھا۔ وہ ہاتھ ملتی مضطرب سی ان کے قریب آئی۔

"امی! یہ۔"

"تالا توڑے بغیر چوری ہو جائے تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ کسی گھر والے کی کارروائی ہے۔"

عریشہ نے سر جھکا لیا۔ عادلہ کھڑی ہو گئیں۔

"کیوں عریشہ؟"

"امی! انہیں ضرورت تھی۔" وہ شرمندہ نہیں تھی۔

"کیوں عریشہ؟"

"امی! غیر نہیں ہمارے اپنے ہیں۔"

"کیوں عریشہ؟" ان کی آواز بلند ہوئی۔

"امی! میں ثوبان کو مشکل میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی فیس جانی تھی۔ وہ بہت پریشان تھا۔ میں۔"

"میں تمہاری ماں تھی عرشی!" ان کا تھپڑ عریشہ کے گال پر پڑا۔

"تم نے اپنی ماں کو دھوکا دیا۔ اپنے ہی گھر میں چوری کی۔ ان لوگوں کے اکسانے پر۔"

"مجھے کسی نے نہیں اکسایا۔" وہ ایک دم چیخ اٹھی۔ "آپ خواہ مخواہ ان پر الزام مت لگائیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں آپ کی طرح خود غرض اور بے حس نہیں ہو سکتی۔ آپ نے ساری زندگی انہیں حقیر سمجھا' لیکن وہ میرے اپنے ہیں۔ میں ان سے نظریں نہیں پھیر سکتی۔"

ان کے گلے پر کوئی چھری بھی پھیر دیتا' انہیں تب بھی اتنی تکلیف نہ ہوتی' جتنی عریشہ کے الفاظ نے انہیں پہنچائی۔ وہ ماں ہو کر ایک پل میں غیر ہو گئی تھیں۔

"ثوبان کی وجہ سے؟" عادلہ کو اپنی آواز اک گہرے کنویں سے آتی سنائی دی۔

"جی۔ میں ثوبان سے محبت کرتی ہوں اور اسی سے شادی بھی کروں گی۔" عریشہ کے لب و لہجے سے لحاظ مروت' شرم و حیا سب کچھ غائب تھا۔

"اگر میں نہ کروں تو۔"

"تو میں سمجھوں گی کہ نانی امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ کو بیٹی اور اس کی خوشی نہیں' صرف اپنا احساس برتری عزیز ہے۔ لیکن مجھے صرف اور صرف ثوبان سے شادی کرنا ہے۔"

وہ اپنی بات کہہ کر رکی نہیں۔ چلی گئی تھی اور عادلہ... انہیں لگا ان کا دل بند ہو گیا ہے۔

لگا نہیں۔ سچ مچ ان کا دل بند ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"عریشہ! تم نے ایسا کیوں کیا؟"

نبیلہ کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر دیں۔

عریشہ ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ رو رو کر آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ یوں بھی ہوتا ہے۔ اس طرح بھی ہو سکتا ہے۔

ایک پل کے لیے بھی عریشہ کا ذہن اس حد تک نہیں گیا تھا۔ ماں ڈانٹیں گی' پیٹیں گی۔ پھر رو پیٹ کر چپ کر جائیں گی' لیکن اس طرح خاموشی اوڑھ لیں گی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

قدموں تلے زمین کا نکلنا کیا ہوتا ہے؟

قیامت کسے کہتے ہیں؟ ماں کا مردہ وجود دیکھ کر احساس ہوا۔

کیسی بے یقینی تھی ماں کی آنکھوں میں۔ زرد رنگت' کپکپاتا وجود۔

نبیلہ کو اس پر ترس نہیں آ رہا تھا۔

"کوئی یوں ماں کا اعتبار کرچی کرچی کرتا ہے؟ کوئی اس طرح ماں کو دھوکا دیتا ہے۔ جس طرح تم نے دھوکا دیا۔ اس کا تمہارے سوا اور کون تھا؟ کیسے پیسہ پیسہ جوڑ کر تمہارے لیے وہ زیور بنایا تھا۔ میں نے ہی صلاح دی تھی کہ کچھ نہ کچھ عرشی کے لیے جوڑ لو۔ یہاں تو سب کے سب خود غرض ہیں۔ دکان ہتھیالی' کبھی ایک پائی نہیں دی۔ ہر مہینے آنے بہانے اس سے رقم بٹور لی جاتی تھی۔ اور مہینے کے آخری دنوں میں وہ خالی ہاتھ ہوتی۔"

کمرے میں اندھیرا بہت بڑھ گیا تھا۔ نبیلہ کا چہرہ اسی تاریکی میں گم ہونے لگا۔

عریشہ کے لب باہم پیوست تھے۔

"وہ ہمیشہ کہتی' میری بیٹی بہت معصوم ہے' وہ نقاب کے پیچھے چھپے چہرے نہیں کھوج سکتی۔ وہ دوسروں کی میٹھی میٹھی باتوں میں فوراً آ جاتی ہے اور میں ہمیشہ اس سے کہتی کہ تم عریشہ سے ساری باتیں کیوں چھپاتی ہو' اسے بتایا کرو' سمجھایا کرو۔"

نبیلہ نے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

"مگر وہ کہتی میں نہیں چاہتی کہ وہ اپنے حقیقی رشتوں سے نفرت کرنا سیکھے۔ عریشہ! تم نے اپنی محبت کرنے والی ماں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" عریشہ کے لبوں سے چیخ نکل گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نبیلہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"صبر سے کام لو۔ اب زندگی کو خود برتو گی تو احساس ہوگا۔ ہر وقت چھاؤں بن کر ساتھ رہنے والی ماں نہیں ہے۔ دعا ہی کر سکتی ہوں کہ خدا تمہارے اس گناہ کو معاف کر کے پرسکون زندگی عطا کرے۔"

حمیداں نے اندر جھانکا۔

نجانے اتنا وقت بھی کیسے صبر کیا تھا۔ عریشہ کو روتا دیکھ کر لپک کر اندر آئیں اور عریشہ کو بانہوں میں بھر لیا۔ نبیلہ نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔ عریشہ روتے روتے بے حال ہونے لگی۔

"اب بس بھی کرو۔ تم تو حد کرتی ہو نبیلہ!"

"میں کیا کر رہی ہوں۔ اسے اس کی غلطی کا احساس دلا رہی ہوں۔" نبیلہ نے بمشکل غصہ ضبط کیا۔

"کون سی غلطی؟" حمیداں چمک کر بولیں۔ "میری بیٹی نے کوئی غلطی نہیں کی۔ بھلا احساس کیا۔ آخر خون کا رشتہ تھا۔ اس کا باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ اب عادلہ نے زیادہ ہی دل پر لے لیا تو اس میں بچی کا کیا قصور۔"

نبیلہ نے تاسف سے انہیں دیکھا' پھر کھڑی ہو گئیں۔ "چلتی ہوں۔ کل آؤں گی۔"

نبیلہ باہر نکل گئیں۔

"نہ رو میرا بچہ۔ نہ رو۔"

"میری امی مر گئیں۔"

"نہ ایسے نہ کہہ۔ میں ہوں نا۔" وہ اسے ساتھ لگائے پچکارنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

گہری تاریک قبر تھی۔ جس میں وہ دھنستی جا رہی تھی۔ سانس لیتی تو ریت حلق میں پھنسنے لگتی۔ کہیں کوئی روزن' روشنی کی کوئی کرن تک نہ تھی۔ اسے لگا وہ دم گھٹنے سے مر جائے گی۔

وہ ہاتھ ہلانا چاہتی تھی مگر اس کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے کسی نادیدہ شکنجے میں۔ وہی شکنجہ اس کے گلے میں پھنسنے لگا تھا۔

وہ پوری قوت سے چیخی۔ ساتھ سوئی فاطمہ ہڑبڑا کر جاگی اور چیختی ہوئی عریشہ کو جھنجوڑ دیا۔

"عرشی۔ عرشی کیا ہوا؟" وہ فاطمہ سے لپٹ گئی۔

"تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے' ہے نا۔" وہ اس سے لپٹ کر بس روتی رہی۔

"اسی لیے کہتی ہوں یہاں مت سویا کرو۔ وہاں میرا پلنگ اب خالی ہو جائے گا۔ تم وہیں چلی جاؤ۔"

"اور آپ؟" وہ فاطمہ سے الگ ہوئی۔ "آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"عریشہ! میری شادی ہو گئی ہے۔" فاطمہ نے گویا اسے یاد دلایا۔

"آپ چلی جائیں گی؟" عریشہ کو فاطمہ کا بہت آسرا تھا۔ مریم لاپروا سی لڑکی تھی۔ فاطمہ نے ہی اسے سنبھالا تھا۔ وہ اس کے ساتھ سوتی۔

"کل چچی کا چالیسواں ہو جائے گا تو میں چلی جاؤں گی۔" فاطمہ بولی۔

وہ کچھ لمحے بے یقینی سے فاطمہ کو دیکھتی رہی، پھر دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"عریشہ!" فاطمہ بے بس سی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ میری امی میری وجہ سے مریں۔"

"کب تک اس طرح روتی رہو گی عریشہ... ہمت کرو، حوصلہ کرو۔"

عریشہ روتے روتے اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ فاطمہ دھیرے دھیرے اس کی پشت تھپکنے لگی۔

"عریشہ! اگر ہمیں اپنی غلطیوں کے نتائج کا احساس پہلے سے ہونے لگے تو ہم وہ غلطی ہی کیوں کریں۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کبھی اپنے بڑوں کے فیصلوں کے خلاف نہ جائیں۔ تمہاری اس غلطی میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔ چچی کی موت کی ذمہ دار صرف تم نہیں، ہم سب ہیں۔ ہماری چشم پوشی، ہماری خود غرضی ہے۔" فاطمہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

ساری رات وہ دونوں عادلہ کی باتیں کرتی رہیں۔

رات گزر گئی مگر عریشہ کا احساس جرم وہیں کا وہیں رہ گیا تھا۔



وہ اپنے گھر کے صحن میں چارپائی پر لیٹی تھی۔ جب ایک آہٹ کے ساتھ موتیا کے پھولوں کی مدھر مہک اس کے چہار سو پھیل گئی۔ عریشہ نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

وہ پھول اس کے سرہانے رکھ کر سیدھا ہو رہا تھا۔ سیدھا ہوا تو چاند اس کی پشت پر آنکھ مچولی کھیلنے لگا۔

عریشہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"لائٹ بھی نہیں جلائی، یوں تنہا اندھیرے گھر میں آکر کیوں لیٹ گئی ہو؟" ثوبان چارپائی کے کنارے ٹکا۔ "مریم بلانے آئی تھی، آئیں کیوں نہیں؟"

"یونہی، دل نہیں چاہا۔"

"کیوں؟"

"بس زندگی بے معنی سی لگنے لگی ہے۔ میں چاہوں تو بھی خود کو اس گلٹ سے آزاد نہیں کر سکتی کہ امی کی موت میری وجہ سے ہوئی۔"

آج بہت دنوں کے بعد وہ بہت فرصت سے اس کے پاس بیٹھا تھا۔ عریشہ کا دل چاہا۔ ہر بات اس سے شیئر کرے۔

"اس طرح تو تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔ آخر یہ سب تم نے میری خاطر ہی تو کیا۔"

"نہیں، میں نے سب کچھ اپنی مرضی سے کیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انجام یہ ہو گا۔" وہ تاسف سے ہتھیلیاں مسلنے لگی۔

ثوبان نے ذرا سا مڑ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"نہیں عرشی! اگر اس دن میں اتنا جذباتی نہ ہوتا... تم سے وہ سب نہ کہتا تو تم یہ قدم کبھی نہ اٹھاتیں۔ میں اس کے لیے خود کو بھی معاف نہیں کر سکتا اور اس پر جب تمہیں یوں گم صم، چپ چاپ اک کونے میں پڑا دیکھتا ہوں تو میرا دل کٹ جاتا ہے۔ عرشی! اس خول کو توڑ دو۔ باہر نکلو، کالج جایا کرو، یوں تو ختم ہو جاؤ گی... دیکھو! تم مجھے بہت پیاری ہو۔ میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ اس کی آواز کی گمبھیرتا میں کھوتی چلی گئی۔

اس کی آواز کی لہروں میں بہتے بہتے دور نکلنے لگی۔

ہر دکھ، ہر غم اور ہر احساس ندامت مٹتا چلا گیا۔

"سنو عرشی! اپنے اندر کے ہر احساس ندامت کو اسی رات کے حوالے کر دو۔ مجھے اس رات کے بعد وہی عریشہ چاہیے۔ ہنستی مسکراتی، پراعتماد، پیاری سی عرشی... ہوں۔"

عریشہ کی گردن لاشعوری طور پر اثبات میں ہلی۔

"اب اٹھو، سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔" وہ کھڑا ہوا۔

عریشہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

ٹھیک تو کہتا ہے ثوبان۔ میرے ٹھہر جانے سے کیا ہو گا۔ زندگی تو آگے ہی آگے چلتی جائے گی۔ دنیا کے کام تھوڑی رکیں گے۔ یہ نقصان عظیم صرف میرا ہے۔ فاطمہ آپی کچھ دن رہیں، سسرال چلی گئیں۔ مریم بدستور کالج جاتی ہے۔ میرے یوں خود کو تنہا کر لینے سے امی تو واپس نہیں آئیں گی۔

"عریشہ! اس طرح تم چچی کی روح کو بھی تکلیف دے رہی ہو۔" ثوبان نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔

عریشہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور سہارے سے کھڑی ہو گئی۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتے حمیداں کے پاس آگئے۔



صبح وہ کالج جانے کے لیے تیار ہو کر کچن میں آئی تو پراٹھے بناتی تائی کے ساتھ ساتھ مریم نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

"تائی امی! مجھے بھی ناشتا دیں۔" وہ خود کو بشاش ظاہر کر رہی تھی۔

"پر عریشہ! تمہارا تو نام بھی کٹ گیا ہے۔" مریم نے کہا۔

"پرنسپل سے بات کروں گی، شاید کوئی رستہ نکل آئے۔" وہ پیڑھی کھینچ کر بیٹھی۔

"اچھا... اچھا ہے تمہارا دل مانے۔ میں تو سوچا تھا کہ تم گھر پر ہو گی تو کچھ میرا بھی ہاتھ بٹا دیا کرو گی۔ چلو اچھا۔" نجانے کیوں وہ مایوس سی ہو گئی تھیں۔ نعمان نے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

"چلو اچھا ہے، تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔"

ناشتا کر رہی تھی۔ جب وین آگئی۔ وہ مریم کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی ڈیوڑھی سے گزری تو ابرار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آج وہ بہت دنوں کے بعد نظر آئی تھی۔

"آج مجھے بھی ناشتا ملے گا یا خود ہی ٹھونستی رہو گی۔" برکت حسین کی آواز پر وہ بری طرح چونکا۔ عریشہ جا چکی تھی۔

"ہاں! میں نوکر لگی ہوں، صبح سے شام تک روٹیاں پکا کر تمہارا دوزخ بھرتی رہوں اور کسی کو تو ہاتھ ہلانا بھی گوارا نہیں۔" حمیداں چلائیں۔ انہیں نجانے کس بات پر غصہ آرہا تھا۔ ناشتا کرتے نعمان نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

"سارے ٹبر کو کھلا دے گی۔ جہاں میری باری آئی۔ وہیں نخرے شروع۔ ناشتا لاتی ہو، یا آگ دوں چولہے میں سر۔" وہ حلق کے بل چلائے۔

"بڑا آیا میرا سر چولہے میں دینے والا۔"

"اماں! میرا خیال ہے اب تم سے کام نہیں ہوتا۔" نعمان نے کہا۔

"ساری زندگی ہڈیاں گھسائی ہیں۔ اب اس عمر میں بھی آرام نہیں۔" حمیداں نے غصے سے پیڑا پرات میں پٹخا۔

"جب تک فاطمہ تھی، کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ دوسری تو بس دشمن اناج کی ہے۔"

"تو لے آؤنا فاطمہ جیسی ہاتھ بٹانے والی۔" وہ دھیرے سے اپنی مطلب کی بات کرنے لگا۔ حمیداں کی چھٹی حس بول اٹھی۔

"کیا مطلب؟"

"ارے بھئی! بھولے آؤ... ویسے بھی اماں! اب تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ ہنسا۔

"تجھے اپنی شادی کی بڑی فکر ہے۔"

"میں تو تمہاری وجہ سے کہہ رہا تھا۔"

"کروں گی۔ کنوارا نہیں رکھوں گی۔ اتنا اتاولا نہ ہو۔"

نعمان جز بز ہو کر رہ گیا۔ دنیا جہان کی ماؤں کو بیٹوں کی شادی کا ارمان ہوتا ہے۔ یہاں الٹا چکر چل رہا تھا۔ وہ بددل ہو کر ناشتا ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا۔

"ہونہہ! خوب سمجھتی ہوں تیرے ارادے۔" وہ

استانی بیاہ لاؤں۔ مجھے کیا بٹھا کر کھلائے۔" خود اسی کو پکا کر دینا پڑے گا۔"

نعیم نے کہا۔

"ارے لاتی ہوں۔ ذرا صبر تو کرو۔" حمیداں نے جھنجلا کر برکت حسین کی دھاڑ کو درمیان میں ہی روک دیا۔

"ماموں! آپ ماسی سے اتنا لڑ کیسے لیتے ہیں؟" ابرار ہنستے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"اب تو عادت ہو گئی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولے۔ "تم ناشتا نہیں کرو گے؟"

"نہیں! مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس کی کوشش تھی۔ وہ ان لوگوں پر کم سے کم بوجھ بنے۔

"مرضی تمہاری۔ لگتا ہے خود ہی پکانا پڑے گا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئے۔



فاطمہ نے آتے ہی گھر سنبھال لیا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح محسن چاہتا تھا۔ طیبہ اور جمال بھی ابھی یہیں تھے۔ نبیلہ نے پہلے ہی جمال کو سمجھا دیا تھا۔

"میں طیبہ کے منہ سے محسن اور فاطمہ کے حوالے سے کوئی فضول بات نہ سنوں۔ یہ خالصتاً" میرا فیصلہ ہے جسے محسن نے بخوشی قبول کیا۔ اب جتنے دن تم اور طیبہ یہاں ہو اسے اچھی طرح سمجھا دینا۔"

اور جمال نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ سو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے کے سوا ابھی تک اس کی زبان بند ہی تھی۔ مگر کبھی کبھی ان سب کو ہنستے بولتے دیکھ کر اسے جلن سی ہونے لگتی۔ اپنا آپ پرایا سا لگتا۔

طیبہ کچن میں آئی تو فاطمہ ہولے ہولے گنگناتے ہوئے بریانی بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ہمیشہ سیدھی مانگ نکال کر سادہ سی چوٹی بنانے والی فاطمہ کی وضع قطع ہی بدل گئی۔ میرون کڑھائی والے سوٹ میں ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ سیدھے بالوں کی بھی ہلکی سی کٹنگ کروائی گئی تھی۔ اید ونی خوشی نے جو چمک فاطمہ کے چہرے کو عطا کی تھی۔ اس کا مقابلہ طیبہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ فاطمہ آہٹ پر مڑی۔

"کچھ چاہیے بھابھی!"

"مجھے کچھ چاہیے ہو گا تو میں خود لے لوں گی۔ جتنا یہ تمہارا گھر ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔ بلکہ تم سے زیادہ میرا حق بنتا ہے۔ آخر میں اس گھر کی بڑی بہو ہوں۔"

"جی! میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔" فاطمہ خجل سی ہو گئی۔

"ویسے طیبہ بھابھی!" اندر آتے محسن نے ان کی بات سن لی تھی۔ "کیسی عجیب سی بات ہے۔ دوسروں کے ساتھ ساتھ آپ کو خود کو بھی یاد دلانا پڑتا ہے کہ آپ اس گھر کی بڑی بہو ہیں۔"

فاطمہ نے مسکراہٹ چھپانے کو رخ موڑ لیا۔ طیبہ کا مقابلہ بھی اس گھر میں صرف محسن ہی کر سکتا تھا۔

"ویسے لوگ اتنا ڈھونگ کیوں رچاتے ہیں؟"

"کیسا ڈھونگ؟"

"یہی سب کو یہ تاثر دیتے ہو کہ یہ ارینج میرج ہے' حالانکہ تم دونوں کو دیکھ کر لگتا تو نہیں۔" طیبہ نے طنز سے کہا۔ فاطمہ نے گھبرا کر محسن کو دیکھا۔

محسن ایک بازو فاطمہ کے کندھوں پر پھیلاتے ہوئے ہنس دیا۔

"ہے تو یہ ارینج میرج ہی۔ لیکن آپ چاہیں تو اپنے دل کی تسلی کے لیے اسے ایک خوبصورت سی لو اسٹوری میں بدل دیں۔ آپ تو یوں بھی ان کاموں میں ماہر ہیں۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔" طیبہ کو غصہ آ گیا۔

"ارے میں تو بتانا بھول گیا۔ آپ کو جمال بھائی بلا رہے ہیں۔"

طیبہ دونوں کو گھور کے چلی گئی۔

"یہ پھاپھا کٹنیوں والی عادتیں کہاں سے لی ہیں آپ نے۔" فاطمہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"محترمہ! جو جیسا ہو اس کے ساتھ ویسا ہی بی ہیو کرنا چاہیے۔"

"جی نہیں' برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔"

"اچھا۔ تو یہ میری کس برائی کا بدلہ ملا ہے۔" وہ اس کی ناک چھو کر شرارت سے پوچھنے لگا۔

"فضول مت بولیں۔" فاطمہ رخ بدل گئی۔

"فاطمہ! تم خوش ہو؟"

"بہت۔" فاطمہ نے بلا جھجک کہا۔

"ہم سے کوئی شکایت تو نہیں؟"

"نہیں' بس ایک ہلکی سی الجھن ہے۔"

"کیسی الجھن؟"

"یونہی' کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے' جیسے پھپھو کے دل میں کوئی بات ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ روایتی ساس بنتی جا رہی ہیں؟" محسن سنجیدہ ہوا۔

"ارے نہیں! وہ تو بہت اچھی ہیں۔ بس یونہی لگتا ہے جیسے ان کے دل میں کوئی گرہ ہے۔ وہ کہتی تو نہیں ہیں۔ بس فیل ہوتا ہے۔" وہ الجھ کر بولی۔

"امی کے دل میں اگر کوئی بات ہو تو وہ دل میں نہیں رکھتیں۔ بہت اچھے طریقے سے شیئر کر لیتی ہیں۔ وہ ہمیشہ کہتی ہیں کہ بدگمانی اور غلط فہمی چھوٹے چھوٹے سنپولیے ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم اپنے اندر پالتے رہیں تو وہ اژدھے بن کر ہماری ساری خوشیوں کو اور خوبصورت رشتوں کو نگل لیتے ہیں۔ اس لیے ڈونٹ وری! ان کے دل میں اگر تمہارے حوالے سے کوئی بات ہوئی تو وہ تم سے ضرور شیئر کریں گی۔" محسن نے تسلی دی۔

"نہیں' یونہی بس فیل ہوا تو میں نے کہہ دیا۔" فاطمہ شرمندہ ہو گئی۔

"تم نے بالکل ٹھیک فیل کیا ہے فاطمہ!"

نبیلہ کی آواز پر وہ دونوں ایک ساتھ پلٹے۔



جمیلہ کو کسی کروٹ چین نہیں تھا۔ اس کا بیٹا دوسروں کے گھر میں رہ رہا تھا۔ چھوٹی موٹی نوکریوں کے لیے دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے دن میں ٹیوشن پڑھاتا تھا اور رات کو جاگ جاگ کر اپنی پڑھائی کرتا تھا۔

اور جمیلاں کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں سے اتنے پیسے لے آئے کہ اس کا بیٹا اپنی فیسیں آرام سے بھر سکے۔ بہت سوچ کر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔

اصغر دوپہر کی روٹی کھا کر واپس زمینوں پر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"بھا اصغر! میری بات سن کر جانا۔" وہ اس کے کمرے کے دروازے پر آکھڑی ہوئی۔ لسی ڈالتی کبریٰ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ابھی کچھ سنانا باقی رہتا ہے؟" وہ تنک کر بولی تھی۔

"میں نے اپنی بھینس بیچنی ہے۔ اگر تم نے رکھنی ہے تو اس کی قیمت لگوا لو۔ نہیں تو کسی اور سے بات کر لوں۔" کبریٰ کی بات نظر انداز کر کے جمیلاں نے کہا۔

کبریٰ اور اصغر کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔

"بھینس کیوں بیچنی ہے؟" کبریٰ نے سوال کیا۔

"بلو کو کالج کی فیس دینی ہے۔ جو ہزاروں میں ہے۔"

"ایک بار بھینس بیچ دے گی۔ بعد میں کیا کرے گی؟" اصغر نے طنز سے پوچھا۔

"بعد کا اللہ مالک ہے۔ ویسے تمہیں بھی پتا ہے۔ چھ ماہ پہلے اس کی قیمت ایک لاکھ پینتیس ہزار لگی تھی۔ آگے تو خود دیکھ لے۔" جمیلاں کہہ کر باہر نکل گئی۔

"میرا خیال ہے' خود ہی رکھ لیتے ہیں۔ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ بڑی نسل کی بھینس ہے۔" اصغر نے کبریٰ سے رائے مانگی۔

"اس کا بس چلے تو بیٹے کی پڑھائی کے پیچھے خود کو بھی بیچ دے۔"

کبریٰ نے جل کر گلاس پٹخا۔



"اماں!" مریم اندر آئی۔ وہ نعمان کے ساتھ کچھ

حساب کتاب کر رہی تھیں۔

"وہ ماسٹر صاحب کے گھر سے آمنہ خالہ آئی ہیں۔"

"اے لو۔ خود ہی رشتہ لے کر آ گئی۔"

حمیداں نے حسب فطرت سوچا۔ جبکہ نعمان سب حساب کتاب چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"اکیلی آئی ہیں؟" اس کے سوال پر حمیداں نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"اور کیا پورے ٹبر کو اٹھا کر ساتھ لے آتی؟"

"نہیں۔ میرا مطلب ہے۔" وہ گڑبڑایا پھر غصے سے مریم سے بولا۔ "انہیں باہر کیوں کھڑا کیا ہے؟ اندر لے آؤ۔"

"باہر کیوں کھڑا کروں گی۔ میں نے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔"

حمیداں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی دوسرے کمرے میں آئیں۔ اتنے تپاک سے حمیداں نہیں ملی۔ جتنے تپاک سے نعمان نے ان کی خیر خیریت دریافت کی۔ بلکہ وہیں براجمان ہو گیا۔

"عادلہ بہن کا پتا چلا تھا۔ میں تب ہی آنا چاہتی تھی، مگر ان دنوں میری طبیعت بہت خراب تھی۔ ہسپتال رہنا پڑا۔" انہوں نے متانت اور سادگی سے کہا۔

"بس جی اللہ کی یہی مرضی تھی۔ بس کھڑے کھڑے رخصت ہو گئی، پتا ہی نہیں چلا۔" حمیداں کا انداز روکھا سا تھا۔

"اور آپ دوائیاں تو اچھی طرح لے رہی ہیں ناں؟" نعمان نے پوچھا۔

حمیداں منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائیں۔

"ہاں۔ اللہ کا شکر ہے۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔" نعمان کو جواب دے کر وہ پھر سے حمیداں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ماشاء اللہ! سمجھ دار اور نیک بیٹا ہے آپ کا، مشکل کی گھڑی میں ہمارا بہت ساتھ دیا۔"

"اچھا؟ اس نے تو کبھی نہیں بتایا کہ اس کا آپ کے گھر اتنا آنا جانا ہے۔" حمیداں نے طنز سے کہا۔

"اتنا تو نہیں۔ بس کبھی کبھار ہی۔" نعمان جز بز ہو کر کھڑا ہوا۔

"میں چائے کا کہہ دوں۔" وہ وہاں سے ہٹا۔ مریم پہلے ہی چائے بنا رہی تھی۔ اسے روک کر کہ میں بیکری سے کچھ سامان لے آؤں پھر چائے بنانا کہہ کر چلا گیا۔

"بیٹی کی شادی اچھے طریقے سے ہو گئی؟" گفتگو تعزیتی کلمات سے نکل کر روز مرہ پر آ گئی۔

"ہاں۔ ہو گئی۔ آپ کی تو ایک ہی بیٹی ہے نا۔ کیا کرتی ہے۔" حمیداں نے یکسر انجان بن کر پوچھا۔

"جی۔ اسکول میں پڑھاتی ہے۔ گورنمنٹ جاب ہے۔"

"ایک تو یہ آج کل کی لڑکیوں کو نوکری کی پڑ جاتی ہے۔ چار جماعتیں پڑھی نہیں کہ گھر سے نکلنے کی پڑ گئی۔ اللہ بخشے عادلہ بھی پڑھاتی تھی۔ اپنی چھوٹی سی بچی کو میری گود میں پھینک کر خود اسکول کو نکل جاتی۔ سچی بات ہے، ایسی عورتوں کے بچے تو پھر میری تیری گود میں ہی پلتے ہیں۔"

حمیداں کا لہجہ و انداز اس پر یہ نادر خیالات۔ آمنہ اگلی بات کرنا بھی بھول گئیں۔

"کہیں رشتہ کیا لڑکی کا؟"

"نہیں۔ بس دیکھ رہے ہیں۔" ان کا لہجہ خود بخود دھیما ہو گیا۔

"دیکھنے میں ہی وقت نہ نکال دینا۔ ورنہ لڑکیاں گھر بیٹھے ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ میں نے تو وقت پر فاطمہ کو رخصت کر دیا۔ اب جیسے ہی مریم کا رشتہ جڑا، اس کا بھی کر دوں گی۔ باقی رہ گئے لڑکے تو ان کی مجھے فکر نہیں۔ آج کل تو ویسے ہی ماں باپ نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے کہ لو خود ہی بر ڈھونڈ لو۔ اور لڑکیاں آگے پیچھے پھر کر خود ہی سارا معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔"

آمنہ خاتون کی رنگت زرد پڑ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

راحت جبیں

ساری بھول ہماری تھی

عریشہ عادلہ کی بیٹی ہے۔ عادلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں' مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جیٹھ اور جٹھانی اپنے بچوں نعمان' ثوبان' فرید' فاطمہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں' بانو اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں۔ عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عادلہ کو یہ چیز پسند نہیں کیونکہ ان کے جیٹھ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ' عادلہ اور حمیداں کی نند ہیں' ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال۔ جمال ملک سے باہر مگر اس کی بدمزاج بیوی طیبہ یہیں رہتی ہے۔

ابرار جمیلہ کا بیٹا ہے شہر میں پڑھتا ہے' باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چچی کبریٰ کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے۔ اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ پڑواتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی بشریٰ کی ابرار سے شادی ہو جائے مگر ابرار صاف انکار کرتا ہے۔ اصغر کو غصہ آتا ہے وہ ابرار پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ ابرار ناراض ہو کر گھر چھوڑ دیتا ہے اور شہر آجاتا ہے۔

طیبہ کی مسلسل بدتمیزی سے عاجز آکر نبیلہ' جمال سے طیبہ کو ساتھ لے جانے کا کہہ دیتی ہیں۔ نبیلہ محسن کے لیے فاطمہ کا رشتہ مانگتی ہیں۔ حمیداں کے اعتراض کے باوجود رشتہ پکا ہو جاتا ہے۔

نعمان اپنے اسٹور سے سودا لینے والے ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ کو پسند کرنے لگتا ہے۔ وہ گورنمنٹ ٹیچر ہے۔ نعمان عائشہ کی ماں سے رشتے کی بات کرتا ہے اور ان سے فاطمہ کی شادی تک انتظار کرنے کو کہتا ہے کیونکہ حمیداں کا دونوں

ناولٹ



بیٹیوں سے پہلے بیٹوں کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ عائشہ اور اس کے گھر والے تھوڑی سی حیل حجت کے بعد مان جاتے ہیں۔

عادلہ نبیلہ کے کہنے پر بچت کرکے عریشہ کے لیے سونے کا سیٹ بنواتی ہیں۔ عادلہ کے منع کرنے کے باوجود عریشہ حمیداں کو وہ سیٹ دکھا دیتی ہے۔ حمیداں کی عریشہ سے لگاوٹ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فاطمہ کی شادی پر حمیداں عادلہ سے وہ سیٹ مانگتی ہیں۔ عادلہ پریشان ہو جاتی ہیں کیونکہ انہوں نے وہ سیٹ عریشہ کے لیے بہت مشقت سے بنایا ہوتا ہے۔ حمیداں بضد ہوتی ہیں کہ فاطمہ کو شادی پر سونے کا سیٹ دیا جائے جبکہ ان کی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ ثوبان کی فیس کے پیسے نکال لیتی ہیں۔ ثوبان بہت بگڑتا ہے۔ عریشہ ثوبان کی پریشانی دیکھ کر چپکے سے وہ سیٹ نکال کر حمیداں کو دے دیتی ہے۔

شادی والے دن نبیلہ، فاطمہ کے گلے میں وہی سیٹ دیکھتی ہیں تو عادلہ سے کہتی ہیں۔ عادلہ، عریشہ سے پوچھتی ہیں تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے دھڑلے سے اعتراف کرتی ہے کہ اس سے ثوبان کی پریشانی نہیں دیکھی گئی۔ عادلہ، عریشہ کی حرکت سے اتنی دل برداشتہ ہوتی ہیں کہ ان کا دل بند ہو جاتا ہے۔ عریشہ پچھتاتی ہے۔ ثوبان لگاوٹ سے اسے بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔

ابرار برکت حسین کی چچا زاد جمیلہ کا بیٹا ہے۔ شہر آکر ان کے گھر رہنے لگتا ہے۔ حمیداں اس سے سخت بیزار ہیں۔ ابرار کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ عریشہ ثوبان کو پسند کرتی ہے، ساتھ ہی وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ ثوبان اپنے فائدے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی خود غرضی جان کر ابرار اس سے سخت کبیدہ خاطر رہتا ہے۔

حمیداں کو نعمان کی خواہش کا علم ہو جاتا ہے اور جب عائشہ کی والدہ عادلہ کی تعزیت کرنے حمیداں کے پاس آتی ہیں تو وہ ان سے خوش اخلاقی سے نہیں ملتیں۔

"آج کل ماں باپ نے لڑکوں کو پھانسنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے اور لڑکیاں خود ہی معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔" ایسے سخت الفاظ کہہ کر ان کی بے عزتی کر دیتی ہیں۔

چوتھی قسط

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میری بچی ایسی نہیں۔" انہوں نے ماتھے پر آیا پسینہ چادر کے پلو سے صاف کیا۔

"میں آپ کی بات تو نہیں کر رہی۔ میں تو عام بات کر رہی ہوں۔ محلے میں ادھر ادھر سے کچھ نہ کچھ سننے کو مل ہی جاتا ہے۔ کہ فلاں کا فلاں کے ساتھ چکر چل رہا ہے۔ یہ لڑکا اس لڑکی کے گھر کے چکر کاٹ رہا ہے۔" انہوں نے ہنستے ہنستے لاپروائی سے جو بات کی تھی وہ تیر کی طرح آمنہ کے دل میں گڑ گئی۔

اب مزید ٹھہرنے کا مطلب مزید بے عزتی کروانا تھا۔

"میں اب چلتی ہوں کافی دیر ہو گئی۔"

"ارے ابھی تو آئی ہیں۔ چائے پی کر جائیے گا مریم اری بڑی۔"

"شکریہ بہن! چائے کے لیے ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔" وہ گھٹنوں پر زور ڈال کر کھڑی ہو گئیں۔ یوں لگتا تھا ٹانگوں میں جان ہی نہ ہو۔

"ارے تو پہلے بتا دیتیں۔ میں کچھ ٹھنڈا منگوا لیتی۔"

"بس میں نے پی لیا۔ اللہ حافظ۔"

دروازہ عبور کرتے ہوئے ان کی آنکھیں لبالب بھر آئیں۔

وہ بیٹی کی ماں تھیں۔ نعمان کی آنکھوں سے چھلکتے جذبے بھی پہچانتی تھیں۔ وہ اپنی زبان سے اعتراف بھی کر چکا تھا۔

اس گھر میں آتے ہوئے بیٹی کے حوالے سے کچھ

ارمان، کچھ آرزوئیں، کچھ خواہشیں بھی دل میں تھیں۔ پوری گلی انہوں نے کس طرح عبور کی انہیں خود بھی خبر نہ تھی۔ قدموں کا کام چلنا تھا، سو چلتے رہے۔ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچتے تک وہ سارے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے۔

ساری آرزوئیں، ساری خواہشیں خود بخود مرتی چلی گئیں۔

کیا یہ ذلت ان کا مقدر صرف اس لیے ہی کہ وہ بیٹی کی ماں تھیں۔

اک تلخ سوچ نے گھر کے دروازے پر ان کا ہاتھ تھاما تھا۔ اس تلخ سوچ سے ہاتھ چھڑاتی۔ خود کو اللہ کی رضا میں راضی کرتی وہ اندر چلی گئیں۔



نعمان چچی والوں سے بڑا مسرور سا گھر واپس آیا تو بیٹھک خالی تھی۔ وہ شاپر اٹھا کر کچن میں آ گیا۔ جہاں مریم اب آٹا گوندھ رہی تھی۔

"بھائی! وہ تو چلی گئیں۔"

"چلی گئیں کیا مطلب؟" نعمان ٹھٹک کر رہ گیا۔

"مطلب انہوں نے تعزیت کی اور چلی گئیں۔"

"چائے بھی نہیں پی! انہیں روکنا تو چاہیے تھا۔"

مریم کے جواب دینے سے قبل ہی حمیداں چلی آئیں۔ شاپرز کو دیکھ کر مزاج برہم ہو گیا۔

"روکا تھا۔ اب نہیں رکیں تو ہم کیا باندھ کر بٹھا لیتے۔"

"پھر بھی اماں! وہ پہلی بار ہمارے گھر آئی تھیں۔" نعمان الجھنے لگا۔ اسے بیکری سے واپس آنے میں اتنی دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ یوں اٹھ کر چلی جاتیں۔

"تجھے کیوں اتنی فکر ہے۔ جیسے تیری ساس بغیر چائے پیے چلی گئی ہو۔" وہ چمک کر بولیں۔

"اماں! سوچ سمجھ کر تو بولا کریں۔" اس نے شاپرز پٹخے اور غصے سے بڑبڑاتا باہر چلا گیا۔

"تیور دیکھو اس کے۔ اور سامان تو یوں اٹھا کر لایا ہے۔ جیسے تعزیت کرنے نہیں اس کا ولیمہ کھانے آئی تھیں۔ اے مریم! آٹا گندھ گیا ہے تو یہ چیزیں پلیٹوں میں نکال اور چائے بھی بنا لے۔"

"اماں! کوئی اور مہمان آ رہا ہے۔" مریم نے یونہی پوچھ لیا۔

"کیوں تمہیں کھانا منع ہے؟" انہوں نے غصے سے کہا۔ پھر ایک رول نکال کر کھاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

مریم نے آٹا ڈھکا۔ ہاتھ دھو کر چائے رکھی اور پہلے خود نکال کر کھانے لگی۔



عائشہ نے کھانے کی ٹرے ماں کے سامنے رکھی اور پانی لینے چلی گئی۔

واپس آئی تو آمنہ اسی طرح گم صم سی بیٹھی تھیں۔ ایک نوالہ بھی نہیں توڑا تھا۔

"امی۔"

وہ چونک کر بیٹی کو دیکھنے لگیں۔

"کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ روٹی اکڑ گئی تو آپ سے چبائی نہیں جائے گی۔"

"میں بھی دو بیٹیوں کی ماں ہوں۔ یہ فقرہ اکڑ مجھ میں تو نہ آئی۔"

"امی! کس سوچ میں ہیں؟"

"استغفراللہ۔" عائشہ کے پکارنے پر انہوں نے اپنی سوچ پر لعنت بھیجی اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ مگر بھوک جیسے مر ہی گئی تھی۔

"جب سے آئی ہیں۔ آپ اسی طرح خاموش سی ہیں۔ کیا وہاں کوئی بات ہوئی ہے؟" عائشہ نے مدھم اور محتاط انداز میں پوچھا۔

"نہیں... بات کیا ہو گی۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرائیں۔

"میں بچی نہیں ہوں۔ جو آپ کے چہرے پر پھیلے پریشانی کے سائے نہ دیکھ سکوں۔ امی! بتا دیں آپ کے دل میں کیا ہے۔" عائشہ نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ یونہی دل بوجھل سا ہو رہا

ہے۔ کچھ دنوں کے لیے تمہارے ماموں کے ہاں نہ ہو آئیں۔"

"ماموں کی طرف یوں اچانک۔ خیر تو ہے؟"

"یونہی ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔" انہیں بچی کی تشویش سے چڑ سی ہونے لگی۔ عائشہ ان کے تیز لہجے پر خاموش ہو گئی۔

"تمہیں چھٹی مل جائے گی؟" انہوں نے کچھ لمحے کے بعد پوچھا۔

"جی میری چھٹیاں تو ہیں۔ مگر ابو کو پریشانی ہوگی۔"

آمنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تب ہی دروازے پر تیز دستک ہوئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" عائشہ اٹھنے لگی۔

آمنہ نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"میں جاتی ہوں۔"

عائشہ نے کچھ تشویش اور حیرانی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ ماں کو دیکھا۔

ان کے گھٹنے میں درد تھا۔ وہ بہت زور ڈال کر اور سہارے سے اٹھی تھیں۔ اس تکلیف میں انہوں نے پہلے تو کبھی دروازے تک جانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

دروازے پر حسب توقع نعمان ہی تھا۔

"آج کل تو ویسے ہی ماں باپ نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے کہ لو خود ہی بر ڈھونڈ لو اور لڑکیاں۔۔۔ آگے پیچھے پھر کر خود ہی سارا معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔" تیزے کی انی کی طرح دل میں گڑے الفاظ انہیں پھر سے زخمی کرنے لگے۔

"السلام علیکم خالہ!" نعمان کی آواز پر وہ چونک گئیں۔

"کیسے آنا ہوا؟" ان کا لہجہ اپنائیت سے عاری اور روکھا سا تھا۔

نعمان ٹھٹک سا گیا۔

"کچھ نہیں! یہاں سے گزر رہا تھا' سوچا' ماسٹر صاحب سے ملتا جاؤں۔۔۔" وہ کھسیا کر بولا۔

"وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔"

صاف اور سیدھا انداز' انہوں نے پہلے کی طرح اسے اندر نہیں بلایا تھا۔ بلکہ ادھ کھلے دروازے کو یوں پکڑے کھڑی تھیں کہ نعمان جائے تو وہ دروازہ بند کر سکیں۔

نعمان کو الجھن کے ساتھ ساتھ سبکی کا احساس ہوا۔

"میں چلتا ہوں۔۔۔ اللہ حافظ۔"

وہ خاموش خاموش سا واپس پلٹ گیا۔

دروازہ آہستگی سے بند ہوا۔

اک تو آمنہ خاتون کے لبوں تک آنے سے قبل ہی دم توڑ گئی۔ عائشہ نے ماں کو آتے دیکھا۔

"کون تھا۔۔۔؟"

"کوئی نہیں۔۔۔ تم نے کھانا کھا لیا۔ تو برتن سمیٹ لو۔ میں اور نہیں کھاؤں گی۔"

عائشہ کو ابھی کھانا تھا۔۔۔ مگر ماں کے انداز سے دل اچاٹ سا ہو گیا تب ہی سالن کی پلیٹیں ٹرے میں رکھنے لگی۔

"نعمان اچھا لڑکا ہے۔" ان کا انداز خود کلامی لیے ہوئے تھا۔ عائشہ نے ہاتھ روک کر ماں کو دیکھا۔

"مگر ضروری تو نہیں کہ اس کے ارد گرد رہنے والے لوگ بھی اتنے ہی اچھے ہوں۔" وہ سابقہ انداز میں بڑبڑائیں۔

عائشہ کا گمان یقین میں بدلنے لگا بات نعمان کے گھر میں ہی ہوئی تھی۔ جس سے آمنہ اتنی پریشان لگ رہی تھیں۔ مگر کریدنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جب تک آمنہ خود نہ چاہتیں۔ عائشہ ان سے کوئی بات نہیں اگلوا سکتی تھی۔۔۔ سو خاموشی سے ٹرے اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں پتا ہے فاطمہ! شروع ہی سے میری دوستی عادلہ کے ساتھ زیادہ رہی ہے۔"

نبیلہ کی دھیمی آواز کمرے کی خاموشی میں دھیرے دھیرے ڈول رہی تھی جیسے ہوا کے دوش پر لہراتی پتنگ جو کبھی اوپر جاتی ہے تو کبھی نیچے۔ وہ بھی یادوں کی ڈور تھامے ماضی کے آسمان پر ڈول رہی تھیں۔ فاطمہ اور محسن انہیں خاموشی سے سن رہے تھے۔

وہ وقت جب عادلہ' دلہن بن کر اس گھر میں آئیں۔

جب عریشہ ان کی گود میں آئی۔

ایک ساتھ دیکھے دکھ سکھ کے پل۔

دونوں کی شادی آگے پیچھے ہی ہوئی تھی۔ بس عادلہ کو اللہ نے بہت سالوں کے بعد اولاد کی نعمت سے نوازا تھا۔ تب تک وہ خود دو بیٹیوں کی ماں بن چکی تھیں۔

عادلہ کی ان کی اولاد پر لٹائی جانے والی بے تحاشا محبت۔

کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا کہ عادلہ نے یوں رخت سفر بھی باندھ لیا تھا۔

"عادلہ کے جانے سے زیادہ افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ وہ جاتے ہوئے اولاد کا دیا دھوکا اور اپنوں کا بخشا دکھ پوری شدت سے محسوس کر کے گئی ہے۔"

"آپ نے ٹھیک کہا۔۔۔ عریشہ نے بہت برا کیا۔" محسن نے آہستگی سے کہا۔

"عریشہ تنہا قصوروار نہیں ہے محسن! اس عمل میں باقی تمام لوگ بھی اتنے ہی ذمہ دار ہیں جتنی کہ خود عریشہ۔" نبیلہ کا لہجہ تیز ہوا۔

محسن اور فاطمہ کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں۔

فاطمہ کی نگاہ جھک گئی۔ وہ نبیلہ کی بات پوری طرح سمجھ گئی تھی۔۔۔ ان کے والہانہ رویے میں پوشیدہ کھنچاؤ کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا تھا۔

"میں نے فاطمہ کا انتخاب بغیر سوچے سمجھے نہیں کیا تھا۔۔۔ مجھے لگتا تھا کہ فاطمہ ایک سمجھ دار اور باشعور لڑکی ہے۔۔۔ صحیح اور غلط کا شعور رکھتی ہے چاروں بہنوں میں مجھے فاطمہ سب سے الگ لگتی تھی۔ کیونکہ یہ شروع ہی سے میرے اور عادلہ کے زیادہ قریب رہی تھی۔ مجھے لگا کم از کم فاطمہ میں وہ خود غرضی نہیں' جو ہماری خاندانی خصوصیت بنتی جا رہی ہے۔" وہ تلخ سے لہجے میں کہتی چلی گئیں۔

"آپ۔۔۔ آپ۔۔۔" محسن نے چونک کر دیکھا۔

فاطمہ کا سر جھکا تھا مگر گود میں رکھے ہاتھوں پر اک بے آواز تواتر سے آنسو گر رہے تھے۔ محسن نے اک طویل سانس لے کر ماں کو دیکھا۔

وہ فاطمہ کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔

"آپ نے ٹھیک کہا پھپھو! میں بہت بری ہوں۔"

وہ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔۔۔ اس وقت بہانے گھڑنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔۔۔ سوائے اعتراف کے کوئی عمل فاطمہ کو سکون نہیں دے سکتا تھا۔

"فاطمہ! برا انسان نہیں۔۔۔ اس کا غلط عمل ہوتا ہے۔ کاش! میری بہو اس غلط عمل کی حصے دار نہ

بنتی۔"

"پھپھو! میں نے امی سے بہت کہا تھا۔ مگر وہ مانیں ہی نہیں۔ شادی میں اتنے کم دن رہ گئے تھے کہ میں کچھ زیادہ احتجاج بھی نہ کر سکی لیکن اب مجھے لگتا ہے میں نے بہت غلط کیا۔ میں وہ زیور پہننے سے انکار کر دیتی یا کم از کم عادلہ چچی کو بتا ہی دیتی تو انہیں یوں شاک تو نہ لگتا۔"

وہ اب بیچ بیچ رونے لگی تھی۔

"جانے والی تو چلی گئی اور ہمارے پاس صرف "کاش" رہ گئے ہیں۔" نبیلہ نے افسردگی سے کہا۔

"پھپھو! آئی ایم سوری مجھے معاف کر دیں۔"

"بیٹا! میں کون ہوتی ہوں معاف کرنے والی۔ اللہ سے معافی مانگو۔" انہوں نے ذرا آگے ہو کر فاطمہ کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"میں تمہیں یہ سب بھی نہ کہتی... مگر مجھے لگا کہ تمہیں کم از کم اس بات کا احساس ضرور ہونا چاہیے کہ کبھی کبھار کسی غلط عمل کی پردہ پوشی بہت بڑے المیے کو جنم دیتی ہے۔ اور یوں بھی میں اس بات کی قائل ہوں کہ دلوں میں چھپے شکوے اچھے لفظوں میں شیئر کر لیے جائیں تو بر ابلمز نہیں ہوتیں۔"

انہوں نے محسن کو دیکھا۔

وہ مسکرا دیا کہ ہمیشہ کی طرح ماں کی فہم و فراست کا قائل ہو گیا تھا۔

یوں تو سب ہی نبیلہ پر بہت بھروسا کرتے تھے۔ بس اگر نہیں قائل ہوتی تھی تو طیبہ جو جلے پاؤں کی بلی کی طرح پورے گھر میں چکرا رہی تھی۔ جب سے محسن اور فاطمہ نبیلہ کے کمرے میں گئے تھے۔ اسے کھد بد لگی تھی۔ اگرچہ یہ نئی بات نہیں تھی... وہ دونوں اکثر ہی ماں کے کمرے میں پائے جاتے تھے۔ (ایک اسے ہی توفیق نہ تھی کہ وہ گھڑی ساس کے پاس بیٹھ جائے) مگر آج اسے لگتا تھا۔ معاملہ کچھ خاص ہے۔

دروازے سے کان لگانے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سب لوگ اتنے مدھم لہجے میں باتیں کرتے تھے کہ صرف بھنبھناہٹ سنائی دیتی۔

وہ جز بز ہوتی، تلملاتی اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گئی۔

تب ہی جمال آگیا۔

"خیریت تم کسے کچا چبا رہی ہو؟" طیبہ کے چہرے کے تاثرات ہی ایسے تھے کہ جمال کو پوچھنا پڑا۔

"میں نے کسے چبانا ہے۔"

"باقی گھر والے کہاں ہیں؟"

"سٹنگ روم میں..." وہ جل کر بولی۔

"امی کے کمرے میں۔" جمال ہنس دیا۔

"اور کہاں ہوں گے، کمرا بند کر کے تینوں گھس جاتے ہیں۔"

"تو تم بھی چلی جایا کرو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"ہاں۔ وہ مجھے گھاس نہ ڈالیں اور میں خواہ مخواہ اندر گھسوں۔ نجانے کون سے معاملات ہیں۔ جو بند کمروں میں ہی ڈسکس ہو سکتے ہیں۔"

"تم ہر چیز کو نیگیٹو وے میں کیوں لے لیتی ہو... فاطمہ بھی تو ہے وہ تو۔"

"فاطمہ ان کی اپنی ہے اور میں غیر... ہم دونوں کی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے یہ فرق ہی کافی ہے۔" طیبہ جل بھن کر بولی۔

جمال کے پاس اس کے بے بنیاد الزامات کا کوئی جواب نہ تھا۔ تب ہی خاموشی سے باہر نکلنے لگا۔

"اب کہاں؟" طیبہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔

"آف کورس امی کے پاس۔ تم بھی آجاؤ۔"

"آپ جائیں۔" وہ دھپ سے واپس بیٹھی۔

جمال مسکراہٹ دبا تا چلا گیا۔

دستک دے کر اندر گیا تو تینوں نفوس خاموش اور سنجیدہ بیٹھے تھے فاطمہ کی آنکھیں متورم تھیں گویا روتی رہی ہو۔ اس نے چونک کر تینوں کو دیکھا۔

"آؤ جمال بیٹا۔" نبیلہ بدقت مسکرائیں۔

"کیا ہوا؟" جمال نے فاطمہ کو دیکھا۔ جو اسے دیکھ کر سر جھکا گئی تھی۔

"کچھ نہیں، فاطمہ جاؤ بیٹے سب کے لیے چائے بنا

لاؤ۔" انہوں نے شفقت سے کہا تو فاطمہ جلدی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

نبیلہ نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔

جمال کو اچانک عجیب سا احساس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اماں! تائی جملاں اپنی بھینس بیچ رہی ہے؟" کبریٰ دودھ کاڑھنے کے لیے اپلے سلگا رہی تھی... بشریٰ کے سوال پر خود بھی سلگ گئی۔

"ہاں۔ بیچ رہی ہے تو نے خریدنی ہے؟"

"کیوں؟"

"دفع ہو جا بشریٰ! میری جان نہ کھا، سارا دن لوتھا کی و تھا یہاں وہاں دڑکیاں لگاتی ہے... یہ نہیں کہ کوئی ماں کا ہاتھ ہی بٹا دے... ایسی بے شرم اولاد اللہ کسی کو نہ دے... تیری تائی تو پہلے ہی ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھی ہے... یوں کام کرتی ہے جیسے مجھ پر کوئی احسان کر رہی ہو۔"

پھونکنی کی دو چار پھونکوں سے اُپلے سلگنے لگے... دھوئیں کے مرغولے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ جس میں کبریٰ کا چہرہ دھندلانے لگا تھا۔

"بلو کی فیس دینے کے لیے...؟" بشریٰ پر ماں کی پھٹکار کا کوئی اثر نہ ہوا کہ دل تو ٹھکرائے جانے کا زخم سہہ رہا تھا۔

کبریٰ نے پھونکنی نیچے پٹخی اور کھڑی ہو گئی۔

"یہاں میرے سر پر کھڑی بڑبڑ نہ کر۔ کسی کام کو ہاتھ لگا لے۔ چل جا کے دال چن... سارے کے سارے ویلے، نکھٹے۔"

"تائی اسے افسر بنانا چاہتی ہے... ہم سب کو نیچا دکھانا چاہتی ہے اسے لگتا ہے۔ اس کا بیٹا بڑی اونچی شے ہے اسی لیے میرے رشتے کو منع کیا ہے۔" اس کے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ ایک لمحے کو کبریٰ بھی ٹھٹک گئی۔

"تو ابھی تک اسی بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہے... بھلا وہ تیرے قابل بھی تھا... کسی اور کا نہیں۔ چودھری یاسین نے اپنے پتر کا رشتہ دیا ہے تیرے لیے... ارے بلو جیسے تو منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔" کبریٰ نے جھک کر چاٹی اٹھائی اور سلگتے اپلوں پر رکھ دی۔

بشریٰ کو اس رشتے سے کوئی خاص خوشی نہ ہوئی تھی۔

حسد، بغض، اور ٹھکرائے جانے کے غم میں جتلا دل کوئی خوشی محسوس بھی کہاں کر سکتا تھا... وہاں تو صرف دھواں بھرا تھا۔ کڑوا، کاڑھا اور زہریلا دھواں جس نے اس کا پورا جسم نیلا نیل کر دیا تھا۔

"اماں اگر بلو افسر بن گیا تو میں ہر شے کو آگ لگا دوں گی۔"

"جان دے... افسروں کی شکلیں بلو جیسی مسکین اور یتیم نہیں ہوتیں... جس کی شکل دیکھ کر ہی چندہ دینے کو دل چاہے۔" کبریٰ نے بیٹی کو تسلی دی۔

تب ہی باہر کے دروازے سے جملاں اندر آئی۔

"تو بھی... یہ گھر تو سرائے ہے سرائے۔ جس کا جب دل چاہے آ گئے۔ نہ دل چاہے تو نہ آئے۔" کبریٰ نے کمرے طنز سے کہا۔

"ہر وقت مرچیں نہ چباتی رہا کر..." خلاف توقع جملاں مسکرا رہی تھی۔

"خیر ہے... تجھے کون سی خوش خبری مل گئی ہے۔ جو دندیاں باہر آ رہی ہیں۔" کبریٰ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ بشریٰ بھی کینہ توز نگاہوں سے تائی کو دیکھ رہی تھی۔

"بلو سے بات کر کے آئی ہوں۔ خوشی تو ہوگی۔ خیر سے اس نے اپنا ٹیلی فون لیا ہے۔ وہ بغیر تاروالا نہیں ہوتا موبائل۔"

کبریٰ سرخیال کر دودھ کو دیکھنے لگی گویا بات سنی ہی نہیں۔

بشریٰ بھی پاؤں پٹخ کر اندر چلی گئی۔

"آٹا گوندھ لیا، یا میں گوندھوں؟" جملاں

باورچی خانے کی طرف بڑھی۔
"ابھی ہانڈی چڑھانی ہے۔" کبریٰ نے تیکھے انداز میں کہا۔
"اچھا' اچھا۔۔۔ وہ بھی چڑھا دیتی ہوں۔" جمیلاں نے جاتے جاتے کہا۔
"توبہ اس عورت کی ہر سانس اپنے پتر سے بندھی ہے۔ ذرا اس کی طرف سے اچھی خبر آگئی۔ ہواؤں میں اڑتی پھرتی ہے۔"
کبریٰ بڑبڑانے لگی۔ جمیلاں کی خوشی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔



رضوان اس کا دوست تو نہیں البتہ کلاس فیلو تھا۔ اسی کی وساطت سے چند اچھے گھرانوں میں ٹیوشنز مل گئی تھیں۔ فیس بھی معقول تھی۔۔۔ شام کو ایک اکیڈمی میں دو پیریڈ لیتا۔
"سر! میں آپ کی فیس لے کر آتا ہوں۔ سالا نے کہا تھا۔" باسط اپنی کتابیں سمیٹ کر چلا گیا۔ وہ اس کے انتظار میں کلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا۔۔۔ نظروں کے سامنے لش گرین وسیع لان دھوپ میں لشک رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے فواروں سے اچھلتا پانی ماحول کی تازگی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔
"ایسا نہ سہی مگر ایک دن ایک چھوٹا سا خوب صورت گھر ضرور بناؤں گا۔ جس کے کچن میں گیس والے چولہے پر روٹی پکاتے ہوئے ماں کی آنکھیں دھواں دھواں نہ ہوں گی۔"
چوکیدار نے گیٹ کھولا اور گاڑی تیزی سے اندر آئی۔
ابرار لاشعوری طور پر ادھر متوجہ ہوا۔ جدید تراش خراش کے ماڈرن لباس میں ملبوس وہ لڑکی یقیناً" باسط کی بڑی بہن تھی۔ اس کے ساتھ موجود شخص کو دیکھے بغیر وہ پلٹ کر صوفے پر آ بیٹھا یوں تاک جھانک کرنا برا لگتا۔
"سنعیہ! جلدی کرنا' ہمارے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔"
"جسٹ اے مومنٹ' تم بیٹھ کر چائے پیو' میں چینج کر کے آتی ہوں۔"
"او کے۔"
سنعیہ ابرار پر توجہ دیے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔
جبکہ ابرار ثوبان کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔
"تم۔۔۔" ثوبان ٹھٹک گیا۔
"جی! میں یہاں ٹیوشن پڑھانے آتا ہوں۔"
"سنعیہ میری فرینڈ ہے۔" نجانے کیوں ثوبان خود کو چور سا محسوس کر رہا تھا۔
"جی! اور ایسی فرینڈز زندگی میں بہت سی آسانیاں بھی لاتی ہیں' ہے نا؟" نہ چاہتے ہوئے ابرار کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ اس کی نگاہ ثوبان کی نئی شرٹ پر تھی۔
"اٹس مائی پرسنل میٹر۔۔۔ سمجھے۔" ثوبان اس کا طنز پا گیا تھا۔
"سوری۔۔۔" وہ فوراً" مدافعانہ انداز اختیار کر گیا۔
"ویسے تم نے غلط نہیں کہا۔۔۔ یہی بات میں تمہیں بھی سمجھانا چاہتا تھا۔" ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ثوبان نے کہا۔
"میری سمجھ بہت چھوٹی ہے ثوبان بھائی! اس میں اتنی بڑی بڑی باتیں نہیں آتیں۔" ابرار نے جھکتے ہوئے باسط کے ہاتھ سے لفافہ پکڑا۔
"اس سے تمہارا سفر مختصر بھی ہو سکتا ہے۔"
"مجھے لمبا سفر تھکاتا نہیں۔۔۔ بس منزل کا یقین ہونا چاہیے۔" وہ مضبوط لہجے میں کہہ کر چلا گیا۔
"عجیب بے وقوف بندہ ہے۔" ثوبان نے اسے دور تک جاتے دیکھا۔
"کون۔۔۔؟" سنعیہ کی آواز پر وہ چونک کر پلٹا۔ وہ وائٹ ٹراؤزر اور ریڈ ٹاپ میں اس کے عقب میں کھڑی تھی۔
وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلا گیا۔

☆ ☆ ☆

عروشہ نے کتاب بند کر کے میز پر رکھی اور گردن

گھما کر مریم کو دیکھا۔
وہ کمبل اوڑھے بے خبر سو رہی تھی۔
عروشہ کو چائے کی طلب ہونے لگی۔۔۔ ماحول میں سردی کا غلبہ تھا۔۔۔ موسم جاتے جاتے پھر سے پلٹ آیا تھا۔
"کیسی بے خبر سوتی ہے؟" اسے مریم کی بے خبر نیند پر رشک آیا۔
باہر کھٹکا سا ہوا۔ ساتھ ہی بند دروازے کے باہر روشنی سی دکھائی دی۔
"اس وقت کچن میں کون ہو سکتا ہے۔" وہ بیڈ سے نیچے اتری۔ "یقیناً" ثوبان ہو گا۔" وہ دروازہ کھول کر باہر آئی' کچن میں لائٹ جل رہی تھی۔
"آچھی۔۔۔" کوئی زور سے چھینکا۔
عروشہ تیزی سے کچن کی طرف آئی۔ مگر ابرار کو دیکھ ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ بھی کھٹکے پر مڑا اور شرمندہ سا ہو گیا۔
"میں پانی لینے آیا تھا۔" اس نے پانی سے بھرا گلاس سامنے کیا۔ عروشہ نے دیکھا' اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
"تمہاری طبیعت خراب ہے؟"
"جی بخار اور زکام ہے۔"
"تو کوئی دوا لو۔"
"آپ کے پاس کوئی ٹیبلٹ ہو تو۔"
"میں نے کیا دواخانہ کھول رکھا ہے۔" عروشہ نے رکھائی سے کہا۔
"تو پھر پوچھنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔" وہ ذرا سا بڑبڑایا اور چلا گیا۔
عروشہ کا حیرت سے منہ کھلا پھر ہنسی آ گئی۔
"اتنا بھی سیدھا نہیں۔۔۔ جتنا ہم سمجھے بیٹھے ہیں۔"
"تو بھی رات کو اکیلی کچن میں کھڑی ہنس رہی ہو۔ خدا خیر کرے۔" ثوبان کی آواز پر وہ پلٹی۔
"آپ ابھی تک سوئے نہیں۔"
"پڑھ رہا تھا۔۔۔ چائے کا موڈ ہوا تو نیچے آ گیا۔"
"میں بھی اسی ارادے سے آئی تھی۔"
"تو کافی بنا لاؤ۔ کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں۔"
"او کے۔"
ثوبان واپس پلٹ گیا۔ عروشہ نے کافی کے ساتھ ساتھ ایک کپ چائے بنائی۔۔۔ الماری کھول کر بخار کی گولی نکالی۔۔۔ چھوٹی ٹرے میں کپ اور گولی رکھ کر بیٹھک کی طرف آ گئی۔ دروازہ کھلا تھا اور تایا کے خراٹے دروازے سے باہر تک آ رہے تھے۔ دوسرے پلنگ پر ابرار نیم دراز کنپٹی دبا رہا تھا۔
"چائے لو۔"
عروشہ کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور تیزی سے سیدھا ہو گیا۔
عروشہ نے ٹرے اس کی طرف بڑھائی۔
گولی پر نگاہ پڑی تو ابرار مسکرا دیا۔
"شکریہ۔"
"ابھی تو خاصی سردی ہے اور تمہارے پاس تو کمبل بھی نہیں۔۔۔" عروشہ کو پلٹتے پلٹتے خیال آیا۔
"موسم بدل گیا تھا تو ماں نے کمبل تایا" پیٹی میں رکھ دیا۔"
"ہاں صرف تمہارا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی پلٹی' کمرے میں آ کر اپنا کمبل اٹھایا اور لے جا کر اس کی پائنتی پر رکھ دیا اور بنا کچھ کہے واپس مڑ گئی۔
ابرار نے حیرت سے کمبل کو دیکھا۔ پھر مسکرا دیا۔
"نیک دل شہزادی۔"

☆ ☆ ☆

"سارے سیاپے میری جان کو ہیں۔ اب اس بیمار کی خدمتیں الگ کروں۔۔۔ میں نے کیا مسافر خانہ کھولا ہے۔"
کام کرتے ہوئے حمیداں کو بڑبڑانے کی عادت تھی اور آج تو ابرار کے لیے دلیہ بھی بنانا پڑ گیا تھا کہ رات سے بخار میں پھنک رہا تھا۔
"کیا ہوا تائی امی؟" عروشہ کالج جانے کے لیے تیار ہو کر آئی۔

"ہونا کیا ہے، مفت کی مصیبت اور یہ مریم کہاں مر گئی ہے۔ کھانے کے وقت سارے نازل ہو جائیں گے، میری عمر ہے اب صبح سویرے اٹھ کر یہ سیاپے کروں۔" انہوں نے دلیہ پیالے میں انڈیلا۔
"یہ اس مفت خورے کو پکڑا آ۔"
عریشہ نے پیالہ اٹھایا اور چپکے سے کھسک گئی۔ کام کا شوق نہ اسے تھا نہ مریم کو بس مارے باندھے کام کرتیں دونوں۔
"تجھے ہی شوق ہے۔ کیوں نہیں نعمان کی شادی کرتی۔ بہو گھر آجائے تو پھر چارپائی پر بیٹھ کر ناشتے کرنا۔" برکت حسین غسل خانے سے نکل کر کچن میں چلے آئے تھے۔
"توے اور بیٹوں کو شہہ، وہ پہلے ہی ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں۔" انہوں نے پراٹھا زور سے توے پر ڈالا وہ درمیانہ سے پھٹ گیا۔
"ساری عمر گزر گئی۔ آج تک تجھے ڈھنگ کی روٹی بیلنی نہ آئی۔"
عریشہ دلیہ لے کر بیٹھک میں گئی تو ابرار کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔
بخار کی شدت سے چہرہ تمتما رہا تھا۔
"تم کہاں جا رہے ہو۔ اتنا بخار ہے، دوا کھا کر لیٹ جاؤ۔"
"عریشہ بی بی! یہ نخرے ان پر جچتے ہیں۔ جن کے نخرے اٹھانے والے ہوں۔" وہ ہنسا۔ سفید یونیفارم میں صبح کی پہلی کرن جیسی نکھری نکھری لڑکی نے اس کا مزاج خوشگوار کر دیا تھا۔
عریشہ اس کے جواب پر خاموش سی ہو گئی۔
شاید ماں یاد آگئی تھی۔
"یہ دلیہ غالباً میرے لیے ہے۔" اسے سوچ میں گم دیکھ کر ابرار نے اشارہ کیا۔
"جی۔" اس نے جھینپ کر پیالہ آگے بڑھایا۔
"شکریہ۔" ابرار نے تھام لیا۔
"تائی کا ادا کیجیے۔" وہ مسکرائی۔
"میری طرف سے آپ ہی کہہ دیں۔ سچی بات ہے، مجھے تو ان سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر ہی لگتا ہے۔"
"وہ بس زبان کی تیز ہیں ورنہ دل کی بہت اچھی ہیں۔" عریشہ ناگواری سے بولی۔
"انسان کا دل اس کے لہجے سے پہچانا جاتا ہے۔ ورنہ دل میں کس نے جھانک کر دیکھا۔" ابرار کو خود بھی احساس نہ تھا کہ وہ بات کو خوامخواہ بڑھاتا جا رہا ہے۔ لاشعوری طور پر عریشہ کی موجودگی کے لمحوں کو طول دینا چاہتا ہے۔
"تمہارا مضمون فلسفہ تو نہیں۔" وہ چڑ کر بولی۔
"ارے میں تو یونہی کہہ گیا۔ آپ کو برا لگا۔"
عریشہ بغیر بولے تیوری چڑھا کر مڑ گئی۔
ابرار نے بیٹھ کر دلیے کا نوالہ لیا۔ تو فوراً "شکریہ" واپس لینے کو دل چاہا۔ کیونکہ دلیے میں اگر زیادتی تھی تو نمک کی ورنہ تو ہر چیز کی کمی ہی کمی تھی۔



"نابنجارو! اب اپنے اپنے کمروں میں نہ گھس جانا۔ اذان کی آواز سنتے ہی شیطان کی طرح منہ چھپانے لگتے ہو۔ یہ دو قدم کے فاصلے پر مسجد ہے۔" برکت حسین کی آواز پر نعمان جاتے جاتے پلٹا۔ آج جمعہ تھا۔ سو وہ کلاس جلدی بند کر آیا تھا۔
"ابا! خود تو ساری زندگی مسجد کی شکل نہ دیکھی اور ہمیں سنا رہے ہو۔"
واش روم سے باہر نکلتے ابرار نے حیران ہو کر نعمان کو دیکھا۔ وہ کس بدلحاظی سے باپ سے بات کر رہا تھا۔
ابرار تولیے سے سر رگڑتا بیٹھک میں آگیا۔
"بکواس بند کر اوئے۔ یہ تو گھٹنوں کے درد نے مار دیا۔ میں تو جوانی میں جمعہ ہی پڑھ لیتا تھا۔ تمہیں تو وہ بھی نصیب نہیں۔"
"جانے دو ابا! ساری عمر کے بعد تم نے بھی بڑھاپے میں مسجد کی شکل دیکھی ہے۔" وہ تڑاخ سے کمرے میں گھس گیا۔ برکت حسین بڑبڑاتے رہ گئے۔
ابرار ایک نظر انہیں دیکھ کر بال بنانے لگا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"
"جمعہ پڑھنے۔" اس نے آہستگی سے بتایا۔
"ہاں ہاں۔ اچھا یہ ہوتی ہے نیک اور سعادت مند اولاد۔ ورنہ سال تو۔۔۔"
"بس کریں ماموں! کیوں مجھے اس گھر سے نکلوانا ہے۔ نعمان بھائی کا موڈ آج ویسے ہی خراب لگ رہا ہے۔" ابرار نے مسکراتے ہوئے کنگھا واپس رکھا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔
"ہاں۔ اسے کہا تو برا لگ گیا ہے۔ موڈ تو خراب ہوگا ہی۔ ایک ہم تھے، ساری زندگی ان ہی لوگوں پر لٹایا۔"
نعمان کو کمرے میں بھی ابا کی آواز آرہی تھی۔ مگر وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔ دل میں اداسی گہرے پنجے گاڑے بیٹھی تھی۔
عائشہ کے گھر کو تالا لگا تھا۔ ماسٹر صاحب سے پتا چلا کہ وہ اپنے ماموں کے گھر گئی ہے۔ وہ چار دن رکے گی۔
"کیسی عجیب بات ہے۔ اس کا اس شہر میں ہونا ہی میرے لیے سکون کا باعث ہے۔ وہ کہیں ہے تو سارا شہر ہی ویران لگ رہا ہے اور اگر وہ زندگی سے چلی گئی تو۔۔۔ تو کیا ہوگا۔" یہ خیال اتنا دہلا دینے والا تھا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"مریم۔۔۔ مریم!"
مریم اس کی آواز پر بھاگی چلی آئی۔ "جی بھائی!"
"اس دن آمنہ خالہ آئی تھیں ان سے کیا بات ہوئی تھی؟" نعمان کا ذہن ابھی تک آمنہ کے رویے میں اٹکا تھا۔ اس کی چھٹی حس کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔
"پتا نہیں۔ میں تو کچن میں ہی تھی۔ اماں کی ہی بات ہوئی تھی۔" مریم نے حیران ہو کر بتایا۔
"ٹھیک ہے۔ جاؤ۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر لیٹ گیا۔ مریم واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اور عریشہ امتحان کی تیاری کر رہی تھیں۔
"نعمان بھائی کیوں بلا رہے تھے؟" عریشہ نے پوچھا۔
"اللہ جانے۔ جب سے آمنہ بی بی ہو کر گئی ہیں۔ ان کے انداز ہی بدلے ہوئے ہیں۔ سچی بات ہے، مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔"
"دال میں سے کالے پیلے نکالنے کے بجائے تم پیپرز کی تیاری کرو۔ جو بھی بات ہوگی، سامنے آہی جائے گی۔"
"عرشی! ہم لوگ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیں گے؟" مریم نے اشتیاق سے پوچھا۔
"اجازت ملے گی تو لے لیں گے۔" عریشہ نے لاپروائی سے کہا۔
"اور اگر نہ ملی۔"
"تو نہیں لیں گے۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسنے لگی۔
مریم نے اسے گھورتے ہوئے کتاب کھول لی۔



خوب صورت چاندنی میں ڈھلی رات تھی۔ ستارے مدھم مگر چاند خوب روشن تھا۔ فضا میں موجود خنکی جو جسم و جاں پر نشہ انگیز کیفیت طاری کرتی۔ ہوا جو اپنے جھونکوں میں ہمیشہ خوشبو چرا لاتی۔ خوشبو جو ان کہی کو کہی میں بدل دیتی۔ بند لبوں کا سندیسہ دوسرے کے دل تک پہنچا دیتی۔ سامنے چھوٹی دیوار پر دو گملے رکھے تھے جس میں سے اٹھتی کلی کی مہک اور بھاپ دونوں ہی معدوم ہونے کو تھیں۔
وہ ایک ہاتھ دیوار پر ٹکائے ذرا سا چہرہ اوپر اٹھائے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے کھلے بال ہوا کی شرارت سے ہولے ہولے لہرا رہے تھے۔
"کیا سوچ رہی ہو؟"
"چاند کتنا قریب لگ رہا ہے۔"
"ہاں۔ وہ تو ہے۔" عریشہ نے رخ موڑ کر اسے دیکھا اور جھینپ گئی۔ ثوبان اسی کو دیکھ رہا تھا۔
"اور خوب صورت بھی۔" وہ شرارت سے بولی۔
"ہاں وہ تو ہے۔" ثوبان سابقہ انداز میں گویا ہوا۔
"بہت مقدس اور ان چھوا سا۔"

"ہاں وہ تو ہے۔" ثوبان نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھونا چاہا۔۔۔ وہ کترا گئی اور مگ اٹھا کر ثوبان کی طرف بڑھایا۔

"کافی تو ٹھنڈی ہو گئی۔"

ثوبان نے اسے گھور کر مگ تھام لیا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

پانی پی کر اپنے بستر کی طرف جاتی حمیدہ اماں چونک گئیں۔ انہوں نے رک کر کمرے میں جھانکا۔

عرشیہ کا بستر خالی تھا۔

وہ مسکرا کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

فکر ہوتی بھی تو کیوں؟

ان کی اپنی بیٹی سکون سے سو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بہت گہرا کنواں تھا' اتنا گہرا کہ جب بھی جھک کر دیکھو۔۔۔ نگاہ گھنی تاریکی سے ٹکرا کر لوٹ آتی۔ اس نے ڈول کنوئیں میں پھینکا۔

بہت دور جا کر وہ پانی کی سطح سے ٹکرایا اور ڈوبا۔

وہ دیوانہ وار رسی کھینچنے لگا۔ ڈول اتنا بھاری ہو چکا تھا کہ وہ ہانپ ہانپ گیا۔

پیاس سے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور رسی تھی کہ کھینچی نہیں جا رہی تھی۔ اس کی ہتھیلیاں چھلنے لگیں تب کہیں جا کر ڈول اس کی پہنچ تک آیا۔

اس نے بے تابانہ پانی پینا چاہا مگر ششدر سا رہ گیا۔

ڈول بالکل خالی تھا۔ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔

ڈول اس کے ہاتھوں سے پھسلا اور دور بہت دور جا کر پانی کی سطح سے ٹکرایا۔

ابرار ایک دم نیند سے اٹھ بیٹھا۔

گرمی اور حبس' جسم کے ایک ایک مسام سے بہتا پسینہ۔

اس نے حیرت سے اپنی ہتھیلیاں دیکھیں۔ جن میں اب بھی درد ہو رہا تھا۔

اس نے گردن موڑ کر برکت حسین کی طرف دیکھا۔ وہ منہ کھولے گہری نیند میں تھے۔

کمرے کی فضا میں اتنی گرمائش تھی کہ وہ چادر اتار کر بے اختیار ننگے پاؤں باہر نکل آیا۔

کھلی فضا میں لمبے لمبے سانس لینے سے طبیعت کچھ بحال ہوئی۔

واپس کمرے میں جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔۔۔ ذہن اسی خواب میں الجھا تھا۔

"یہ تشنگی' یہ پیاس ہی میرا مقدر ہے؟" اس نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے سوچا۔

"کیا میری کوششیں کبھی بار آور ثابت نہ ہوں گی۔" چھٹی سیڑھی پر مایوسی نے سر اٹھایا۔

"نہیں مجھے ناامید نہیں ہونا۔ میری کوشش' میرا ارادہ کمزور سہی۔ مگر میری ماں کی دعائیں اور میرے رب کی رحمت بے پایاں ہے۔" آٹھویں اور آخری سیڑھی پر اس نے اپنی مایوسی کو کچلنا چاہا۔ مگر رک گیا۔ قدم اپنی جگہ منجمد ہو گئے۔

سامنے چاندنی میں دھلی رات تھی۔

رات کی تاریکی میں مدغم ہوتے دو سائے۔۔۔ جو ایک دوسرے سے دور کھڑے ہوا کے آنچل پر سرگوشیاں کاڑھتے۔

ایک شوخ حرف' نرم ہنسی۔

ہنسی کے تھال میں گرتے چاندی کے سکے۔

وہ خاموشی سے واپس لوٹ آیا۔

ہتھیلیوں میں پھر سے درد اٹھنے لگا تھا۔

نجانے کیوں؟

مگر اک درد دل میں بھی جاگ اٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

رو رو کے جمیلاں نے اپنی آنکھیں سجا لی تھیں۔ بین تھے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتے۔

اس کی بھینس مر گئی تھی۔ کسی نے اس کے چارہ میں زہریلی دوا ملا دی تھی۔ گاؤں کا گاؤں افسوس کے لیے امڈ آیا تھا۔ کبریٰ سب کو لسی پانی دیتے دیتے عاجز آ گئی تھی۔

"ہم تو اس سے بھینس خریدنے والے تھے۔۔۔ اصغر نے تو پیسے بھی اکٹھے کر لیے تھے۔"

"کسی دشمن کی چال ہے۔۔۔ میں تو کہتی ہوں جمیلاں! چوہدری کو بلاؤ' پولیس کو خبر کرو' یہ کوئی چھوٹا جرم تو نہیں۔" کسی ہمسائی نے مشورہ دیا۔

کبریٰ گھبرا کر اٹھی اور اندر چلی گئی۔

"ارے رہنے دو بہن! ہمیں نہیں پڑنا ان پولیس کچہریوں کے چکر میں۔" کبریٰ نے ترخ کر کہا۔

"تیری بھینسیں بھی ادھر ہی تھیں۔ آخر اس بچاری کے ساتھ ہی یہ ظلم کیوں ہوا؟" ہمسائی چمک کر بولی۔ "اس کی تو آخری پونجی بھی لٹ گئی۔"

گم صم بیٹھی جمیلاں کے کمزور وجود میں پھریری سی اٹھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اپنی ہمدرد کو دیکھا۔

"میری پونجی تو میرا ابرار ہے۔ جلیسہ! یہ تو اس کے سر کا صدقہ نکل گیا۔۔۔ دشمنوں کو لگتا ہے وہ اس طرح میرے بیٹے کی راہ روک لیں گے۔۔۔ ایسا نہیں ہو گا۔ تو دیکھنا انہی گلیوں میں وہ اپنی گڈی میں بیٹھ کے آئے گا اور دشمن منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"پر تو کھوجی۔۔۔"

"نہیں' میں نے اپنا حساب اللہ پر چھوڑا۔ وہ خود ہی انصاف کرے گا۔ تو دیکھنا میرے جیتے جی کرے گا۔"

اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ کبریٰ اندر ہی اندر کٹ کر رہ گئی۔

لوگ ایک ایک کر کے آتے رہے' جاتے رہے۔

گھر خالی ہوا تو جمیلاں سر شام اپنے کمرے میں گھس گئی۔

اس کا دکھ کم ہونے میں ہی نہ آ رہا تھا۔

اصغر خود عاجز آ گیا تھا۔ رات کو کبریٰ پر برس پڑا۔

"جانتا ہوں۔۔۔ تجھے بڑا جلاپا ہے۔ پر ایسی بھی کیا دشمنی۔۔۔ لے کے ایک بے زبان جانور کو مار ڈالا۔"

"کے۔۔۔ کیا کہہ رہا ہے تو؟" کبریٰ ہکا بکا رہ گئی۔

"تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔ پر اب جو تو نے کیا ہے۔۔۔ یاد رکھ رب بھی نہیں بخشے گا۔"

"ہوش کی دوا لے اصغر! تو مجھ پر الزام لگا رہا ہے۔" وہ تڑپ اٹھی۔

"میں نے کھرا کیوں نہیں نکلوایا؟ پتا تھا مجھے یہ کھرا میرے گھر تک آئے گا۔"

"خدا کا خوف کر' کیوں اپنی طرف سے گھڑتا جا رہا ہے۔ ہاں مجھے زہر لگتا ہے جلو۔ اس کی پڑھائی۔ پر سچ کے ساتھ میری کیا دشمنی تھی۔"

"بہت برا کیا تو نے کبریٰ' بہت ہی برا۔" وہ تاسف سے سر ہلاتا چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔

کبریٰ غصے سے اسے گھورتی رہ گئی۔ جیسے سمجھ نہ پا رہی ہو۔ وہ اصغر کی غلط فہمی دور کرے بھی تو کیسے۔

☼ ☼ ☼

"یہ تو ظلم ہے۔" نبیلہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ابرار نے چائے کے کپ سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا۔

"یہاں تو ہر روز انسانوں کو زہر پلایا جاتا ہے۔۔۔ خالہ! آپ ایک جانور کے لیے پریشان ہو رہی ہیں۔"

"پھر بھی ابرار بیٹا۔"

"چھوڑیں خالہ! انہیں لگتا ہے کہ وہ اس طرح میرا رستہ روک لیں گے۔"

"کیسی عجیب بات ہے۔ یہ تمہارے اپنے ہیں؟"

"میں اپنے گھر سے خالی ہاتھ نکلا تھا خالہ۔۔۔ صرف اس ذات کے آسرے پر۔۔۔ مجھے اب بھی یقین ہے۔۔۔ رستہ کٹھن سہی مگر ان شاء اللہ منزل ضرور ملے گی۔ بس اماں نے بہت ٹینشن لے لی ہے۔"

نبیلہ اس باہمت نوجوان کو دیکھ کر رہ گئیں۔ دوسرے لمحے وہ ایک فیصلہ کر چکی تھیں۔

"سنو ابرار بیٹا! میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔۔۔ اس دنیا میں اچھے برے سب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ مگر ایک انسان ہی دوسرے انسان کا آسرا بنتا ہے۔ تمہاری خودداری مجھے بہت عزیز ہے۔ مگر میں نے تمہیں بیٹا کہا ہی نہیں سمجھا بھی ہے۔۔۔ اور ماں بیٹے میں کوئی انا نہیں ہوتی۔"

ابرار کسی حد تک ان کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔ تم یہاں میرے پاس شفٹ ہو جاؤ۔ کچھ دنوں تک جمال اور طیبہ واپس چلے جائیں گے۔ میں سمجھوں گی میرا ایک بیٹا گیا تو دوسرا آ گیا۔"

"لیکن خالہ۔" وہ متذبذب تھا۔

"ابرار! وہاں تمہیں سازگار ماحول نہیں ملے گا۔ تم یہاں سکون سے پڑھ سکتے ہو۔"

"خالہ! جب مجھے وہاں رہنا مشکل لگا تو میں آپ ہی کے پاس آؤں گا۔"

"وعدہ کرتے ہو؟"

"جی۔" وہ کھل کر مسکرا دیا۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس نے نبیلہ کی بات کیوں نہیں مانی۔



بے پایاں خوشی کا احساس دل میں گھر کر گیا جب نعمان نے پورے پانچ دنوں کے بعد اس گھر کا دروازہ کھلا دیکھا۔ یہ تو وہی جانتا تھا کہ یہ پانچ دن اس کے لیے پانچ صدیوں کے برابر تھے۔

اس نے بے اختیار دروازے پر دستک دی۔

وہ اس وقت سب کچھ بھول گیا تھا۔ آمنہ خاتون کے لہجے کا روکھا پن بھی دروازہ انہوں نے ہی کھولا۔

"اندر آ جاؤ۔" اس کے سلام کا جواب دے کر انہوں نے سنجیدگی سے کہا اور رستہ چھوڑ دیا۔ چھوٹا سا صحن عبور کر کے کمرے میں بیٹھنے تک اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکتی رہی تھیں۔

"بیٹھو۔"

وہ خود بھی سامنے بیٹھ گئیں۔

"آپ لوگوں نے بہت دن لگا دیے۔"

"جانا بھی تو بہت عرصے کے بعد ہوا تھا۔ میرا بھائی تو اب بھی نہ آنے دے رہا تھا۔ عائشہ کے اسکول کا مسئلہ نہ ہوتا تو شاید کچھ دن اور رک جاتے۔" وہ مسکرائیں۔

نعمان نے شکر کیا۔

"چائے پیو گے؟"

ان کا انداز ایسا تھا کہ جیسے نعمان کو انکار ہی کرنا چاہیے۔ مگر اس نے ڈھٹائی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"عائشہ بیٹا! چائے لے آؤ۔" انہوں نے اونچی آواز میں کہا۔

نعمان کا پورا دھیان بلیز پر جا بیٹھا۔

"گھر میں سب خیریت ہے۔"

"جی۔ بالکل۔" وہ چونکا اور کھسیا کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ دل ہی دل میں خود کو سرزنش بھی کی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہی؟"

"ارے بیٹا! انسان سب علیہ فرض ادا کر دے تو ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔"

"جی بالکل۔" نعمان نے بالکل دھیان نہ دیا کہ وہ کس فرض کی بات کر رہی ہیں۔ اس کی ساری توجہ اندر آتی عائشہ کی طرف ہو گئی۔ جو غالباً پہلے ہی چائے بنا چکی تھی۔

"کہاں تو میں عاشی کے لیے اتنا پریشان تھی اور کہاں اللہ نے ایک پل میں سب بنا دیا۔ منگنی چھوڑ نکاح ہی کر دیا۔" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے خود ہی بتا دیا۔

ہاتھ نعمان کا لرز اٹھا عائشہ کا۔

مگر چائے سفید کرتے کو داغ داغ کرتی چلی گئی۔

"اوہ تمہارے تو کپڑے خراب ہو گئے۔"

ان کا انداز سراسر مصنوعی تھا۔ عائشہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"نکاح؟ کس کا نکاح؟" نعمان کھڑا ہو گیا تھا۔

"اپنی عائشہ کا۔ اس کے ماموں کے جاننے والے تھے، سارا انتظام بھی انہوں نے ہی کیا۔" نعمان کا پورا وجود گہرے سناٹے میں ڈوب گیا۔

وہ صرف آمنہ کے ہلتے لب دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے عائشہ کو دیکھا۔ وہ گردن جھکائے چائے کی پیالی میں جھانک رہی تھی۔ وہ اس کے تاثرات نہ دیکھ سکا۔

"مبارک ہو آپ کو۔" ایک اجنبی سی آواز اس کے لبوں سے نکلی اور وہ عائشہ کے قریب سے نکلتا چلا گیا۔

آمنہ اپنی جگہ پر ڈھے سی گئیں۔

عائشہ نے ایک شاکی سی نگاہ ماں پر ڈالی اور تیزی سے پلٹ گئی۔



عرشیہ نے دو مگ ٹرے میں رکھے۔ کافی کی مہک اور ثوبان کی باتیں اب نشے کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔ ایک دن بھی ناغہ ہوتا تو ساری رات نیند نہ آتی۔ محبت کی خوب صورت وادیوں میں ثوبان کا ہاتھ تھام کر وہ اتنی دور نکل چکی تھی کہ واپسی یا دوری کا تصور تو ایک طرف شائبہ تک نہ تھا۔ ٹرے اٹھا کر ہولے ہولے گنگناتی وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

ٹھٹھک کر رک گئی۔

مگ آپس میں ٹکرائے اور کافی ٹرے میں چھلک گئی۔

وہ سیڑھیوں پر ایک سائے کی صورت بیٹھا تھا۔

"تم۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" عرشیہ نے اپنے دھڑدھڑاتے دل کو سنبھالا۔

"کچھ نہیں۔ اندر گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے یہاں آ کر بیٹھ گیا۔" ابرار نے سادہ سے لہجے میں وضاحت دی۔ حالانکہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ کچن میں ہوتی کھٹ پٹ پر وہ کیوں اتنا بے چین ہوا کہ اسے یہاں آ کر بیٹھنا پڑا۔

"اب رستہ دو گے؟" وہ چڑ گئی۔

وہ خاموشی سے اٹھا۔ ایک ایک سیڑھی اترتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"میں کون ہوتا ہوں۔ آپ کا رستہ روکنے والا۔ لیکن عرشیہ۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے پہلی بار عرشیہ کا نام لیا تھا۔

"کیا ٹھیک نہیں ہے۔"

"مرد اور عورت کی تنہائی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔" وہ اتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کہہ گیا کہ ایک پل کے لیے خود بھی ٹھٹک سا گیا۔

"تم۔ تمہاری یہ جرأت۔" غصے سے عرشیہ کانپ کانپ گئی۔

"ڈونٹ شش۔" ابرار نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ "آپ کو پروا نہیں لیکن مجھے آپ کی عزت بہت پیاری ہے۔"

عرشیہ نے بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ دروازے پر زور سے دستک ہوئی۔

عرشیہ جانتی تھی کہ آنے والا نعمان ہو گا۔ تب ہی غصے سے ابرار کو گھورتی تیزی سے اوپر چلی گئی۔

ابرار نے تاسف سے اسے جاتے دیکھا اور جا کر دروازہ کھول دیا۔

نعمان کوئی بھی بات کیے بغیر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔



کچھ وقت خاموشی سے کھسک گیا۔

عرشیہ کا اور کرائے پر چڑھا دیا گیا تھا۔

بی اے کے بعد دونوں نے بی ایڈ میں ایڈمیشن لے لیا۔ جس پر مریم نے خاصا واویلا کیا۔ کیونکہ وہ ماسٹرز کرنا چاہتی تھی۔ مگر اجازت ہی نہیں ملی۔ ثوبان کا ایم بی اے مکمل ہوا تو فوراً ہی جاب مل گئی۔ جس پر حمیداں فخر سے گردن اکڑائے پھرتی تھیں کہ ان کے بیٹے کو بغیر سفارش کے نوکری مل گئی۔ یہ صرف ابرار جانتا تھا کہ وہ منیبہ کے والد کی کمپنی میں جاب کر رہا ہے۔ خود ابرار کا سفر اس کی محنت اور نبیلہ کی مدد سے منزل کے قریب تر ہو رہا تھا۔ اسے وہ وقت دور نہ لگتا جب وہ اپنی ماں کو شہر میں چھوٹے مگر خوب صورت گھر میں رکھے گا۔

گزرتے وقت سے نعمان کو صرف خاموشیاں ملی تھیں۔ اس کے بعد حمیداں نے کبھی اس کے منہ سے شادی کا لفظ نہ سنا تھا۔ اس کے اندر کیا تھا۔ یہ اس کی ماں نہیں جان سکتی تھی۔

عرشیہ اور مریم نے جس بی ایڈ کالج میں ایڈمیشن لیا۔ وہاں کو ایجوکیشن تھی۔ کلاس میں ایک طرف لڑکے بیٹھتے دوسری طرف لڑکیاں۔ عرشیہ نے کبھی یہ بات

نوٹ نہیں کی کہ مریم ہمیشہ اسی رو میں کیوں بیٹھتی ہے، جو لڑکوں کی قطار سے قریب ہوتی۔ دوسری طرف سارے لڑکے مریم کے قریب والی سیٹ فہد کے لیے کیوں چھوڑ دیتے تھے اور یہ بھی کہ مریم کالج جانے سے پہلے اتنی تیاری کیوں کرتی تھی۔ اسے تو زندگی میں دو چیزوں سے دلچسپی تھی۔

اپنی پڑھائی اور ثوبان۔

حالانکہ حمیداں اکثر دبے لفظوں میں جتا چکی تھیں کہ اسے اتنا پڑھا کر کیا کرنا ہے۔ مگر اس معاملے میں پھپھو نے تائی کی چلنے دی نہ عرشہ کی۔ ہمیشہ عادلہ کی مثال سامنے رکھتیں۔ جس نے مشکل حالات میں جاب کے ذریعے اپنی اور بیٹی کی کفالت کی۔

دونوں کالج سے واپس آئیں تو بانو آئی بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم بانو آپا۔"

مریم کی تو یوں بھی بانو سے کبھی نہ بنی تھی۔ بس مارے باندھے رکی۔

بانو نے ناقدانہ نظروں سے مریم کا جائزہ لیا۔

"یہ تم ٹیچنگ کا کورس کر رہی ہو یا بیوٹی پارلر کا؟"

"بیوٹی پارلر کا۔" مریم بے دھڑک کہتی کمرے میں چلی گئی۔ عرشہ تاسف سے سر ہلاتی پیچھے گئی تھی۔

"اماں! دیکھ رہی ہو۔ اس کے تیور۔"

"شروع ہی سے ایسی ہے۔" حمیداں نے لاپروائی سے کہا۔

"شروع سے نہیں ہے۔ اب اس کے لچھن بدل رہے ہیں۔ کچھ چارہ کرلو۔ ورنہ سر پکڑ کر روؤ گی۔" بانو نے ڈرانا چاہا۔

"چارہ میں نے کرنا ہے۔ تم تینوں کیا سسرال میں بیٹھی پونیاں کات رہی ہو۔ کرو کوئی چارہ۔ میں اب اس عمر میں کہاں کہاں دھکے کھاؤں۔ یہ ایک رہ گئی ہے۔ کچھ کر کرا کے میرے سر سے بوجھ اتارو۔" حمیداں بیزاری سے بولیں۔

"لائی تو تھی رشتہ۔ اب تم لوگوں کو پسند ہی نہیں آیا تو میں۔"

"اسے نہیں مانتی تمہارے دیور کے لیے تو میں کیا کروں۔ کہتی ہے وہ کریلے کی شکل والا میرے لیے ہی رہ گیا ہے۔"

"تو خود کیا ہے۔ کالی توری۔ اس کے لیے کون سا شہزادہ آئے گا۔" بانو کو تاؤ آگیا۔

"اب کیا کروں، چار جماعتیں تو پڑھ لی ہیں۔"

"ہاں اور پڑھاؤ۔ استانی بن گئی تو کون سا کسی پروفیسر کا رشتہ آئے گا اس کے لیے۔" بانو کا طنزیہ لہجہ سنتے ہی مریم کمرے کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

"آ بھی سکتا ہے۔ تم میرے لیے زیادہ پریشان نہ ہوا کرو۔" وہ بد لحاظی سے گویا ہوئی۔

"توبہ۔ کیسی گز لمبی زبان ہے۔ ایسی زبان والیاں سسرال میں نہیں بستیں۔"

"تم بس گئیں تو میں بھی بس جاؤں گی۔"

"جاؤ گی تو دیکھوں گی۔ مجھے تو لگتا ہے ساری عمر ماں باپ کے سینے پر مونگ ہی دلو گی۔"

"تمہارے سینے پر تو نہیں دلوں گی۔"

حمیداں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ دونوں میں سے چپ کروائیں تو کس کو۔

عرشہ گھبرا کر باہر نکلی اور مریم کو بازو سے پکڑ کر لے گئی۔

"یہ بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"تم مجھے طریقے مت سکھاؤ۔" مریم غصے سے بازو چھڑا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"تم بانو آپا سے اتنا چڑتی کیوں ہو۔ بڑی بہن ہیں۔"

"اپنے دیور کے لیے میرا رشتہ مانگتی ہیں۔"

"تو۔۔۔؟ اچھا خاصا ہے۔"

"تو تم کروالو۔"

"تم بھی نا۔" عرشہ ہنستی ہوئی سامنے بیٹھی۔

"ہاں۔ تم نے تو آرام سے میرے بھائی پر نظر رکھی ہے۔ اور میرے لیے رہ گیا۔ بانو آپا کا دیور۔" مریم نے گویا کونین چبالی۔

"فضول تو مت بولو۔" عرشہ کو برا لگا، اٹھ کر باہر نکل گئی۔ جہاں بانو برقعہ پہنے جانے کو تیار تھی۔

"ارے بانو آپا! آپ کہاں جا رہی ہیں۔" عرشہ

بوکھلا کر اسے روکنے لگی۔

"بس رہنے دو۔ بڑی بے عزتی کروالی۔ اور بتا دینا اس بینگن کے منہ والی کو، میرا دیور بھی اس کے انتظار میں نہیں بیٹھا۔ ایک ماہ کے اندر اندر اس کی شادی نہ کی تو میرا نام بانو نہیں۔" وہ منہ پر ہاتھ پھیرتی باآواز بلند کہتی چلی گئی۔

"شکر ہے۔" مریم باہر نکلی۔ حمیداں نے کھا جانے والی نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔

"تیرے کلیجے میں تو ٹھنڈ پڑ گئی۔"

"جی۔" وہ ڈھٹائی سے کہہ کر کچن میں گھس گئی۔ کالج سے آ کر کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

"اللہ معاف کرے۔ سگی بہنیں ہیں۔ مگر انداز سارے دشمنوں والے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی عرشہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور جھنجلا کر بولیں۔

"اب تو میرے سر پر کھڑی کیا کر رہی ہے۔ جا کر کھانا کھالے۔"

عرشہ کان دبا کر کھسک لی۔ تائی خاصی غصے میں تھیں۔ کچن میں مریم گنگناتے ہوئے کھانا نکال رہی تھی۔ گویا اس پورے ہنگامے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔



"عرشی! میں چاہتی ہوں۔ اب تمہاری شادی ہو جائے۔" نبیلہ کی بات پر فریج فرائز کھاتی عرشہ نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا۔ وہ آج صبح سے ان کی طرف آئی ہوئی تھی۔ حمیداں کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ نبیلہ کی طرف نہ جانے پائے مگر نبیلہ کا دل جب بھی چاہتا اپنے پاس بلا لیتیں۔

"تم نے کچھ کہا نہیں۔" نبیلہ نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی تھی۔

"میں کیا کہوں؟ تایا جان اور تائی جی کو پتا ہو گا۔" اس نے بظاہر لاپروائی سے کہا۔ مگر لبوں پر مسکراہٹ سی آگئی۔ جب سے ثوبان کی جاب ہوئی تھی۔ اس کے سپنے کچھ اور رنگین ہو گئے تھے۔

"انہیں پتا ہوتا تو دکھ کس بات کا تھا۔" نبیلہ بڑبڑائیں۔

"بہرحال ایک دو رشتے ہیں میری نظر میں۔ کسی دن آتی ہوں بات کرنے۔"

"مگر پھپھو۔۔۔" عرشہ نے پلیٹ ہاتھ سے رکھ دی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو۔۔۔؟"

"میرا مطلب ہے باہر رشتے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ تائی ہمیشہ۔" وہ جھجک گئی۔

"کیا ہمیشہ۔۔۔؟"

"میں اور ثوبان۔۔۔" عرشہ نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نبیلہ کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ شاید ذہن میں عادلہ کی باتیں گونجنے لگی تھیں۔ عادلہ کبھی بھی عرشہ کی شادی اس گھر میں کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔

"انہوں نے تم سے کبھی بات کی؟"

"وہ تو اکثر ہی ذکر کرتی ہیں۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے؟"

"وہ ثوبان پہلے سیٹ ہونا چاہتا تھا۔" عرشہ کا لہجہ و انداز صاف بتا رہا تھا کہ وہ خود کس حد تک انوالو ہے۔

"شاید ان حالات میں یہی مناسب ہو۔" نبیلہ نے سوچا۔

"اب تو اس کی جاب بھی ہو گئی ہے۔ وہ خود بھی باہر جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اب تو دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

"باہر کون جا رہا ہے؟" عرشہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ثوبان ہی پلاننگ کر رہا ہے۔ تم سے ذکر نہیں کیا؟"

"نہیں تو۔ آپ کو مغالطہ ہوا ہو گا۔"

"نہیں بھئی۔ ثوبان نے خود جمال سے ساری انفارمیشن لی تھی۔"

"اچھا!" وہ اب بھی بے یقین تھی۔ تب ہی فاطمہ چلی آئی۔ اس کے ہاتھ میں زیور کا ڈبہ تھا۔

"پھپھو۔۔۔"

"او فاطمہ ــــ" وہ فاطمہ کے ہاتھ میں ڈبہ دیکھ کر سمجھ گئی تھیں کہ وہ کس مقصد کے لیے آئی ہے۔

"پھپھو! یہ عرشہ کا زیور ــــ میں مزید یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔" اس نے ڈبہ عرشہ کی طرف بڑھایا۔ عرشہ بدک کر پیچھے ہوئی۔

"نہیں فاطمہ آپی! یہ زیور نہیں۔ زہر ہے، جو میں نے اپنے ہاتھوں اپنی ماں کو دیا تھا۔"

"ایسا مت کہو عرشی! یہ زیور نہیں۔ تمہاری ماں کے ارمان ہیں۔" نبیلہ نے سمجھایا۔

"پھپھو! انہیں آپ اپنے پاس رکھیں۔ عرشہ کی شادی پر دیجیے گا۔"

"آپ نہیں جانتیں۔ میں جب جب یہ زیور دیکھوں گی۔ تب تب اپنی غلطی یاد آئے گی۔" وہ رونے لگی۔

"بس بچے! اب رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔" نبیلہ نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"فاطمہ! اگر تم لوگوں کا ارادہ ثوبان اور عرشہ کی شادی کا ہے تو انتظار کس بات کا ـــ؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں پھپھو! امی کو پتا ہوگا۔"

"اچھا میں آتی ہوں کسی دن اور اس سلسلے میں بات کرتی ہوں۔" وہ عرشہ سے مخاطب تھیں۔ عرشہ کا ذہن پھر سے ثوبان کے باہر جانے پر اٹک گیا۔

"آخر ثوبان نے مجھ سے اتنی بڑی بات کیوں چھپائی؟"



مریم کو ہمیشہ سے ثوبان کی یہ عادت زہر لگتی تھی کہ وہ کھانے کا کہہ کر اوپر چلا جاتا ــــ وہ ہمیشہ بڑبڑاتی۔ مگر اب یہ ڈیوٹی آرام سے عرشہ نے سنبھال لی تھی۔

"ایک تو اماں نے شروع سے انہیں سر پر چڑھایا ہے۔ اوپر سے تم ان کے نخرے اٹھاتی رہا کرو۔ مستقبل میں مسئلہ ہو جائے گا۔"

اسے ٹرے سجاتے دیکھ کر مریم نے کہا۔ تو وہ ہنس دی۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"ایسے کون سے لاٹ صاحب ہیں۔ جو کچن میں آ کر کھانا نہیں کھا سکتے۔ ایک تو کر تو مستقل ان ہی کے لیے چاہیے۔ باہر چلے گئے تو خود پکا کر کھانا پڑے گا۔"

عرشہ نے چونک کر مریم کو دیکھا۔ گویا اس کے سوا سب ہی اس بات سے باخبر تھے۔ پھر ٹرے اٹھا کر اوپر چلی گئی۔ ثوبان فریش ہو کر نکلا تھا۔ عرشہ نے ٹرے اس کے سامنے پٹخی۔

"خیریت! موڈ کیوں خراب ہے؟"

"آپ آج کل ہوتے کہاں ہیں؟"

"تمہیں بھی پتا ہے۔ نئی نئی جاب ہے۔" اس نے کف الٹا۔

"اور باہر جانے کی تیاری بھی تو ہے۔ مصروفیت تو ہو گی۔" ثوبان نے بغور عرشہ کو دیکھا۔

"تو تمہیں پتا چل گیا۔"

"آپ کو چھپانا تھا اور وہ بھی صرف مجھ سے۔" وہ برہم تھی۔

"عرشی! تم سے چھپا کر میں نے کہاں جانا ہے۔ بیٹھو، بیٹھ کر بات کر لو۔ تم تو تلوار سونت کر کھڑی ہو گئی ہو۔"

عرشہ نروٹھے پن سے بیٹھ گئی۔

"میں کون سا ابھی جا رہا ہوں ــــ ابھی تو صرف خیال ظاہر کیا ہے۔ باہر جانے کے لیے ڈھیر سارے پیسے لگتے ہیں۔"

"اچھی بھلی آپ کی جاب چل رہی ہے' آپ نے باہر جا کر کرنا بھی کیا ہے۔"

"یہ جاب مجھے وہ سب نہیں دے سکتی جو میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"دراصل ثوبان! آپ کے خوابوں کی اڑان ہے ہی بہت اونچی ــــ ورنہ پڑھ لیا' جاب مل گئی۔ اب اور کیا چاہیے۔"

"میں آسمان چھونا چاہتا ہوں' عرشہ! زندگی میں یہی سب کچھ نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک کہا ــــ زندگی میں اور بھی بہت کچھ ہے۔

لیکن سب کچھ ہمارے لیے نہیں ہوتا۔"

"کیوں ان کے سروں پر سینگ ہیں۔ جو بڑی گاڑیوں میں گھومتے اور شاندار بنگلوں میں رہتے ہیں۔"

عرشہ نے اسے دیکھا وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

"امی کہتی تھیں انسان کو اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے نصیب میں لکھا ہو۔ یا جتنے کے لیے وہ محنت کرے اور کوشش کرے۔"

"میں کوشش ہی تو کر رہا ہوں۔"

"کامیابی کے پیچھے اتنا بھی نہیں بھاگنا چاہیے کہ ساتھ چلنے والے پیچھے رہ جائیں۔" عرشہ کھڑی ہو گئی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"میرے اور آپ کے درمیان جو بے نام سا تعلق ہے' اسے نام دینا چاہتی ہوں۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے آہستگی سے کہہ دیا۔

"لیکن ابھی تو ــــ"

"پھپھو کسی دن آئیں گی یہ بات کرنے۔"

"پھوپھو سے تم نے بات کی؟" ثوبان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں وہ خود ہی کہہ رہی تھیں۔"

"ہوں۔ دیکھتے ہیں۔" اس کا انداز مبہم سا تھا۔ عرشہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور غصے سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں مصیبت کیا ہے؟" لیکچر نوٹ کرتی عرشہ نے مریم کو ٹہوکا دیا۔ وہ کب سے اپنی نشست پر بے چین بیٹھی تھی۔ مجال ہے جو ایک لفظ بھی نوٹ کیا ہو۔ دھیان کھڑکی سے باہر تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ بس ذرا دیر ہی سکون سے بیٹھی۔ پھر تیزی سے کھڑی ہو گئی۔

"سر! میں تھوڑی دیر کے لیے کلاس سے باہر جا سکتی ہوں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

عرشہ نے حیرت سے مریم کو دیکھا۔ سر نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی اور اجازت دے دی۔ کلاس ختم ہونے میں دس منٹ رہتے تھے۔

"کہاں جا رہی ہو؟" عرشہ نے اشارے سے پوچھا۔

"واش روم ــــ" مریم نے سرگوشی میں کہا اور بیگ اٹھا کر چلی گئی۔ دس منٹ گزر گئے' کلاس ختم ہو گئی۔ مریم واپس نہیں آئی۔ اسٹوڈنٹس باہر نکلنے لگے.... عرشہ کاریڈور میں رک گئی۔

"تو ب! یہ تو واش روم جا کر سو ہی گئی ہے۔"

"لیلیٰ مجنوں کہاں ہیں؟" کاریڈور کے دوسرے سرے سے عاصم نے نجانے کس سے پوچھا تھا۔

"کینٹین کے عقب میں ہوں گے۔" کسی نے قہقہہ لگایا۔

عرشہ لڑکیوں کے ایک گروپ کی طرف بڑھ گئی۔

"لوگوں نے تو تعلیمی اداروں کو بھی پکنک پوائنٹ بنالیا ہے۔" صبا تنفر سے کہہ رہی تھی۔

"گندی مچھلیاں تو ہر جگہ ہی ہوتی ہیں۔" رضوانہ نے کن انکھیوں سے عرشہ کو دیکھا تو عرشہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو۔ یہ کوئی عام ادارہ نہیں' یہاں اساتذہ کی تربیت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بچوں کو کیا سکھائیں گے۔"

عرشہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ لوگ کس کے بارے میں بات کر رہی ہیں۔ صبا اور رضوانہ نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے ردعمل پر عرشہ عجیب سی ہو گئی۔

"میں نے ایسا کیا غلط کہہ دیا۔" اس نے حیرت سے سوچا۔ تب ہی مریم تیز تیز چلتی اس کے قریب آ گئی۔

"تم کیا واش روم جا کر سو جاتی ہو ــــ" وہ مریم پر چڑھ دوڑی۔

"ہاں' نہیں چلیں۔" اس نے چور نگاہوں سے ارد گرد لڑکیوں کو دیکھا۔

"چلو۔" وہ غصے سے کہہ کر آگے آگے چل دی۔

رضوانہ اور صبا ہنس دیں۔

"یہ سچ مچ اتنی ہی سادہ ہے یا بن رہی ہے۔"

✡ ✡ ✡

کتنی آسان سی زندگی تھی۔ اسٹور، گھر، دوست مزے میں گزر رہی تھی۔

زندگی کیسی ہے۔

کیا کھویا کیا پایا۔

ایسا کچھ سوچا ہی نہ تھا اور اب۔۔۔ اب تو ایسا روگ لگا تھا کہ ہونٹوں پر گہری چپ کے تالے تھے۔ دوست احباب پوچھ پوچھ کر تھک گئے تو وہ ان سے کترانے لگا۔ دو بجے اسکول کی بچیاں اسٹور کے سامنے سے گزرتیں۔ تو وہاں سے غائب ہو جاتا۔

جو اس کی نہیں ہو سکتی۔ وہ اسے دیکھنے کا گناہ گار بھی کیوں ہوتا۔

شاید خود سے ڈرتا تھا کہ کہیں اس کے سامنے نہ کھڑا ہو جائے۔۔۔ اس سے جواب طلبی نہ کر بیٹھے۔ مگر جواب طلبی کیسی؟ محبت تو نعمان نے کی تھی۔ عائشہ نے تو ایسا کوئی دعوا نہیں کیا تھا۔

"بھائی جی دو بج گئے۔" اسٹور والے لڑکے کو یہ تو نہیں پتا تھا کہ وہ دو بجے دکان سے کیوں اٹھ جاتا ہے۔ بس یاد دہانی کرا دی۔

نعمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر سڑک سے گزرتی بچیوں کو اور خاموشی سے اٹھ گیا۔ جانا کہاں تھا۔ سڑکیں ناپتے ناپتے گھر کی طرف مڑ گیا۔

دروازہ کھلا تھا۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔

بیٹھک میں حمیداں اور برکت حسین نجانے کس موضوع پر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایسے شیر و شکر ہو کر بیٹھنے کے مواقع ان کی زندگیوں میں بہت ہی کم آئے ہوں گے۔

نعمان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ وہ خاموشی سے وہاں سے گزر کر اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا مگر رک گیا۔ برکت حسین کہہ رہے تھے۔

"ہاں۔۔۔ تو نبیلہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ گھر کی لڑکی، گھر کا لڑکا دونوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔ پھر اب تو ثوبان کی نوکری بھی ہو گئی ہے۔"

"خواہ مخواہ کر دوں۔۔۔ ابھی بڑا رہتا ہے اور چھوٹے کی شادی کر دوں۔۔۔ وہ تو پہلے ہی کہتا ہے کہ ہم لوگ ثوبان کو اس سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔"

"غلط تو نہیں کہتا۔ بچپن سے اب تک تو نے ہر اچھی چیز چھوٹے کے لیے سنبھال کر رکھی ہے۔"

"ثوبان پڑھنے والا بچہ تھا۔ کتابوں کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف دھیان ہی نہ دیتا۔ اسی لیے خیال کرتی تھی۔ نعمان تو بچپن سے لڑاکو تھا۔"

"تو پہلے اس کی کر دیتی۔ اچھی بھلی لڑکی پسند کر کے بیٹھا تھا۔" نعمان ٹھٹک گیا۔

"ہاں۔ وہ استانی بیاہ لاتی۔۔۔ دو دن میں لڑکے کو لے کر الگ ہو جاتی۔"

نعمان کو جھٹکا سا لگا۔ جو محبت دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھی تھی۔ وہ عیاں کیسے ہو گئی۔

"ویسے بھی نعمان کے لیے تو میں کسی غریب گھر کی، کم پڑھی لکھی لڑکی لاؤں گی۔ جو ساری زندگی میری خدمت کرے۔" حمیداں نے با آواز بلند اپنے ارادے ظاہر کیے۔ ان کے خیال میں اس وقت گھر میں کوئی بھی نہ تھا۔

"پھر کہتی ہے۔ میں بیٹوں میں فرق نہیں کرتی۔"

"کچھ سوچ سمجھ بھی لیا کرو۔ ثوبان نے کالج یونیورسٹی کا منہ دیکھ لیا ہے۔ اس کے ارادے اور خیال بڑے اونچے ہیں۔ پھر عریشہ کا مکان اور خالہ کی رقم بھی اسی کے حصے میں جائے گی۔۔۔ وہ ہمارا خیال کیوں کرے گا۔ باہر گیا تو عریشہ کو بھی ساتھ لے جائے گا۔۔۔ ہمارے ہاتھ خاک آئے گا؟ یہی رہ جائے گا نعمان اور اس کا اسٹور۔"

یہ اس کی ماں کے الفاظ تھے۔ وہ بھی اسی طرح ان کا بیٹا تھا۔ جس طرح ثوبان مگر ثوبان کے لیے سب اچھا تھا اور اس کے لیے؟

"ویسے ہے یہ ناانصافی حمیداں! اب کچھ ثوبان کا ہے تو نعمان کو اس کے دل کی خوشی ہی دے دیتی۔ پسند کرتا تھا اس لڑکی کو۔ دیکھا نہیں کیسا چپ چپ رہنے لگا ہے۔"

"بس اب بار بار اس لڑکی کا نام نہ لے۔۔۔ کروا دوں گی اس کی شادی۔ کنوارہ تو نہیں رکھوں گی۔ ہونہہ میرا بیٹا پھانسنے چلی تھی۔ ایسی باتیں سنائیں اس ماسٹرنی کو کہ دوبارہ نعمان کا سوچے گی بھی نہیں۔"

نعمان کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔

"اچھا اب نبیلہ کو کیا کہوں؟"

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

اس کے دل کی خوشی چھیننے والی کوئی اور نہیں خود اس کی اپنی ماں تھی۔

وہ اس گھر کا کماؤ بیٹا تھا۔ مگر ہمیشہ دو نمبر کا شہری سمجھا گیا۔

اسے وہ ساری زیادتیاں، سارے فرق یاد آئے جو بچپن سے آج تک اس کے ساتھ برتے گئے تھے مگر یہ زیادتی۔۔۔

اس کا دل چاہا کہ اٹھ کر سارے گھر کو آگ لگا دے۔

مگر وہ شخص سا اپنے بستر پر پڑا تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ کب سے کھڑکی سے باہر چھوٹے سے صحن میں ہوتی بارش دیکھ رہی تھی۔

بارش جو ننھی بچی کی طرح پورے صحن میں کلکلی ڈال رہی تھی۔

پانی کے بلبلے بنتے اور پھوٹتے۔۔۔ بچپن میں وہ ان بلبلوں کے پیچھے بھاگتی اور وہ اس کے پہنچنے سے بھی پہلے معدوم ہو جاتے۔ اسے کیا خبر کہ وہ آج بھی بلبلے کے پیچھے ہی بھاگ رہی تھی۔ اس کے عقب میں مریم آئینے کے سامنے کھڑی کب سے اپنے خدوخال کا جائزہ لیتی ہوئے ہوئے گنگنا رہی تھی۔

"عرشی! کیا میری آنکھیں بہت چمکتی ہیں۔" وہ اپنی آنکھوں کو کسی اور کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں۔" عریشہ نے بغیر پلٹے جواب دیا۔ مریم بدمزہ ہو گئی۔

"تم نے مجھے کبھی غور سے دیکھا ہو تو ہی پتا چلے۔"

"اب تمہیں کس نے غور سے دیکھ لیا؟" عریشہ نے یونہی سرسری انداز میں پوچھا۔

"کسی نے نہیں۔" وہ مبہم سا مسکرائی۔ اور اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی کچھ لمحے صحن میں ہوتی بارش دیکھتی رہی۔

"عریشہ! محبت خوب صورت ہوتی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ بہت۔"

"تم ثوبان سے کتنی محبت کرتی ہو؟"

"میں اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ وہ میری سانسوں میں بستا ہے مریم! بچپن سے آج تک صرف اسی کو دیکھا، اسی کو چاہا ہے۔" اس نے بات کرتے کرتے مریم کو دیکھا۔ وہ کھڑکی سے سر ٹکائے ہولے ہولے مسکرا رہی تھی۔

"اے۔" عریشہ نے اس کے سامنے چٹکی بجائی۔

"تم کس جہان میں پہنچی ہوئی ہو۔"

"کہیں نہیں۔۔۔ یہیں ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"لگتا تو نہیں۔"

"آؤ بارش میں نہاتے ہیں۔" مریم نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"بھئی۔ تمہیں نہیں پتا؟ مجھے صرف بارش کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔" عریشہ نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"اور مجھے بھیگنا۔" وہ اسے کھینچتی ہوئی بارش میں لے گئی۔

"مریم! چھوڑو مجھے۔ کیا پاگل پن ہے۔"

"ہاں۔ میں پاگل ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر گول گول گھومنے لگی۔ بارش ان کے وجود سے پھوٹتی کنواری خوشبو سے مست ہونے لگی۔

آسمان ان کی سرخوشی دیکھ کر مسکرایا اور کھل کر برسا۔

ان کے قدموں کی دھمک سے پانی میں دائرے سے بن رہے تھے۔

ابرار نے مبہوت ہو کر یہ منظر دیکھا۔

بارش میں نسائی ہنسی گھلی۔

ان کی مقدس ہنسی۔ مندر میں بجتی گھنٹیاں۔

مریم کی نگاہ ابرار پر پڑی تو اس نے ایک دم عریشہ کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف ابرار سے ٹکرا گئی۔ مریم کھلکھلاتی اندر بھاگ گئی۔

ابرار نے اسے تھام کر دوسرے ہی پل چھوڑ دیا تھا۔

عریشہ نے خجالت سے اپنے چہرے سے پانی صاف کیا اور غصے سے گھورا۔

ابرار کی نگاہ جھک گئی۔

وہ پاؤں پٹختی اندر بھاگ گئی۔

ابرار کی نگاہ اس کے بھاگتے بھیگے پیروں پر تھی۔

یہ نظر کا دھوکا تھا یا حقیقت۔

ابرار کو لگا پانی میں ساتوں رنگ گھل گئے ہیں۔



"تم باہر جا کر کیا کرو گے؟" سنبعہ نے گلاس وال سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ باہر بارش بے آواز تسلسل کے ساتھ گر رہی تھی۔ وہ دونوں اس ریسٹورنٹ میں ہر روز اکٹھے لنچ کرتے تھے۔ جس کا بل ظاہر ہے سنبعہ دیتی تھی۔

"وہی جو سب کرتے ہیں۔" ثوبان نے بات کو مذاق میں ٹالنا چاہا۔

"مطلب۔"

"ظاہر ہے اپنا لائف اسٹائل بہتر کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"کتنا بہتر؟" وہ عجیب پہیلیاں بجھوا رہی تھی۔

"اتنا کہ تمہارے مقابل آسکوں۔" ثوبان اس کی طرف جھکتے شرارت سے بولا۔ سنبعہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میرے مقابل آنے کے بجائے میرے ساتھ چلنے کی کوشش کرتے تو کوئی فائدہ بھی ہوتا۔"

"ایسا تو میں صرف خواب میں سوچ سکتا ہوں۔"

"میں اس خواب کو حقیقت میں بدل سکتی ہوں۔" وہ پُراعتماد تھی۔

"سنبعہ! زمین اور آسمان کبھی ایک نہیں ہوتے۔"

"میں یہ فلسفہ نہیں جانتی۔ میں صرف اتنا سمجھتی ہوں کہ زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ جسے میں حاصل کرنا چاہوں اور کر نہ پاؤں۔" اس کے لہجے میں اس کی ذات کا غرور بول رہا تھا۔

"تم انسانوں کو بھی چیزوں میں شمار کرتی ہو۔" ثوبان نے نیپکن اٹھایا۔

"نہیں۔ اسی لیے تو تم سے پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا؟"

"جو کچھ باہر جا کر حاصل کرنا چاہتے ہو اگر یہیں مل جائے تو۔"

"کیسے؟"

"مجھ سے شادی کر کے۔" سنبعہ نے آرام سے اپنا پرپوزل اس کے سامنے رکھا۔

ثوبان کے ہاتھ سے نیپکن چھوٹ گیا۔

باقی آئندہ شمارے میں

راحت جبیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ناولٹ

[illegible]

5

[illegible]

"بالکل نہیں۔" [illegible]

[illegible]

"وہ میں تمہیں وہ اسٹیٹس دوں گی جو تم چاہتے ہو"

"مگر تمہارے گھر والے؟" وہ اب بھی شاکی تھی۔

"میرا اسٹیٹس نہیں۔" وہ اطمینان سے کہتے [illegible]

[illegible]

[illegible] give and take [illegible]

[illegible]

○ ○ ○

[illegible]

خواہش بھی ہو سکتی ہے؟"

سوال کا جواب اگر آج نعمان ہوتا تو کیا ہوتا کہ اب تو سالوں بعد ابھی شادی تھی مگر ابھی تک جواب کی ایک شکل بھی نہیں ملی تھی۔ کہ وہ شادی کی کوئی [illegible] جاری اس کے اندر [illegible] ہو جائے۔

نعمان کو [illegible] اپنے دوست یاسر کے ساتھ گزری رات یاد آئی جب وہ دونوں ایک ہوٹل میں [illegible] میں بیٹھے ان کے ساتھ [illegible] یاد کر رہے تھے جب یاسر نے اچانک کہا۔

"ایک بات تو بتا۔"

"ہوں بولو۔" نعمان نے نوالہ حلق سے اتارتے ہوئے پوچھا [illegible] ہوا۔

"تو شادی کیوں نہیں کرتا؟"

"شادی؟ اس بارے میں ابھی خیال نہیں کیا۔" نعمان نے تعجب کے ساتھ [illegible] سے کہا۔

"تو [illegible] نہیں [illegible] گیا ہے۔" [illegible] تیرا حساب ہے کب [illegible] کا انتظار ہے؟"

"ہو جائے گی شادی جلدی کس بات کی ہے؟"

"جلدی نہیں ہو رہی ہے [illegible] اگر [illegible] کو خیال نہیں آیا تو [illegible] یاد کروانے۔" یاسر نے ہنستے ہوئے اس کو چھیڑا۔

"ایسا تو [illegible] کوئی بات نہیں۔" اس کی [illegible] تو وہ کہنے لگا۔

"میرے ساتھ تو کوئی ایسی بات ہے [illegible] کہ [illegible] جب تک [illegible] شادیاں نہیں کرو گے اپنی شادی کا [illegible] بھی نہیں [illegible]۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" نعمان حیران ہوا۔

"یہی بات ہے یار [illegible] سادی زندگی [illegible] کو اچھے سے اچھا [illegible] سے اچھا [illegible] سب سے [illegible] سب سے اچھا [illegible] شادی کی بات

[illegible] تو کیا [illegible] ہے۔"

"یہ بات ہی [illegible]۔"

"[illegible] اگر [illegible] ہے [illegible] میں [illegible] اپنے گھر [illegible] والی [illegible] سب کی [illegible] پوری کرنا میرا فرض ہے [illegible] زندگی کی خوشیاں [illegible]۔"

[illegible] بیٹھا تھا۔

"[illegible] میں [illegible] بات کروں۔"

"کیا بات کرنے [illegible]؟"

"یہی کہ [illegible] شادی کے لیے [illegible] ہو جائے۔"

[illegible] سمجھا رہا ہوں [illegible] گھر [illegible] والی [illegible] خوشیاں [illegible] حاصل کر لے گا۔" یاسر نے [illegible] سے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"نعمان بھائی؟" مریم نے آواز دے کر [illegible] "[illegible] ہو؟"

وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر نکلا اور [illegible]

"نہیں [illegible]"

مریم [illegible]

نعمان نے [illegible] خیالوں [illegible] جب [illegible] شادی کا خیال [illegible] ابھی [illegible] نعمان [illegible] اس کے [illegible] ضروری [illegible] کر [illegible] سے بھی [illegible] کہ [illegible]

تب [illegible] یاسر نے اس سے پوچھا۔

"یار نعمان! تجھے زندگی میں [illegible] کسی لڑکی سے محبت ہوئی ہے؟" اس کا [illegible] تھا۔

[illegible] سوال نعمان سے نہیں [illegible] کر رہا ہوں۔

"محبت [illegible] شادی [illegible] تو خود بھی ہاں [illegible] اتفاق کہ ابھی [illegible] ہو [illegible]"

"[illegible] کسی سے محبت [illegible]؟"

"ہاں [illegible] یاسر [illegible] سے اعتراف کیا۔"

"سچ؟"

"پھر کیا؟"

"اس سے شادی کا خیال نہیں آیا؟"

"[illegible] تھا [illegible]"

"[illegible] ایک بات [illegible]" یاسر نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے [illegible] کیا۔ "جب کسی لڑکی سے محبت ہو اور اس سے شادی بھی کرنی ہے تو [illegible] محبت [illegible]"

"نہیں۔" نعمان نے [illegible]

"[illegible] اگر [illegible] شادی کی [illegible] نہیں [illegible] سے [illegible]"

اس وقت نعمان [illegible] بات ایک [illegible] سے [illegible] کر [illegible] یاسر کے [illegible] شادی کا [illegible] اس کے سامنے [illegible] اس [illegible] وقت [illegible] شادی [illegible]

میرے [illegible] سے [illegible] بیٹی [illegible] ہیں پہلے انہیں [illegible] ہے۔

"[illegible]"

[illegible] سے [illegible] کر [illegible] کے [illegible]

تب [illegible] کا اظہار کرنے کے [illegible]

"[illegible]"

"کیا [illegible]"

کتنی [illegible] اور سہولت سے اس کی خواہش کو کچل دیا گیا۔

[illegible] سے اس کی [illegible] کچل گئی۔

"[illegible] تو [illegible] تھا [illegible]"

"[illegible] شادی [illegible] اس کو [illegible] نہیں [illegible] کہ وہ نعمان کو [illegible] نہیں۔"

"[illegible] سوال [illegible] تھے [illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"کیسے [illegible]؟"

"[illegible]؟"

"[illegible]؟"

وہ [illegible] نہیں تھا۔

یہ [illegible] محبت کے [illegible] بھی نہیں تھا۔

[illegible] اس [illegible] کے لیے کمانے والی مشین بن گیا تھا۔

[illegible] یاسر کے [illegible] میں [illegible] گیا تھا۔

□ □ □

[illegible] گھروں میں [illegible] شادی [illegible]

[illegible] کی شادی ہو رہی ہے اس کے گھر میں [illegible] ہے۔

[illegible] نے [illegible] جواب دیا۔

"[illegible] شادیاں ہو رہی ہیں۔ ایک [illegible] گھر

میں کسی کو خیال نہیں۔ سب نے بڑی [illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] اس سے تو بہتر ہے میں کنواری ہی مر جاؤں۔

[illegible]

مرینہ کو حیران کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

○ ○ ○

ساجدہ کے بچوں نے گھر میں ہڑبونگ مچا رکھی تھی۔ نعمان آفس سے آتے ہی انہیں دیکھ کر بے زار ہو گیا [illegible] رونق ہو گئی ہے۔

[illegible]

اس نے [illegible] کی اور [illegible] کی جانب چل دی۔

[illegible]

○ ○ ○

[illegible]

کیوں کر ایک بار سارا گھر مل کر رہ جائے بالکل اسی
طرح جس طرح تم نے مجھے سنبھالا تھا۔ [illegible]
[illegible]

"تب کیا ہوا تھا؟"

وہ حمیدہ کی آواز پر چونک اٹھیں۔ [illegible] دروازے سے جھانک
[illegible]

نعمان نے ہاتھ میں پکڑا اخبار رکھا اور [illegible]
بولا۔

"تم نے اپنی بہن کو فون کیوں نہیں کیا۔"

"مجھے تو تمہی سے فرصت نہیں [illegible]

[illegible]

"ہاں تو وہ تھوڑا تھا اور ضروری بھی۔ [illegible]
اس طرح کرتے ہیں۔"

حمیدہ نے [illegible] سامان پر [illegible]
[illegible]

"بڑی بات، تم نے ساری زندگی اس کے لیے اچھا
سوچا [illegible]

[illegible]

وہ اپنے بعد فوراً سے حمیدہ کو گھورا تھا۔

"اچھا تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔"

"تم تو اب بھی [illegible] تم میرے پاس
کوئی ضروری بات کرنے [illegible]"

نعمان [illegible] حمیدہ [illegible]
[illegible] مطلب کی بات سمجھ
میں آئی تھی۔

"[illegible] چاہتی ہیں۔"

"تم اپنے گھر میں [illegible] جائے گا۔"

"بیگم، [illegible] تھے تو
اس کے دوست [illegible] سے تعلق
رکھتے ہیں۔ [illegible]

"اس نے تب تک گھر میں ایک [illegible] نہیں دیا۔"

نعمان نے سنجیدگی سے ان کی بات [illegible]
[illegible]

"تم تو شروع ہی سے [illegible]
[illegible]"

"اور میں نے ساری زندگی [illegible] کے بارے میں
[illegible]"

"[illegible] پہلے [illegible] آکر [illegible] کرے گا۔"

حمیدہ نے خوش ہو کر کہا۔

"اچھا تو [illegible]"

"تب [illegible]"

[illegible]

"[illegible]" حمیدہ نے
[illegible] اشتیاق سے پوچھا۔

نعمان نے [illegible] کے سامنے
[illegible] اب تک حمیدہ نے [illegible] نہیں کیا کہ نعمان
[illegible]

"انہیں [illegible] گھر تھی۔"

"انہیں [illegible] کی بات [illegible]"

"یہ اس کیا [illegible] تھی؟"

نعمان اپنے [illegible] کر بولا۔

"تم نے [illegible] نہیں کہے۔"

"ہاں" نعمان نے [illegible] سے ان کی بات کاٹی۔
"میں نے [illegible]
بتا دیا۔ اس کی ہر صورت کو پورا کیا۔ اب [illegible]"

"[illegible] میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں، [illegible]
میرے پاس اس کے لیے ایک [illegible] بھی نہیں ہے۔" [illegible]

[illegible]

حمیدہ [illegible] گئی۔

[illegible] تمہاری [illegible] تھی۔

○ ○ ○

"تمہارے دوست کا کیا ہوا؟" سعدیہ اشتیاق سے
[illegible]

"نہیں، [illegible] کر رہا ہوں۔" [illegible] نے اس
سے کوئی بات نہیں [illegible]

[illegible]

"تمہاری مدد کی ضرورت ہو تو کہو؟"

"تمہاری مدد کی ضرورت ہوتی تو تم سے شادی ہی نہ
کر لیتا۔" [illegible]

[illegible] تو میں کیا کر سکتی ہوں۔" اس نے کندھے
اچکائے۔

"یار انہیں پہلے سے [illegible] ہوں۔"

"وہ تمہاری [illegible] ہے جو اپنی مدد کی [illegible] کے بعد
تمہارے ساتھ [illegible] ہے۔" سعدیہ نے [illegible]

"اچھا۔"

[illegible]

[illegible]

○ ○ ○

[illegible] کی آواز آرہی تھی۔ نعمان
[illegible]

"[illegible] بات کی؟" [illegible] نے پوچھا تھا۔

"ہاں [illegible]"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"مجھے مریم کچھ خوش نہیں لگ رہی۔" [illegible]

[illegible]

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر [illegible]"

[illegible]

"مرد اور عورت کی تنہائی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

[illegible]

"مجھے تو اور نہیں ستاؤ۔"

[illegible]

○ ○ ○

[illegible]

○ ○ ○

[illegible]

اس دن اعتماد کا ہر لمحہ میرے ہاتھ سے بھی چھوٹ گیا تھا۔ اس نے صرف تمہیں قصور وار نہیں ٹھہرایا [illegible]

"تو کیا یہ [illegible] بات نہیں ہے" ایک معمولی سی غلط فہمی۔"

"ایک معمولی غلط فہمی بھی بہت بڑی جدائی کا باعث بن سکتی ہے ثوبان! خاص طور پر ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان اور اس غلط فہمی میں [illegible]" اس نے ایک گہری سی نگاہ ثوبان پر ڈالی۔

"تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔" ثوبان کے ماتھے پر شکن ابھری۔

"میں تو خود پر بھی شک کر رہی ہوں۔" [illegible]

"تم تو ایک معمولی سی بات کو [illegible] کہاں سے کہاں لے جا رہی ہو۔" وہ جھنجلا گیا۔ [illegible]

[illegible]

"اچھا اب بس بھی کرو۔" [illegible]

"ثوبان! اب شادی کر لو۔"

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ عروشہ سب کام چھوڑ کے اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"ابھی؟" اس نے [illegible]

"جلد سے جلد۔" وہ سنجیدہ تھی۔

[illegible] عروشہ نے دل کے ساتھ [illegible] سوچا تھا [illegible]

○ ○ ○

"بکواس مت کرو۔ [illegible] مجھ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ [illegible]" مریم کمرے میں [illegible]

"میں یہ شادی کبھی نہیں کروں گی۔"

"ابھی کون سا شادی ہو رہی ہے۔" عروشہ نے [illegible]

"جس طرح بچپن کے رشتے طے ہوا ہے اسی طرح شادی بھی کر دیں گے۔" عروشہ کو محسوس ہوا [illegible]

[illegible]

مریم [illegible] کر عروشہ کو دیکھنے لگی اور عجیب سے لہجے میں بولی۔

"عروشہ! تم محبت کرتی ہو؟ [illegible]"

[illegible] "تمہارا مطلب ہے۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے۔" وہ چیخ اٹھی۔

[illegible] عروشہ نے [illegible] آنکھوں کے سامنے یہ کھیل ہو گیا اور مجھے اس کی خبر نہیں [illegible]

"میں اور [illegible] ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہیں [illegible]" مریم [illegible]

"اچھا ٹھیک ہے اگر تم دونوں ایک دوسرے سے اتنی محبت کرتے ہو۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا بیٹھے ہو تو اپنے گھر والوں کو [illegible] بات"

[illegible] عروشہ نے [illegible] کہا۔

"کیسے [illegible] ابھی اس کے پاس کوئی جاب نہیں ہے۔ ابھی تو اس کے گھر والے بھی نہیں [illegible]"

[illegible]

○ ○ ○

[illegible]

○ ○ ○

[illegible]



[illegible]

۰ ۰ ۰

[illegible]

۰ ۰ ۰

[illegible]

"ہوں۔ میری مرضی کی۔"

"شوہر نے کیا لکھا ہے؟" اپنے دستخط کرتے ہوئے عروشہ نے سوال پوچھا۔

"وہی جو تم نے کہا تھا۔" اس نے خط موڑ کر کتاب میں رکھا۔

"مطلب؟"

"اس کے والدین نہیں مان رہے۔ وہ چاہتا ہے میں گھر والوں کی مرضی سے شادی کر لوں۔"

"اچھا۔" عروشہ [illegible] سوچتے ہوئے بولی۔ "چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ اس نے تمہیں دھوکے میں رکھنے کے بجائے صاف صاف بات کر دی۔ اب تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں نے کیا سوچنا ہے۔ جب سب کچھ ختم ہو گیا [illegible]" وہ ہنس دی۔ عروشہ کو حیرت ہوئی [illegible] اس حقیقت کو تسلیم کر گئی [illegible]

"مریم تم نے [illegible] کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" عروشہ نے پوچھا۔

"نہیں اور شکر کرو اس دن تم نے پوری بات نہیں سنی تھی۔"

[illegible]

"اچھا۔ [illegible] ہمیشہ مجھ سے چھپتی ہوئی رہی ہو۔"

"نہیں تم اسے اچھے نہیں لگتے۔" مریم [illegible]

"مطلب؟"

[illegible]

◻ ◻ ◻

[illegible]

"خالہ [illegible]"

[illegible]

"[illegible] کی بات ہے۔"

[illegible]

"ٹھیک ہے [illegible]"

عروشہ [illegible]

"نہیں اماں اب نہیں کروں گی۔" اس نے [illegible]

[illegible]

"مریم۔"

[illegible]

"تم نے کیا [illegible]"

[illegible]

"مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

[illegible]

"[illegible] کیا ہوا؟"

[illegible]

عروشہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

راحت جبین

ساری بھول ہماری تھی

عریشہ عادلہ کی بیٹی ہے۔ عادلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں' مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جیٹھ اور جٹھانی اپنے بچوں نعمان' ثوبان' فرید' فاطمہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں' بانو اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں' عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عادلہ کو یہ چیز پسند نہیں کیونکہ ان کے جیٹھ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ' عادلہ اور حمیداں کی نند ہیں' ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال' جمال ملک سے باہر مگر اس کی بد مزاج بیوی طیبہ یہیں رہتی ہے۔

ابرار جمیلہ کا بیٹا ہے شہر میں پڑھتا ہے' باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چاچی کبریٰ کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے۔ اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ پڑواتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی بشریٰ کی ابرار سے شادی ہو جائے مگر ابرار صاف انکار کر دیتا ہے۔ اصغر کو غصہ آتا ہے وہ ابرار پر ہاتھ اٹھا دیتا ہے۔ ابرار ناراض ہو کر گھر چھوڑ دیتا ہے اور شہر آکر حمیداں کے گھر رہنے لگتا ہے۔ برکت حسین اس کی ماں کے چچا زاد بھائی ہیں۔ حمیداں' ابرار سے سخت بیزار رہنے لگتی ہیں۔

نعمان اپنے اسٹور سے سودا لینے والے ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ کو پسند کرتا ہے۔ وہ گورنمنٹ ٹیچر ہے۔ نعمان عائشہ کی ماں سے رشتے کی بات کرتا ہے اور ان سے فاطمہ کی شادی تک انتظار کرنے کو کہتا ہے کیونکہ حمیداں کا دونوں بیٹیوں سے پہلے بیٹوں کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ عائشہ اور اس کے گھر والے تھوڑی سی حیل حجت کے بعد مان جاتے

ناولٹ



ہیں۔

عادلہ نبیلہ کے کہنے پر بچت کرکے عریشہ کے لیے سونے کا سیٹ بنواتی ہیں۔ عادلہ کے منع کرنے کے باوجود عریشہ حمیداں کو وہ سیٹ دکھا دیتی ہے۔ حمیداں کی عریشہ سے لگاوٹ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فاطمہ کی شادی پر حمیداں' عادلہ سے وہ سیٹ مانگتی ہیں۔ عادلہ پریشان ہو جاتی ہیں کیونکہ انہوں نے وہ سیٹ عریشہ کے لیے بہت مشقت سے بنایا ہوتا ہے۔ حمیداں بضد ہوتی ہیں کہ فاطمہ کو شادی پر سونے کا سیٹ دیا جائے جبکہ ان کی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ ثوبان کی فیس کے پیسے نکال لیتی ہیں۔ ثوبان بہت بگڑتا ہے۔ عریشہ' ثوبان کی پریشانی دیکھ کر چپکے سے وہ سیٹ نکال کر حمیداں کو دے دیتی ہے۔

شادی والے دن نبیلہ' فاطمہ کے گلے میں وہی سیٹ دیکھتی ہیں تو عادلہ سے کہتی ہیں۔ عادلہ' عریشہ سے پوچھتی ہیں تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے دھڑلے سے اعتراف کرتی ہے کہ اس سے ثوبان کی پریشانی نہیں دیکھی گئی۔ عادلہ' عریشہ کی حرکت سے اتنی دل برداشتہ ہوتی ہیں کہ ان کا دل بند ہو جاتا ہے۔ عریشہ پچھتاتی ہے۔ ثوبان لگاوٹ سے اسے بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔

ابرار کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ عریشہ ثوبان کو پسند کرتی ہے' ساتھ ہی وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ ثوبان اپنے فائدے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی خود غرضی جان کر ابرار اس سے سخت کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔

حمیداں کو نعمان کی خواہش کا علم ہو جاتا ہے اور جب عائشہ کی والدہ عادلہ کی تعزیت کرنے حمیداں کے پاس آتی ہیں تو وہ ان سے خوش اخلاقی سے نہیں ملتیں۔

"آج کل ماں باپ نے لڑکوں کو پھانسنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے اور لڑکیاں خود ہی معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔" جیسے سخت الفاظ کہہ کر ان کی بے عزتی کر دیتی ہیں۔

عائشہ کی والدہ دلبرداشتہ ہو کر ان کے گھر سے چلی جاتی ہیں بلکہ وہ عائشہ کو لے کر اپنے بھائی کے گھر چند دنوں کے لیے دوسرے شہر چلی جاتی ہیں۔ نعمان اس تمام عرصہ میں سخت پریشان رہتا ہے۔ ان کی واپسی پر ان کے گھر جاتا ہے تو وہ بتاتی ہیں کہ انہوں نے عائشہ کا کہیں اور نکاح کر دیا ہے۔ وہ مغموم سا واپس آجاتا ہے۔

نبیلہ' عریشہ کا سیٹ لے لینے پر فاطمہ سے برگشتہ ہوتی ہیں تاہم فاطمہ کے وہ سیٹ لوٹا دینے کا وعدہ کرنے پر وہ راضی ہو جاتی ہیں۔

ابرار' باسط کو ٹیوشن پڑھانے جاتا ہے۔ وہاں باسط کی بڑی بہن صنعیہ کے ساتھ ثوبان کی بے تکلفی دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔

ابرار' عریشہ کو ثوبان کے ساتھ چھت پر تنہا دیکھ کر اسے متنبہ کرتا ہے کہ دو نامحرم کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

گاؤں میں کوئی جمیلاں کی بھینس کو زہر دے کر مار دیتا ہے۔ عریشہ اور مریم نے بی ایڈ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں مریم کا کوئی افیر شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے عریشہ بے خبر ہوتی ہے۔

صنعیہ' ثوبان کو شادی کی آفر کر کے حیران کر دیتی ہے۔

٦
چھٹی قسط

"ثوبان......" عریشہ کے صرف لب ہلے تھے' الفاظ اندر ہی کہیں گنگ ہو گئے۔

ثوبان نے بوتل سلیب پر پٹخی اور خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

"اتنی اپنائیت' اتنی محبت۔"

"ثوبان! خدا کے لیے بس کرو۔" عریشہ حیرانی سے نکل کر دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئی۔

"تم بس کرو عریشہ...! اور ہو سکے تو تھوڑی سی شرم بھی....." وہ اک ملامتی نگاہ ڈال کر باہر نکل گیا۔ عریشہ ایک دم ہوش میں آکر پیچھے لپکی اور برآمدے میں اس

کا بازو پکڑ کر روکا۔

"ابھی تم نے کیا بکواس کی؟"

"میرا بازو چھوڑو۔"

"کیوں چھوڑوں' تمہارا جو دل میں آئے' کہہ کر چلتے بنو اور میں تم سے پوچھوں بھی نہیں۔"

"تماشا مت بناؤ۔" ثوبان نے دانت پیسے۔

"تماشا تو تم بنا رہے ہو۔ تمہیں اتنی گھٹیا بات کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔" وہ پھٹ پڑی۔

"میری بات گھٹیا ہے اور جو کچھ تم کر رہی ہو۔"

"میں نے کیا کیا ہے ثوبان!" وہ روہانسی ہو گئی۔

"خود سے پوچھو....." وہ بازو چھڑا کر چلا گیا۔

عریشہ خالی ہاتھ اسے دیکھتی رہ گئی اور واش روم سے نکلتا تولیے سے سر رگڑتا ابرار عریشہ کو۔

عریشہ کی نگاہ ابرار پر پڑی تو احساس توہین سے روم روم جل اٹھا۔ وہ تیزی سے مڑ کر اندر کی طرف بھاگی۔

ابرار نے لب بھینچ کر اوپر جاتی سیڑھیوں کو دیکھا' پھر کمرے کے دروازے کو۔ محبت کرنے والے دکھ نہیں دیتے۔ مگر اس لڑکی کے نصیب میں محبت صرف دکھ بن کر آنے والی تھی۔ ابرار کا دل تاسف سے بھر گیا۔

☆ ☆ ☆

ثوبان کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ اسے اپنی جلد بازی پر غصہ آرہا تھا۔ خود سے الجھتے وہ کرسی پر گر سا گیا۔

"کیا ضرورت تھی اس طرح ری ایکٹ کرنے کی وہ بھی ایسی سچویشن میں جب مجھے عریشہ کی مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے انگلیاں بالوں میں الجھائیں۔ "مگر یہ نعمان بھائی کو کیا ہوا ہے۔ ان کے انداز کیوں بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عریشہ سے....." وہ اپنی ہی جگہ ٹھٹک گیا۔ اندر کہیں جلن کا احساس بڑھنے لگا۔ وہ خود اپنی ہی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔

"اگر ایسا ہے بھی تو مجھے کیا؟ میں تو ویسے بھی باہر جا رہا ہوں... لیکن ایک بات یاد رکھ ثوبان بیٹا! اگر ایسا ہے تو تیرے ہاتھ پھوٹی کوڑی نہیں آئے گی۔ سب کچھ نعمان کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ اوپر سے عریشہ کے ساتھ تیرا رویہ..... یہ نہ ہو کہ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے۔"

یہ خیال اتنا بے چین کر دینے والا تھا کہ وہ اٹھ کر خوامخواہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔

☆ ☆ ☆

دو دن سے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے وہ کمرے میں منہ سر لپیٹے پڑی تھی۔ نہ کالج گئی' نہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگایا۔ مریم خوشی خوشی کالج جاتی رہی۔ تائی اس کا خیال تو رکھتیں' مگر یوں جیسے مارے باندھے کر رہی ہوں۔ ان کے اندر سے وہ محبت' وہ والہانہ پن دھیرے دھیرے غائب ہونے لگا تھا' جس کی عریشہ عادی تھی۔

ڈھیر سارا رونے کے بعد بھی دل کا بوجھ تھا کہ کم ہونے میں ہی نہ آتا۔ اسے ثوبان کا انتظار تھا کہ شاید وہ شرمندہ ہو کر اس کے پیچھے آئے مگر وہ تو اپنے اندر کی ساری جلن عریشہ پر نکال کر غائب ہو گیا تھا۔ ثوبان کی بدگمانی نے اسے مار ڈالا تھا۔

"حد کرتی ہو اماں! وہ بیمار پڑی ہے۔ اسے ڈاکٹر کو دکھانے کے بجائے اپنے کاموں کا رونا رو رہی ہو۔" باہر سے نعمان کی تیز جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

عریشہ نے سر تک چادر تان لی۔ وہی تو تھا فساد کی جڑ۔

"ہاں سارے قصور تو ماں کے ہیں۔ جا' جا کے اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھ جا۔ سر دبا' دوائیاں کھلا' کتنی بار بھونک چکی ہوں کہ ڈاکٹر کے پاس چل۔ نہیں مانتی تو کیا گود میں اٹھا کر لے جاؤں۔"

"تم سے تو بات کرنا فضول ہے اماں.....!"

عریشہ کو محسوس ہوا کہ وہ کمرے کی طرف آرہا ہے۔ اس نے چادر سر تک تان لی۔

نعمان اس کے پلنگ کے پاس آکھڑا ہوا' پھر اس نے

چادر کے اوپر سے ہی عریشہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ عریشہ نے تیزی سے چادر ہٹادی۔

"کیا ہوا' بخار ہے؟" وہ پھر سے اس کا ماتھا چھونا چاہتا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں؟" عریشہ نے اس کا ہاتھ جھٹکنا چاہا مگر وہ اس کی کلائی تھام کر نبض دیکھنے لگا۔

"اگر ایسے میں پھر سے ثوبان آجائے تو....." عریشہ نے وحشت زدہ ہو کر کلائی چھڑالی۔

"خدا کے لیے نعمان بھائی! آپ جائیں۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہوا تو تائی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" نعمان نے لب بھینچ کر اسے دیکھا' پھر ایک ہاتھ پلنگ پر رکھ کر جھکا۔ عریشہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ کیا کرنے والا ہے۔

"جس کے بل پر اتنا اکڑ رہی ہو' وہ تمہیں کچھ بھی نہیں دینے والا۔ سب کچھ بیچ کر کھا جائے گا اور خود باہر جا کر عیش کرے گا۔ اس بھول میں مت رہنا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔"

"اللہ کا واسطہ اب کھالینا....." تائی ہاتھ میں دلیے کا پیالہ لیے وارد ہوئیں۔ نعمان جان بوجھ کر ذرا دیر سے پیچھے ہٹا۔ تائی نے بے حد ناگواری سے یہ منظر دیکھا اور تڑخ کر بولیں۔

"اب کیا اسی کی پٹی سے لگے رہو گے۔"

"نہیں' میں دوا لے کر آتا ہے۔" وہ مسکرا کر چلا گیا۔ عریشہ کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ جو کچھ اس کے چہرے پر تھا۔ حمیدہ نے اس سے نظریں چرالیں۔

"کھالینا..... اب میں اکیلی جان کس کس کے نخرے دیکھوں۔" وہ انہیں پکارنا چاہتی تھی مگر پکار نہ سکی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اس نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ سوچا۔

"ضرور یہ نعمان بھائی کی چال ہے۔ وہ جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ ثوبان مجھ سے اور میں اس سے بدظن ہو جاؤں۔ ان کی اپنی نیت خراب ہے مجھ پر اور میرے گھر پر..... مجھے اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔" وہ بے قراری سے اٹھ بیٹھی۔ "مجھے ثوبان سے ملنا ہے۔ اس کی بدگمانی دور کرنی ہے۔"

"ہیلو....." مریم نے آتے ہی بیگ پلنگ پر پھینکا اور خود بھی ڈھیر ہو گئی۔ وہ بڑی مسرور اور مگن سی دکھائی دیتی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہے....." اس نے پیر نیچے اتارے اور جھک کر چپل دیکھنے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو..... کچھ چاہیے تو مجھے بتاؤ۔" مریم نے کہا تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"آج تم بہت خوش لگ رہی ہو۔"

"نہیں تو..... میں تو روز ہی ایسی ہوتی ہوں۔" مریم ایک دم سنبھلی۔

"ہوں..... میں نہالوں۔" عریشہ چپل پہن کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں تمہاری طبیعت فریش ہو جائے گی۔"

✲ ✲ ✲

وہ بہت دنوں بعد رات کو ثوبان کے کمرے میں آئی۔ ثوبان کے اندر اطمینان کی لہر اٹھی' مگر اس نے کچھ بھی ظاہر کیے بغیر کتاب اٹھالی۔

"ثوبان! مجھے تم سے بات کرنی ہے؟" وہ انگلیاں چٹخاتے بہت مضطرب تھی۔

"سن رہا ہوں۔" وہ آ ہی گئی تھی تو کچھ نخرے دکھانے میں کیا ہرج تھا۔

"تم مجھ سے اتنے بدگمان کیوں ہو' آخر میں نے کیا کیا ہے؟" عریشہ روہانسی ہو گئی۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔" اب وہ عریشہ کے کندھے پر بندوق رکھ کر

چلا رہا تھا۔

"بس اتنا ہی اعتبار تھا؟" اس کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا۔

"اعتبار کی دھجیاں خود تم نے بکھیری ہیں۔"

عریشہ بکھر گئی۔ اس کے قریب بیٹھ کر بازو تھامتے ہوئے وہ بلک اٹھی۔

"مت کرو ثوبان..... میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ جس پل میں جذبوں کو سمجھنے کے قابل ہوئی' دل پر تمہارا نام لکھا پایا..... آج تک تمہیں سوچا' تمہیں چاہا..... ہر لحہ تمہاری بن کے گزارا' میری سوچوں پر کسی اور کی پرچھائیں تک نہ پڑی اور نعمان بھائی..... پتا نہیں کیوں ان کی نظر بدلنے لگی ہے۔ مجھے نہیں پتا' وہ کیا سوچتے اور کیا چاہتے ہیں لیکن میں صرف تمہیں چاہتی ہوں۔ میرا یقین کرو میں تمہارے بغیر مرجاؤں گی۔"

وہ ثوبان کے بازو پر سر رکھ کر رونے لگی۔ ثوبان اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ عریشہ کے لہجے میں اس کے جذبوں کی سچائیاں بول رہی تھی۔ ثوبان کا دل اس میں ڈوبنے لگا..... مگر پھر اس کی غرض آڑے آگئی۔

"یہی تو وقت ہے..... گرم لوہے پر بس ایک چوٹ اور سب کچھ تمہارے ہاتھ میں۔" اس کی آستین عریشہ کے آنسوؤں سے بھیگنے لگی تھی۔ جب ثوبان نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے عرشی! میں نے مان لیا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔" عریشہ نے سر اٹھا کر ثوبان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی کیفیت ڈوبتے مسافر جیسی تھی' جسے تنکے کا سہارا مل گیا ہو۔ ثوبان نے نظریں چرالیں۔

"آئندہ ایسا مت کرنا ثوبان! ورنہ میں مرجاؤں گی..... وہ نعمان بھائی تو....."

"تم جانتی ہو..... دل کے آئینے پر چھائی ذرا سی گرد ساری تصویر دھندلا دیتی ہے۔"

عریشہ کی سانسیں پھر سے اٹکنے لگیں۔ اس کی حالت اس فقیرنی جیسی تھی' جسے صدا لگانے کے بعد انتظار کا کہا گیا ہو اور اب وہ کاسہ پھیلائے دیکھ رہی تھی کہ دینے والے کی جیب سے اس کے لیے کیا نکلتا ہے۔

"تم کیا چاہتے ہو ثوبان....."

"اپنا مکان مجھے دے دو....."

عریشہ یک ٹک اسے دیکھتی رہ گئی ثوبان نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے۔

"عرشی! سوچو' یہ صرف میرے نہیں' تمہارے بھی مستقبل کا سوال ہے..... ہم دونوں....." اس سے آگے وہ خوش رنگ خواب تھے' جو وہ پھولوں کی طرح ہمیشہ سے اس کی راہوں میں بچھاتا آیا تھا۔ عریشہ کو بس ایک لمحے کو احساس ہوا کہ نجانے یہ پھول ہیں یا خواب۔

"جس کے بل پر اتنا اکڑ رہی ہو۔ وہ تمہیں کچھ نہیں دینے والا سب کچھ بیچ کر کھا جائے گا اور خود باہر جا کر عیش کرے گا۔ اس بھول میں مت رہنا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔"

عریشہ نے آہستہ سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور زخمی نگاہ سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔

"تمہیں پھر میری محبت کا ثبوت چاہیے؟"

"یہ بات نہیں ہے عرشی! میں اپنے پرابلم تم سے شیئر نہیں کروں گا تو کس سے کروں گا۔"

عریشہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔

"محبت سوچنے میں اتنا وقت لیتی ہے؟" ثوبان نے اکسایا۔

"نہیں۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی۔ ایک بار اپنی محبت کا ثبوت دیا تو ماں جان سے چلی گئی۔ اب کون اپنی جان سے جائے گا۔" اس نے بے دردی سے آنسو رگڑے۔ کچھ تو تھا جو کلیجے میں انی کی طرح گڑ گیا تھا۔

"مجھے اپنی محبت ثابت کرنے کے لیے اور کیا کیا کرنا ہو گا۔ ایک ہی بار بتا دو۔"

"میں تمہیں فورس تو نہیں کر رہا۔" اندر شرمندگی کا احساس کروٹ لینے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک بار اور سہی۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"عریشہ! یو آر گریٹ۔" ثوبان نے اٹھ کر بے اختیار اسے ساتھ لگانا چاہا.... وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"میں تمہیں اپنا مکان دے رہی ہوں۔ میری محبت ہر آزمائش سے گزری اور سرخرو ہوئی..... زندگی میں کبھی تمہیں اس مقام سے گزرنا پڑا تو کیا کرو گے؟" عریشہ نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

ثوبان گڑبڑا سا گیا۔ "اگر عریشہ کو پتا چل جائے تو..... تو کیا ہو گا۔ یہ دیوانی سی لڑکی تو پاگل ہو جائے گی یا جان سے گزر جائے گی۔"

عریشہ چلی گئی۔ ثوبان بے دم سا کرسی پر گر گیا۔ خوشی کے ساتھ اک احساس ندامت بھی اسے گھیر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اچھی طرح چھان بین تو کروالی ہے۔ خاص طور پر لڑکے کے اخلاق و کردار کے بارے میں....." نبیلہ اور فاطمہ آئیں۔ آج انہیں لڑکے کو انگوٹھی پہنانے جانا تھا۔

"ہاں! لڑکوں نے اچھی طرح چھان پھٹک کروالی تھی، پھر بلوایا تھا۔" برکت حسین نئے نکور لٹھے کے سوٹ میں ملبوس بالکل تیار تھے۔ ثوبان اور محسن کا انتظار تھا، جو مٹھائی لینے گئے تھے۔

"اچھی بات ہے۔ مریم کی فکر تو کم ہوئی، اب عریشہ کے بارے میں سوچیں۔" انہوں نے موقع دیکھ کر بات چھیڑ دی۔ حمیدہ بس ایک لمحے کو گڑبڑائیں۔

"اس کے بارے میں کیا سوچنا۔ گھر کی بات ہے۔" فاطمہ نے گھبرا کر ماں کو دیکھا۔

"جب گھر کی بات ہے تو دیر کس بات کی، چند لوگوں کو بلا کر نکاح کر دیتے ہیں۔" برکت اور حمیدہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ نبیلہ کو حیرت سی ہوئی۔

"کوئی مسئلہ ہے؟" انہوں نے فاطمہ کو دیکھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں پھوپھو....." فاطمہ نے ماں کو ٹھوکا دیا۔ جو اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

"تو ثوبان کے باہر جانے سے پہلے نکاح ضروری ہے؟"

"ثوبان....." حمیدہ ایک حتمی نتیجے پر پہنچیں۔ "پر نعمان بڑا ہے۔"

"نعمان تو یہیں پر ہے، اس کے لیے اطمینان سے لڑکی ڈھونڈتی رہیں۔"

"نعمان کے لیے لڑکی کیوں ڈھونڈوں۔ میں نے تو ہمیشہ سے عریشہ کو بڑی بہو کے روپ میں دیکھا ہے۔" انہوں نے بڑی سفاکی اور اطمینان سے جھوٹ بولا۔ نبیلہ تو کچھ کہنا ہی بھول گئیں۔

"مگر جوڑ تو عریشہ اور ثوبان کا ہے۔" انہوں نے پریشانی سے بھائی کو دیکھا۔ وہ بغلیں جھانکنے لگے۔

"چند سال کی چھوٹائی بڑائی کیا، پھر ثوبان تو ابھی شادی ہی نہیں کرنا چاہتا۔ کہتا ہے کہ کسی گوری میم سے شادی کروں گا۔" حمیدہ کو بس ایک منٹ لگا سب کچھ الٹ پلٹ کرنے میں۔

"تو عریشہ نے یہ کیوں کہا؟ اسے غلط فہمی ہوئی ہے یا یہ اس کے یک طرفہ جذبات ہیں؟" فاطمہ گھبرا کر اٹھ گئی۔

"میں دیکھوں، عریشہ تیار ہو گئی۔"

عریشہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے آئینے میں مریم کو دیکھا، جو پلنگ پر نیم دراز رسالہ پڑھ رہی تھی۔ عریشہ قصداً خوشگوار موڈ میں اس کی طرف مڑی۔

"میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

مریم نے رسالے سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

"ہمیشہ کی طرح خوب صورت....."

"شکریہ....." وہ دوسرے پلنگ پر بیٹھ کر سینڈل پہننے لگی۔ باہر شور ہو رہا تھا کیونکہ بانو آپا اپنے اہل و عیال کے ساتھ تشریف لے آئی تھیں۔

"مریم! تم خوش تو ہو نا.....؟" اس نے ہلکے سے خدشے کے ساتھ پوچھا۔

"جب کوئی آپشن ہی نہیں تو میں خوش ہوں۔" مریم نے لاپروائی سے کہا۔ تب ہی فاطمہ آ گئی۔

"عریشہ! تیار ہو؟"

"جی بالکل تیار۔" وہ دوپٹہ اوڑھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک لگ رہی ہوں؟"

فاطمہ نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔ وہ سب مل کر عریشہ کے ساتھ کیا کرنے والے تھے۔ فاطمہ اس کے جذبات سے اچھی طرح آگاہ تھی۔

"نہیں، اس کھیل میں مجھے ساتھ نہیں دینا۔ میں واپسی پر اماں سے بات کروں گی۔ عریشہ کے ساتھ اتنی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔"

اس نے مصمم ارادہ کیا۔ عریشہ اس کے انداز پر حیران تھی۔

"کیا ہوا آپی؟"

"کچھ نہیں، آؤ دیر ہو رہی ہے۔" فاطمہ نے ضبط کرتے ہوئے کہا تو دونوں باہر نکل گئیں۔ باہر برکت حسین ابرار سے کہہ رہے تھے۔

"ارے بھئی تم بھی گھر کا فرد ہی ہو۔ ساتھ چلے چلتے۔"

"سارے محلے کو لے چلیں۔" حمیدہ انہیں خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑبڑائیں۔

"نہیں ماموں.....! مجھے چھٹی نہیں ملے گی۔" اس نے ایک ہلکی سی نگاہ اندر سے آتی عریشہ پر ڈالی اور نظر ہٹا لی۔

"میں چلتا ہوں۔ رات کو آؤں گا۔"

"زیادہ دیر نہ لگانا، ہم لوگ وقت پر آجائیں گے۔" برکت حسین نے تاکید کی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ لڑکا اپنی ذہانت اور سعادت مندی کی وجہ سے ان کے دل کے قریب ہونے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

مریم نے سنسان گھر پر اک نگاہ دوڑائی۔

"شکر ہے، چند گھڑیاں تو سکون کی ملیں گی۔"

کچن میں جا کر اک بڑا مگ دودھ پتی کا بنایا۔ کمرے میں آ کر اپنے کالج بیگ سے ایک موبائل فون نکالا جو سائلنٹ پر تھا اور پلنگ پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ دودھ پتی کی چسکیاں لیتے موبائل پر کسی کو مس کال دی۔ ایک منٹ کے بعد موبائل گنگنایا اور "فہد کالنگ" کے الفاظ جگمگانے لگے۔ مریم نے مسکرا کر کال ریسیو کی۔ وہ چھوٹتے ہی پوچھنے لگا۔

"خیریت.....؟"

"کیوں.....؟"

"بھئی یہ آدھی رات تو نہیں۔"

"فرصت تھی، تنہائی تھی، سو تم یاد آ گئے۔"

"گھر والے کہاں گئے.....؟"

"میری منگنی کرنے....." مریم کا منہ کڑوا ہو گیا۔

"اوہ....." وہ چپ سا ہو گیا۔

"فہد! میں نے تمہارے کہنے پر منگنی کروا تو لی ہے۔ لیکن اب بھی تم نے کچھ نہ کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔" اس نے سنجیدگی سے دھمکی دی۔

"یوں تو نہ کہو۔ کریں گے کچھ نہ کچھ۔ کیوں پریشان ہوتی ہو؟"

"تم لڑکے ہر بات کو اتنا لائٹلی کیوں لیتے ہو؟"

"تم لڑکیاں ضرورت سے زیادہ سنجیدہ کیوں ہو جاتی ہو؟"

"کیونکہ ہم لڑکیاں تمہاری طرح ٹائم پاس نہیں کرتیں۔"

"میں ٹائم پاس کر رہا ہوں؟" فہد کو برا لگا۔

"فہد پلیز! یہ ہم دونوں کی زندگی کا معاملہ ہے۔"

"مریم! میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھا ہوں۔ گھر والوں کو منا تو رہا ہوں۔"

"اگر وہ نہ مانے تو؟" مریم کے لہجے میں ہزاروں خدشے تھے۔

"تو ہم گھر سے بھاگ جائیں گے۔" فہد نے آرام سے کہا۔

"فہد....." وہ بھونچکی رہ گئی۔

"اس کے بعد ہمارے پاس اور کوئی آپشن نہیں بچے گا۔ اسی لیے کہتا ہوں' تھوڑا انتظار کرلو۔ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں۔ ہم اپنی زندگی خود بنائیں گے۔" فہد نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"فہد! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔"

"یہی ہماری زندگی ہے۔ ہم بالغ اور باشعور ہیں۔ اپنے فیصلے خود کرسکتے ہیں۔ میں تو کسی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ ہماری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔" فہد کے ٹھوس لہجے نے مریم کے اندر توانائی سی بھر دی۔

"اب خاموش کیوں ہو؟"

"تمہاری باتوں پر غور کر رہی تھی۔"

"سنو! فرصت بھی ہے' تنہائی بھی...... میں آجاؤں؟" فہد نے شرارتی انداز میں کہا۔

"خوامخواہ۔" مریم بدک گئی۔

"ایسے موقعے بار بار نہیں آتے......" وہ مائل بہ شرارت تھا۔

"بڑے جی دار ہوگئے ہو۔ کالج میں تو میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔"

"محترمہ! آپ ہی نے قسم دی تھی۔"

مریم ہنس دی اور باتوں کا رخ اس سمت مڑ گیا' جہاں صرف خواب تھے۔ خواہشیں اور وہ ست رنگی دھنک' جو حقیقت چھپا کر انسان کو اندھا کردیتی ہے اور وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ سفر رنگوں کا ہے مگر منزل صرف تاریکی......

☆ ☆ ☆

"اب کون سا شہزادہ ڈھونڈ لیا ہے۔ کیسی اکڑ سے مجھے انکار کیا تھا۔ اب بتائیں' میرے دیور میں کیا برائی تھی۔ بس ایک نوکری ہی سرکاری ہے...... پر کمائی...... ہونہہ شکل بھی پوری ساری...... گھر بھی ٹوٹا پھوٹا...... اب تم لوگ مانو یا نہ مانو' میرے دیور کا رشتہ ہر لحاظ سے اس رشتے سے بہتر تھا۔"

بانو نے گھر آتے ہی نکتہ چینیاں شروع کردیں۔

"اس میں ایک ہی کمی تھی بانو آپا!" مریم کمرے کے دروازے میں آکھڑی ہوئی۔

"رنگ ہی مدھم تھا تو مردوں کے رنگ کون دیکھتا ہے۔ خود تم نے بھی تو کریمیں لگا لگا کر اپنا روپ تھا سنوارا ہے۔ اس کو بھی لادیتیں۔" بانو نے کہا۔

"نہیں آپا! اس میں ایک ہی کمی تھی کہ وہ تمہارا دیور تھا۔" مریم نے کہا اور غڑاپ سے کمرے کے اندر۔

"دیکھا...... اماں دیکھا! اس کی زبان گز بھر لمبی ہے۔ اس زبان کے ساتھ سسرال میں گزارہ کرے گی۔"

"بس بھی کرو۔" حمیدہ نے اکتا کر ٹوکا۔ "آتے ہی شروع ہوگئیں...... عریشہ! مٹھائی کا ٹوکرا لے کر آنا۔ آس پڑوس میں بھجواؤں۔"

عریشہ چلی گئی تب انہوں نے فاطمہ کو دیکھا۔

"تم کیوں ادھر چلی آئیں...... ساس کے ساتھ کیوں نہیں گئیں۔"

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنا تھی۔ اس لیے رک گئی۔"

"کیسی ضروری بات......" بانو نے تجسس سے پوچھا تو فاطمہ ٹھٹک گئی...... ابھی بات کرنے کا مطلب تھا کہ ڈھنڈورا پٹ جائے۔ اور وہ نہیں چاہتی کہ عریشہ کے کانوں میں اس بات کی بھنک بھی پڑے۔

"کچھ خاص نہیں' بس وہ۔" فاطمہ کو کوئی اور بات نہ سوجھی۔ تب ہی عریشہ ٹوکرا لے کر آگئی تو سب کی توجہ خود بخود ادھر ہوگئی۔ رات کو بانو آپا یہیں رک گئیں اور فاطمہ کو لینے محسن آگیا...... فاطمہ نے سوچا' وہ پھر کسی دن آکر بات ضرور کرے گی۔

☆ ☆ ☆

عریشہ کمرے میں آئی تو مریم نہیں تھی۔ وہ بے خیالی میں اسی کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ وہ بہت الجھ گئی تھی...... کوئی چیز اندر ہی اندر بری طرح چبھ رہی تھی مگر وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ نعمان کی بات پر یقین کرنا چاہتی تھی نہ ثوبان کی نیت پر شک۔

"یا اللہ! میں کیا کروں' مجھے کوئی تو رستہ سجھا۔" اس نے جھک کر تکیے پر سر ڈال دیا۔

"سب کچھ سیدھا تھا۔ اب کیوں گنجلک ہو رہا ہے۔" اس نے کروٹ بدل کر گال کے نیچے ہتھیلی رکھی۔ اچانک تکیے کے نیچے تھرتھراہٹ ہوئی' وہ ایک دم اچھل پڑی۔ تکیہ ہٹایا تو موبائل دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

"یہ موبائل کہاں سے آیا؟"

اس نے اوندھا پڑا موبائل اٹھایا۔ اس سے قبل کہ وہ اسکرین پر آتا نام دیکھ پاتی' مریم نے موبائل جھپٹ لیا۔

"تم میرے بستر پر کیا کر رہی ہو۔" اس نے جلدی سے موبائل آف کردیا۔

"تمہارے پاس موبائل کہاں سے آیا؟"

"آ......" مریم نے سوچنے میں بس چند سیکنڈ لیے۔ "توصیف نے بھجوایا ہے؟"

"اچھا...... یہ کب کی بات ہے؟"

"پرسوں اس کی بہن آئی تھی میرا ناپ لینے' تب ہی چپکے سے دے گئی۔"

"پرسوں میں کہاں تھی؟" عریشہ نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"کیا ہوگیا ہے۔ تم کالج گئی تھیں' میں نے چھٹی کی تھی۔"

"تائی کو پتا ہے......؟" عریشہ نے کچھ دیر ٹھہر کر پوچھا۔

"نہیں اور پلیز تم بھی مت کہنا۔ پرانے زمانے کی عورت ہیں۔ ان معاملات کو نہیں سمجھتیں۔" وہ آنکھ دبا کر بولی۔ عریشہ خود بہت الجھی تھی۔ سو زیادہ کرید میں نہیں پڑی۔ مریم آرام سے موبائل آن کرکے ایس ایم ایس کرنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

عریشہ واش بیسن پر جھکی جلتی آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔ جب ثوبان باہر سے آیا۔ عریشہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا تو وہ وہیں چلا آیا۔

"تمہاری آنکھیں کیوں اتنی سرخ ہو رہی ہیں۔ طبیعت ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" اس نے ایک دو چھپاکے مارے اور تولیہ کھینچ کر چہرہ رگڑنے لگی۔ اب کیا بتاتی کہ اک انجانی سی بے چینی ہے' جو رت جگا بن کر اس کی آنکھوں میں اتر آتی ہے...... نجانے کون کون سے خدشے ہیں' جو دل دہلاتے رہتے ہیں...... خوف کی کوئی شکل نہیں ہے مگر ذہن و دل میں پنجے گاڑ کر بیٹھ گیا ہے۔

"عریشہ! یار جلدی کرو نا...... ابھی مکان کو سیل کرنے میں بھی وقت لگے گا۔"

"میں آج جاؤں گی پھوپھو کی طرف۔" اس نے تولیہ تار پر ڈالا۔

"پھوپھو...... کی طرف۔"

"امی کے ضروری ڈاکومنٹس ان ہی کے پاس ہیں سو کاغذات بھی وہیں ہوں گے۔"

"اچھا......" ثوبان کچھ پریشان سا ہوگیا۔ جانتا تھا نبیلہ کی عادت کو' وہ سو بار جرح کریں گی۔ عریشہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں کاغذات لے کر ہی آؤں گی۔"

"نہیں' میں کیوں فکر کروں گا...... تم ہو نا میری ساری فکریں اپنے سر لینے کے لیے......" وہ اطمینان سے بولا۔

اور میری فکریں؟" وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر پوچھ نہ پائی...... ثوبان اوپر چلا گیا۔

"عریشہ آپی! ابرار بھائی کے سر میں بہت درد ہے۔ ایک کپ چائے بنادیں۔" فرید بھاگتا ہوا آیا۔

"بنادیتی ہوں۔"

"اماں کو پتا نہ چلے ورنہ ابھی دہائی دے دیں گی۔"

فرید کی بات پر عریشہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

☆ ☆ ☆

"مکان کے کاغذات' وہ تم نے کیا کرنے ہیں؟"

نبیلہ نے بے حد چونک کر سامنے بیٹھی عریشہ کو دیکھا۔ وہ کالج سے سیدھا ان کے گھر آئی تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ فاطمہ اور محسن گھر پر نہیں تھے۔

"ثوبان کو پیسوں کی ضرورت ہے تو......"

"ثوبان کو ضرورت ہے اور تم اپنا گھر اسے دے دو گی..... ان لوگوں کی ضرورتیں کہیں رکیں گی یا نہیں؟" نبیلہ کو تاؤ آگیا۔ "اور عریشہ! تم کتنی بے وقوف ہو۔ ثوبان کو ضرورت ہے، تم اپنا زیور دے دو گی۔ ثوبان کو ضرورت ہے، تم اپنا گھر دے دو گی۔ ثوبان تمہیں کب تک سیڑھی بنائے گا..... اور جب تم خالی ہو جاؤ گی تب یہ ثوبان تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔"

اندر آتا ابرار عریشہ کی آواز سن کر رک گیا۔

"پھوپھو! میں یہ سب نہیں جانتی..... شروع سے آج تک میں نے اور ثوبان نے صرف ایک دوسرے کے خواب دیکھے ہیں۔ ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش کی ہے۔ اب اتنی معمولی سی بات کے لیے کیسے دستبردار ہو جاؤں؟"

"عریشہ! تم کچھ نہیں جانتی ہو، وہاں فیصلے کچھ اور ہو رہے ہیں۔" نبیلہ نے بے بسی سے اپنی بھتیجی کو دیکھا۔ وہ انہیں بے حد پیاری تھی۔ اپنی تمام تر بے وقوفیوں اور غلطیوں کے باوجود.....

"مجھے کسی فیصلے سے کوئی سروکار نہیں۔ پھوپھو! وہ مجھ سے دور چلا جائے گا اگر میں مکان اسے دے دوں تو....."

"وہ تب بھی تم سے دور چلا جائے گا عریشہ!" ابرار سے رہا نہ گیا۔

"تم؟"

"میں جب سے وہاں آیا ہوں میں نے ایک بار بھی اس کی مستقبل کی پلاننگ میں تمہارا ذکر نہیں سنا۔"

"تم..... تم ہوتے کون ہو ہمارے ذاتی معاملے میں بولنے والے۔" عریشہ غصے سے پھنکاری۔

"کوئی نظروں کے سامنے ڈوب رہا ہو تو مجھ میں اتنی انسانیت ہے کہ اسے بچانے کی سعی کروں۔" ابرار نے مدھم اور ٹھوس انداز میں کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں تمہیں کسی کو بچانے یا انسانیت کا علم بردار بننے کی۔ یہ میرا معاملہ ہے اور کسی ایرے غیرے کو کوئی حق نہیں کہ....." وہ غم و غصے سے سلگ اٹھی۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ مجھے واقعی کوئی حق نہیں، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس شخص میں ذرا بھی وفا نہیں، اس کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر مت لگاؤ۔" وہ جانے کو پلٹا۔

"ابرار....." نبیلہ نے پکارا۔

"خالہ! میں باہر بیٹھا ہوں۔" ابرار آہستگی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔

"پھوپھو! میں نے فیصلہ کر لیا ہے..... میرے لیے دنیا کی کوئی بھی چیز ثوبان کی محبت سے زیادہ اہم نہیں۔" وہ نبیلہ کی طرف پلٹی۔ "آپ کاغذات مجھے دے دیں۔ ثوبان باہر چلا گیا تو سب کی زندگیاں سنور جائیں گی۔"

نبیلہ کا دل چاہا، کس کے ایک تھپڑ عریشہ کے منہ پر ماریں۔ اپنے اسی اندھے اور احمقانہ پاگل پن کے ہاتھوں وہ ایک بار اپنی ماں کو کھو چکی تھی اور اب پھر بغیر سوچے سمجھے، بغیر جانے بوجھے، وہی غلطی دوہرانا چاہتی تھی، لیکن اب وہ چپ چاپ تماشا تو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

"عریشہ! بیٹھ جاؤ اور غور سے میری بات سنو۔" وہ جیسے بادل نخواستہ بیٹھی تھی۔

"جانتی ہو، عادلہ کبھی بھی تمہاری شادی اس گھر میں نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

عریشہ نے سر اٹھا کر نبیلہ کو دیکھا۔

"کیونکہ وہاں رہنے والے سب لوگ خود غرض اور مطلب پرست ہیں۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کسی بھی رشتے کو آرام سے استعمال کر سکتے ہیں۔ وہ میرے بھائی کا گھر ہے، مگر جیسی فطرت حمیدہ کی ہے، ویسے ہی اس کے بچوں کی۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔" عریشہ الجھ کر بولی۔

"تمہاری آنکھیں کھولنا چاہتی ہوں بے وقوف لڑکی! میں نے حمیدہ اور برکت بھائی سے تمہارے

رشتے کی بات کی تھی۔ جانتی ہو انہوں نے کیا کہا؟"
ان کے ذرا سے وقفے پر عریشہ کی سانس اٹک گئی۔
"وہ تو شروع سے ہی عریشہ اور نعمان کے رشتے کا سوچے بیٹھی ہیں۔"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے...؟" عریشہ کے لبوں سے بمشکل نکلا۔
"اور یہ بھی..." انہوں نے ایک ہی بار عریشہ کے قدموں سے زمین کھینچنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ "کہ ثوبان شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔"
عریشہ کا رنگ خطرناک حد تک پیلا پڑ گیا۔
"وہ مکان تمہارا ہے' مگر میں اس کے کاغذات ابھی تمہیں نہیں دوں گی۔ ثوبان سے کہو' اگر وہ تم سے مخلص ہے تو پہلے نکاح کرے۔ یہ مکان اسی کو ملے گا' جس کی تم سے شادی ہو گی۔" انہوں نے حتمی انداز میں کہہ دیا۔ کچھ کہنے کی کوشش میں عریشہ کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے۔
وہ بدقت کھڑی ہوئی۔
"وہ لوگ تمہاری محبت کو بار بار آزما رہے ہیں تو تم کیوں نہیں۔ یا پھر تم حقیقت کے سامنے آنے سے ڈرتی ہو؟"
"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے پھوپھو! ایسا کچھ نہیں ہے۔ ثوبان ایسا نہیں ہے۔" وہ بیگ اٹھا کر بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔ کاریڈور میں کھڑے ابرار نے پلٹ کر اسے دیکھا مگر عریشہ بنا دیکھے اس کے قریب سے ہو کر چلی گئی۔ اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور اسے صاف کرنے کا خیال تک نہیں تھا۔
ابرار نے تاسف سے اسے جاتے دیکھا۔



"سنو! یہ سامان کس کا جا رہا ہے؟" پک اپ پر جاتا سامان دیکھ کر نعمان نے لڑکے سے پوچھا۔
"ماسٹر صاحب ریٹائرڈ ہو گئے ہیں۔ اس لیے واپس اپنے آبائی شہر جا رہے ہیں۔"
"جا رہے ہیں؟" اس نے زیر لب دہرایا۔ نارسائی کا گہرا احساس وجود میں پنجے گاڑنے لگا۔ "اب بھی آتے جاتے کبھی کبھار وہ دکھائی تو دے ہی جاتی تھی مگر اب..."
وہ سست روی سے چلتا اسٹور کے اندر آ گیا مگر سارا دن ایک پل بھی قرار نصیب نہ ہوا... تب ہی اسٹور بند کر کے گھر چلا آیا۔
"خیر تو ہے۔ تو اس وقت...؟" برکت حسین نے چونک کر پوچھا۔
"سر میں درد تھا۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔
"چائے بنوا کے پی لے... ساتھ میں گولی بھی لے لینا۔"
"اچھا..." وہ ماں کو چائے کا کہنے آیا تھا... وہاں کچھ اور ہی بحث چل رہی تھی۔ وہ دروازے میں ٹھٹک گیا۔
"تیری پھوپھی کے پاس ہیں۔ بس پھر تو فاتحہ پڑھ لے۔ اب نہیں ملنے کے۔"
"اماں! عریشہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور لے کے آئے گی۔" ثوبان نے کہا۔
"رہنے دے۔ تیری پھوپھی بڑی چالاک عورت ہے۔ کبھی نہیں دے گی۔ عرشی لاکھ سر پٹخ لے۔" حمیدہ نے کہا۔
"اماں! مجھے نہیں پتا۔ اس مکان کا کچھ کرو۔ مجھے بس پیسے چاہئیں۔"
"تو میں کیا کروں' نکلوا لے اس سے۔" وہ بے زاری سے بولیں۔
"عریشہ کے مکان کی بات ہو رہی ہے اماں...!" نعمان نے اندر قدم رکھا... ایک پل کو دونوں ٹھٹک گئے' پھر حمیدہ اکتائے ہوئے انداز میں بولیں۔
"ہاں' وہی... اسے ویزے کے لیے پیسے جو چاہئیں۔"
"سب کچھ اسی پر لٹاتی رہنا... باہر چلا گیا تو مڑ کر نہیں دیکھے گا۔" اندر کی کھولن زبان پر آ گئی۔
"میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔ زمین سے اٹھا کر آسمان پر لے جائے گا۔" حمیدہ نے فخر سے کہا تو نعمان کو کچھ اور تاؤ آ گیا۔
"بس اسی خوش فہمی میں رہنا۔ بہرحال اس مکان کو بھول جاؤ۔ وہ عریشہ کا ہے۔" نعمان کے اطمینان سے کہنے پر ثوبان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"اور عریشہ... عریشہ کس کی ہے؟"
"اماں! تم نے بتایا نہیں کہ میری اور عریشہ کی شادی ہو رہی ہے۔" نعمان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ حمیدہ نے گھبرا کر دونوں بیٹوں کو دیکھا' جو آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔
"تم دونوں احمق ہو۔ ایک معمولی لڑکی کے لیے لڑ رہے ہو۔"
"عریشہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" ثوبان نے جتایا۔
"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" نعمان نے لاپروائی سے کہا۔
"میں نے کہا... کیوں ایک دوسرے کا گریبان پکڑتے ہو... بیٹھ جاؤ... بیٹھ کر طے کر لیتے ہیں۔" حمیدہ نے ڈپٹ کر کہا۔
"تیرے لیے زیادہ ضروری کیا ہے۔ عریشہ یا روپے؟"

"ظاہر ہے اماں! مجھے رقم چاہیے۔"
باہر کھڑی عریشہ کے وجود کے پرخچے اڑ گئے۔ تیز رفتار ٹرین اسے روندتی چلی گئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا۔
نہ دل' نہ جذبے۔
نہ وجود' نہ اس میں پنپتی خواہشیں۔
"تو بس ٹھیک ہے۔ چچا کا کاروبار نعمان کے پاس ہے... تجھے عریشہ سے شادی کرنی ہے۔ بدلے میں ثوبان کو اتنی رقم دے دے کر وہ باہر جا سکے... بس اتنی سی بات ہے۔"
عریشہ نے پورے زور سے سینے میں اٹکی سانس کو باہر نکالا۔
یہ وہ لوگ تھے' جن کی خاطر اس نے اپنی سگی ماں کی پروا نہیں کی۔
وہ اسے کسی جائیداد کی طرح بانٹ رہے تھے۔
یہ تھی اس کی اوقات۔
یہ تھی اس کی حیثیت۔
وہ دروازے کے عین درمیان آ کھڑی ہوئی۔ اس کی نظروں کے سامنے ثوبان تھا۔
ثوبان کی نظر عریشہ پر پڑی تو چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
اس کے اڑے رنگ نے باقی دو نفوس کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔
اک تکلیف دہ خاموشی ان کے درمیان کنڈلی مار کر بیٹھ گئی۔
عریشہ لڑکھڑاتے قدموں سے ثوبان کے سامنے آئی۔

"کیوں کیا میرے ساتھ... کیا بگاڑا تھا میں نے؟ محبت کی تھی... تو اس محبت کی اتنی بڑی سزا دو گے... میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں تھی' نہ آج نہ کل... ایک اے ٹی ایم کارڈ تھی' جسے جب دل چاہا کیش کروا لیا... میں نے تمہاری خاطر اپنی ماں کی نافرمانی کی... تمہاری خاطر اپنی ماں کو مار ڈالا اور تم نے..."
ثوبان کا بازو عریشہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ دیوانوں کی طرح جھنجھوڑتی چیخ رہی تھی۔
"تمہیں صرف پیسہ چاہیے' میں نہیں... اتنی تذلیل... اتنی..."
"ارے عرشی! بات سن' ہم یہ بات نہیں کر رہے تھے ہم تو..." حمیدہ سنبھل کر آگے بڑھیں۔
"بس۔" عریشہ کرنٹ کھا کر ان کی طرف مڑی۔
"آپ کی اصلیت میں نے دیکھ لی... میں نے جس عورت کو ماں سے بڑھ کر سمجھا۔ اس نے ناگن بن کر میری خوشیوں کو ڈس لیا۔ تم سب کے سب انتہا کے خود غرض اور ظالم لوگ ہو... نفرت ہو گئی ہے مجھے تم سب سے... مجھے اب یہاں ایک منٹ نہیں رہنا... مجھے تم لوگوں کی شکلیں بھی نہیں دیکھنی..."
"عرشی' عرشی! میری بات تو سن..." حمیدہ نے پکارا مگر وہ دیوانوں کی طرح بھاگتی باہر نکل گئی۔
گلی سنسان تھی... وہ روتی بلکتی اک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئی۔
اس نے عادلہ کو جھٹلایا تھا۔

نبیلہ کو غلط کہا تھا۔
عریشہ کے نزدیک یہ لوگ سچے تھے۔ اس کے اپنے تھے۔ اس کے لاڈ اٹھاتے، ناز نخرے دیکھتے یہ لوگ اتنے خود غرض اور ظالم بھی ہو سکتے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔
وہ مٹھیاں بھینچ بھینچ کر رونے لگی۔
تب ہی وہ آہستگی سے اس کے قریب آکر بیٹھا۔
"مانا دکھ بہت برا ہے..... مگر خود کو دنیا کے سامنے تماشا مت بناؤ۔"
"تماشا تو میں بن گئی۔ اپنی ہی بھول کے ہاتھوں خود ہی تماشا بن گئی۔"
"میں رونے سے نہیں روک رہا مگر یہ جگہ مناسب نہیں، اٹھو ہمت کرو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" ابرار نے رسانیت سے کہا۔
"میرا کوئی نہیں ہے۔"
"زندگی اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی عریشہ! اٹھ جاؤ۔" اس نے نرمی سے پکڑ کر کھڑا کیا۔
"میری تو ہو گئی۔" وہ بڑبڑائی۔
"دوپٹہ اوڑھ لو....."
دوپٹہ اوڑھتے ہوئے عریشہ نے سامنے کھڑے شخص کو پہچاننے کی سعی کی۔ وہ بالکل غائب دماغ تھی۔
"ہم کہاں جا رہے ہیں۔"
"خالہ نبیلہ کے گھر۔"

☼ ☼ ☼

وہ اتنی چپ تھی کہ کبھی کبھی نبیلہ کو خوف آنے لگتا۔ وہ اسے بہلانے کی پوری کوشش کرتیں، مگر یہ بھی جانتی تھیں کہ عریشہ کو اپنی جنگ خود لڑنا ہو گی۔ فاطمہ الگ نظریں چرائے رہتی۔ حالانکہ کسی نے اسے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔
نبیلہ نے کمرے میں جھانکا۔ وہ دونوں بازوؤں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ نبیلہ نے تاسف سے سر جھٹکا۔ وہ آج وہی تکلیف اٹھا رہی تھی، جو عادلہ نے اس کے ہاتھوں اٹھائی۔
مان اور اعتبار ٹوٹنے کی تکلیف۔
کوئی آپ کو جان سے بھی پیارا ہو..... مگر دھوکا دے جائے۔ تو حالت ایسی ہوتی ہے۔
"عرشی!" نبیلہ آہستگی سے اس کے پاس بیٹھیں۔
"بیٹا! خود کو سنبھالو۔ کب تک اس طرح بیٹھی رہو گی۔ یہ سب اسی طرح ہونا تھا..... خدا کا شکر کرو کہ تمہاری زندگی برباد ہونے سے بچ گئی۔ ثوبان کی اصلیت اور نیت بروقت کھل کر سامنے آگئی۔ خدا کا شکر ادا کرو، تم کسی بڑے نقصان سے بچ گئی ہو۔"
"ابھی کوئی نقصان ہونا باقی تھا پھوپھو..... میں نے سب کچھ تو کھو دیا۔" وہ سر اٹھا کر ہارے ہوئے انداز میں بولی۔
"نہیں بچے۔" نبیلہ نے اس کی پیشانی چومی۔
"اس طرح مت سوچو۔ ابھی تو تمہاری پوری زندگی باقی ہے۔ تم عادلہ کی بیٹی ہو اور وہ بہت باہمت تھی۔"
ماں کے ذکر پر عریشہ کی آنکھیں پھر سے بھیگ گئیں۔
تب ہی فاطمہ چلی آئی اور جھجکتے ہوئے بولی۔
"پھوپھو! اماں اور ابا آئے ہیں۔"
"اچھا..... ان میں ہمت ہے میرا سامنا کرنے کی۔"
عریشہ زہر خند لہجے میں بولی۔
"عرشی! وہ تم سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔"
"ہاں، ابھی ان کا مطلب نہیں نکلا اس لیے۔"
فاطمہ شرمندہ ہو کر انگلیاں چٹخانے لگی۔
"پھوپھو! میں ان میں سے کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی اور..... چند دنوں میں وہ میرا مکان خالی کروا دیں۔ اور رہی بات دکانوں کی تو نعمان کو ان کا قبضہ چھوڑنا پڑے گا، ورنہ میں کیس کر دوں گی۔" وہ بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی گئی۔
"ریلیکس ہو جاؤ۔ میں ان سے بات کرتی ہوں۔"
پھوپھو اسے تسلی دے کر چلی گئیں۔ اس نے پھر سے گھٹنوں میں سر جھکا لیا۔
فاطمہ کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

سب کے سب کمرے میں سر پکڑے بیٹھے تھے۔

سوائے برکت حسین کے، جو غصے میں گھر سے نکل گئے تھے۔ بقول ان کے، سارا قصور حمیدہ کا تھا۔
"لو! ایک اور سیاپا....." حمیدہ نے تاسف سے ہاتھ ملے۔
"آپ اس سے بات تو کرتیں۔" ثوبان جھنجھلا کر بولا..... عریشہ بھی ہاتھ سے گئی اور پیسوں کی آس بھی۔ جھنجلاہٹ اور شرمندگی الگ۔
"کیا بات کرتی۔ وہ تو میرے سامنے ہی نہیں آئی۔ الٹا تیری پھوپھی رج کے میری بے عزتی کر کے گئی..... اور وہ تیرا باپ ہاتھ جوڑ جوڑ کے بہن سے معافی مانگ رہا تھا..... کر لو گل، ساری زندگی اسے کلیجے سے لگا کے رکھا۔ اپنی اولاد سے زیادہ اس کے نخرے دیکھے..... اور صلہ ملا یہ کہ ٹھینگا دکھا کے پھوپھی کے گھر جا بیٹھی۔ کہتی ہے کیس کروں گی؟ کس کی شہہ ہے، پھپھی کی نا؟ اوپر سے وہ فاطمہ الگ ہم سے منہ پھلائے بیٹھی ہے۔"
نعمان دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے گہری سوچ میں تھا۔
ثوبان نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور بدلحاظی سے بولا۔
"یہ سب اس کا قصور ہے۔ کیوں درمیان میں آیا۔ سارا کھیل بگاڑ دیا۔"
نعمان نے شرر بار نگاہوں سے چھوٹے بھائی کو گھورا۔ اس کے منہ کا نوالہ کھانے والا آج اسی کے منہ کو آرہا تھا۔
"مکان تو مکان، دکانیں بھی گئیں۔ اب کرے عیش۔"
"میری دکانوں کی فکر مت کر۔ اپنے ویزے کے پیسے جمع کر....." نعمان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔
"میرے پاس بہت آپشن ہیں۔ تم سوچو، کہاں کہاں مزدوری ملے گی۔" ثوبان نے مذاق اڑایا۔
"تجھے کیا خزانہ مل گیا ہے یا اپنی نوکری پر اکڑ رہا ہے؟"
"خزانہ ہی سمجھ لو۔ اس پورے قصے میں اگر کسی کو فائدہ ہوا ہے تو وہ میں ہوں۔" وہ سینے پر انگلی رکھ کر ہنسا۔ حمیدہ اور نعمان نے الجھ کر اسے دیکھا۔
"میرا رستہ کلیئر ہو گیا۔ ایک فیصلہ کرنے میں دشواری تھی۔ وہ بھی دور ہوئی۔ اماں! میں سنیعہ سے شادی کر رہا ہوں۔"
"سنیعہ کون؟" حمیدہ نے چونک کر پوچھا۔
"سنیعہ وہ سیڑھی ہے..... جس پر چڑھ کر میں آسمان چھو سکتا ہوں۔" وہ ہنس دیا۔
نعمان ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا۔
خسارہ پھر اس کے حصے میں آگیا..... یہ احساس ناقابل برداشت تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازے کا ایک پٹ تو کھلا تھا، دوسرا بڑے زور سے کھلا..... دھاڑ کی آواز پر چولہا لیپتی جمیلہ نے سر اٹھا کے دیکھا۔ بشریٰ تھی..... بشریٰ کا آنا اتنے اچنبھے کی بات نہ تھی۔ ایک ہی گاؤں میں ہونے کی وجہ سے وہ اکثر چلی آتی تھی، قیمتی کپڑوں پہ سارے زیور چڑھائے صحن میں اٹھلاتی پھرتی۔ ایسے میں کبریٰ کے انداز ہی کچھ اور ہوتے..... ماں بیٹی کی باتیں، حرکتیں، فخریہ لہجہ جمیلہ کو باور کرواتا کہ دیکھو اگر تم نے بشریٰ کو بہو نہیں بنایا تو خسارے میں جمیلہ رہی ہے..... بشریٰ نہیں لیکن آج بشریٰ کا حلیہ بتاتا تھا کہ ابتدائی دنوں کے چونچلے ختم ہوئے۔
"بشریٰ خیر تو ہے..... ساتھ میں کون ہے؟" جمیلہ نے متفکر انداز میں پوچھا۔
"کوئی نہیں۔" وہ رکھائی سے گویا ہوئی۔ تب ہی اندر سے کبریٰ نکلی اور بشریٰ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
"تو.....؟"
"اماں..... "بشریٰ غالباً" ماں کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی مگر گلے لگنے سے پہلے ہی کبریٰ نے اسے بازو سے دبوچا اور چور نظروں سے جمیلہ کو دیکھتی اسے اندر دھکیل لے گئی۔
جمیلہ اک طویل سانس لے کر پھر چولہا لیپنے لگی۔

وہ بڑے صبر کے ساتھ اپنے اچھے دنوں کا انتظار کر رہی تھی..... ابرار کی سمسٹر میں کامیابی اس کا حوصلہ بڑھا دیتی۔ ابرار نے اسے سستا سا موبائل لا دیا تھا۔ اب بیٹے سے بات کرنے کے لیے اسے ماسٹر صاحب کے گھر نہ جانا پڑتا۔ بس عشاء کی نماز کے بعد موبائل ہاتھ میں لے کر ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کرتی..... ادھر موبائل پر بیل ہوتی..... ادھر اس کے سارے دن کی تھکن بیٹے کی آواز سننے کا سوچ کر ہی اڑنچھو ہو جاتی۔ ماسٹر صاحب نے اسے یہ بھی سکھا دیا تھا کہ اسے چارج کیسے کیا جاتا ہے۔

جمیلہ نے سر اٹھا کر کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔

"اب پڑھائے گی اسے الٹی سیدھی پٹیاں..... اللہ ہی خیر کرے۔"

اندر کبریٰ اسے لتاڑ رہی تھی۔

"تُو نے اپنا حال کیا کیا ہے۔ نہ ڈھنگ کے کپڑے، نہ زیور..... تو کیا پاتھیاں (اپلے) تھاپتی اٹھ کر آگئی ہے دشمنوں کے کلیجے پر ٹھنڈ ڈالنے کو۔"

"یہی سمجھ لے اماں! اپنا اصل دکھانے لگے ہیں۔ سارا دن ڈنگروں کی طرح کام کرو۔ راضی پھر بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اور میری سس (ساس) کی زبان دیکھی ہے۔ سنپنی جیسی ہے، زہر سے بھری۔" وہ پھٹ پڑی۔

"تاں! اکبر کچھ نہیں بولتا؟"

"بولتا ہے اپنی ماں کی زبان۔" بشریٰ جل کر بولی۔

"نہ کچھ دیکھا نہ سوچا..... بھیج دیا اس جہنم میں۔"

"اچھا دھیما بول۔ وہ سن لے گی تو کیا عزت رہ جائے گی۔" کبریٰ نے مدھم آواز میں دانت پیستے ہوئے کہا۔

"جو مرضی سنے، میری بلا سے۔ میں نے نہیں اب جانا۔" وہ پھسکڑا مار کے چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"اچھا زیادہ بک بک نہ کر، تیرا باپ آتا ہے تو کرتی ہوں بات..... اکبرے کو بلا کے سمجھائے....."

"وہ نہیں کچھ سنے گا..... ماں کا مرید ہے۔" بشریٰ نے تڑپ کر کہا، پھر تاسف سے ہاتھ مسلے۔

"کیا تھا جو میری شادی بلو سے ہی ہو جاتی۔ اتنے سیاپے تو نہ ہوتے۔"

"زبان اندر کر لے بے غیرتے..... کوئی سن نہ لے۔"

"سنتا ہے تو سنے.....!"

کبریٰ بے بسی سے دانت پیستے اسے دیکھ کر رہ گئی۔



پھوپھو کے بے حد سمجھانے پر وہ کالج جانے پر آمادہ ہوئی..... دل تو جیسے مر ہی گیا ہے..... صرف ان کی تسلی کے لیے چلی آئی..... مریم اسے دیکھتے ہی لپک کر قریب آئی۔ عریشہ بادل ناخواستہ رکی۔ وہ اس پورے گھر میں سے کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

عریشہ! تم ٹھیک تو ہو۔"

"زندہ ہوں، اس لیے ٹھیک بھی ہوں۔ ورنہ تمہارے گھر والوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔" تلخی تو روم روم میں بسی تھی۔ پھر زبان پر کیسے نہ آتی۔ مریم نے نادم ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں عرشی..... ہم نے۔"

"کیا وہ بھی شرمندہ ہے؟" اندر کہیں ہلکی سی امید تھی۔ شاید اسے دکھ دے کر، اسے دھوکا دے کر وہ بھی پشیمان ہو۔ مریم نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"وہ پتھروں کا دیس ہے عرشی! وہاں آئینہ سے دل کرچی کرچی ہی ہوتے ہیں۔"

"تم نے ٹھیک کہا..... پتھروں سے سر میں نے پھوڑا تھا، کسی کا کیا دوش۔" عریشہ کے گلے میں پھندا سا پڑ گیا۔ سر کلاس میں آگئے تھے۔ سارا دن عریشہ نے کتابوں پر بکھرے حروف پر نظریں جمائے گزار دیا۔

نعمان کو غالباً مریم کی زبانی ہی پتا چلا تھا کہ عریشہ کالج جانے لگی ہے۔

چھٹی کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ جب بائیک اس کے پاس آ رکی۔ عریشہ نے بے خیالی میں دیکھا پھر یکدم ٹھٹک گئی۔

"آپ....."

"بیٹھو، تمہیں گھر تک چھوڑ دوں۔" نعمان نے نرم لہجے میں کہا۔

"ضرورت نہیں، میں جا سکتی ہوں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ضد کیوں کر رہی ہو۔ چلو نا میں اسی طرف جا رہا ہوں۔"

"آپ جس طرف مرضی جائیں، میرا رستہ کیوں روک رہے ہیں؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"عریشہ! بدتمیزی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پورے قصے میں میرا کیا قصور؟ دھوکا تمہیں ثوبان نے دیا، میں نے تو نہیں..... میں تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے دل میں ثوبان ہے۔ میں تم سے شادی کو تیار تھا۔"

مارے غصے کے عریشہ کا پورا وجود کانپ گیا۔

"ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جائیں۔ ورنہ میں شور مچا دوں گی۔"

"حد ہوتی ہے ہٹ دھرمی کی۔" نعمان کو غصہ آیا۔ عریشہ نے جواب نہیں دیا۔ بس تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف بڑھ گئی۔ نعمان نے پیچھے آنے کی غلطی نہیں کی۔ بس لب بھینچے اسے جاتے دیکھتا رہا۔



"بس بلو! کیا بتاؤں....." جمیلہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ اس وقت چھت پر کھلی فضا میں کھڑی چارپائی پر بیٹھی تھی کہ نیچے عموماً سگنل نہیں آتے تھے۔

"ہر چوتھے دن یا تو وہ خود آجاتی ہے یا اکبر گھر سے نکال دیتا ہے۔ اصغر اور کبراں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ کیسی ان کی لاڈلی تھی۔ اب دیکھے تو پہچانے نہ تو۔"

"اماں! بس کریں۔ اس کی اپنی زبان بھی خاصی لمبی ہے۔ دوبدو مقابلہ کرتی ہو گی..... چاچی کے لاڈ نے ہی اسے بگاڑا ہے۔ کسی بڑے چھوٹے کی تمیز سکھائی ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔" ابرار نے اکتاہٹ سے کہا۔

"تیری بات بھی ٹھیک ہے..... پر وہ بڑے ڈھاڈے لوگ ہیں۔ بشریٰ کی دال نہیں گلتی اور یہ کبراں، یہ بھی میرے آگے ہی شیر ہے۔ چوہدرائن کے آگے اس کی بولتی بھی بند ہو جاتی ہے۔ اصغر گیا تھا بات کرنے، چوہدری یاسین نے صاف کہہ دیا۔ بیٹی بسانی ہے تاں آئندہ شکایتیں لے کر نہ آنا۔ کیا کرتا کندھے جھکا کے چلا آیا....."

"اونچے لوگوں سے رشتہ کرنے کا یہی انجام ہوتا تھا..... چلیں چھوڑیں یہ بتائیں! آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے ناں۔" ابرار نے بات بدلی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں پتر! بس تیری راہ دیکھ رہی ہوں۔"

"ان شاء اللہ! جب کسی قابل ہو جاؤں گا تو آپ کو لینے آؤں گا..... اس سے پہلے میں نے گاؤں میں قدم نہیں رکھنا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے اماں!" اس نے مصمم ارادے سے کہا۔

"ماں کو کس بات کی سزا ہے..... اپنی شکل تاں دکھا جا۔"

"میری اچھی ماں! بس تھوڑا سا صبر اور....." ابرار نے بچوں کی طرح پچکارا۔

"بس ماں کو اسی طرح لارے لپے لگاتا رہ۔" جمیلہ ناراضی سے بولی تو ابرار نے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں لگا لیا۔



"فاطمہ آپی....." عریشہ کچن میں آئی۔ فاطمہ ہنڈیا بھون رہی تھی۔ مڑ کر دیکھنے لگی۔ "نعمان سے کہہ دیں۔ میرے رستے میں نہ آیا کرے، ورنہ بہت برا ہو گا۔"

"نعمان....." فاطمہ نے حیرت سے دوہرایا۔

"ہر روز میرے کالج کے راستے میں آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں نے آج تک جتنی مہربانیاں ان لوگوں کے ساتھ کرنی تھیں، کر چکی۔ اب مزید کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کیا ہوا عرشی....؟" محسن اس کی تیز آواز سن کر اندر آگیا۔

فاطمہ گھبرا گئی۔ اس کے گھر والوں کا کیا اس کے سامنے بھی آسکتا تھا۔

"کچھ نہیں محسن بھائی! پانی پینے آئی تھی...." عریشہ نے ٹالنا چاہا۔

محسن نے ایک نظر دونوں کو دیکھا۔

"بات کچھ اور ہو رہی تھی۔"

فاطمہ چاہتی تھی۔ بات محسن کے سامنے نہ ہو مگر عریشہ میں اتنا ضبط کہاں؟ محسن کے ذرا سے اصرار پر پھٹ پڑی۔

"ہر روز میرا راستہ روک لیتے ہیں کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں.... کیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔ دکانوں کا لالچ ہے.... مگر میں اب ان کے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہیں چھوڑوں گی.... سب کچھ نکلوا کے رہوں گی.... اور فاطمہ آپی! انہیں اچھی طرح سمجھا دیں.... ورنہ اگر میں نے سمجھایا تو تماشا پورا زمانہ دیکھے گا۔"

فاطمہ کا رنگ فق ہو گیا۔

محسن نے اپنا ہاتھ عریشہ کے سر پر رکھ کر سنجیدگی سے فاطمہ کو دیکھا۔

"کھانا بنا لو تو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں.... آج ہی بات کرو۔ عریشہ ہمارے گھر میں رہتی ہے۔ ہماری ذمہ داری بھی ہے اور عزت بھی.... میں کوئی اونچ نیچ برداشت نہیں کروں گا۔"

"جی۔" فاطمہ نے دزدیدہ نگاہوں سے عریشہ کو دیکھا۔ کیا تھا جو وہ ذرا دیر کو خاموش رہتی۔ اسے عریشہ سے ہمدردی سے زیادہ غصہ آنے لگا۔ محسن، عریشہ کو لے گیا۔ وہ اپنے اندر اٹھتے شرمندگی کے گہرے احساس کو دبانے کی کوشش میں جھنجھلانے لگی۔



"بس کر دیں خدا کے لیے.... اور مجھے سسرال میں کتنا ذلیل کروائیں گے.... آپ کو اپنا خیال تو ہے نہیں، کم از کم میرا خیال ہی کر لیں۔"

آج تک اس گھر میں کسی نے فاطمہ کی بلند آواز نہیں سنی تھی.... مگر آج وہ چیخ رہی تھی۔ کھانا کھاتے اہل خانہ نے نوالے واپس رکھ دیے۔

"کیا ہوا فاطمہ! یہ آتے ہی کیا واویلا مچا دیا ہے.... تیری ساس نے کوئی نئی پھلجھڑی چھوڑی ہے۔" حمیدہ نے پوچھا اور پوچھنے کا انداز ایسا تھا کہ اسے مزید غصہ آ گیا۔

"پھلجھڑیاں وہاں سے نہیں.... یہاں سے چھوٹتی ہیں.... اور ذلیل ہو رہی ہوں میں۔"

"بیٹھ جا بیٹھ جا' یہ سب تیری ماں کے قصور ہیں۔ اسی کے کرتوت ہیں۔ جو آج اولاد کے سامنے آ رہے ہیں۔" برکت حسین نے گھورا۔

"اب مجھے گھسیٹ لے.... اس ملک میں جہاں جہاں بم پھٹ رہے ہیں۔ حمیدہ ہی تو چلا رہی ہے۔ تو کیوں سر پر کھڑی ہے۔ بیٹھ کر تیر چلا لے' جو بھی چلانے ہیں۔" وہ بات کرتے کرتے فاطمہ کی طرف مڑیں' جواب نعمان کو دیکھ رہی تھی۔

نعمان نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔

"اور آپ.... کیا نظر آتا ہے اس عریشہ میں' جو سارے کے سارے اسی کے گرد چکرا رہے ہیں.... دنیا کی ساری لڑکیاں مر گئی ہیں۔ کیوں اس کے پیچھے جاتے ہیں؟" وہ پہلی بار بڑے بھائی کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے اس کے پیچھے جانے کی۔" وہ سب سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"تو کیا عریشہ جھوٹ بول رہی ہے؟"

"تو اس کے پیچھے کیا لینے گیا تھا؟" برکت حسین نے غصے سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ بے زاری سے کھڑا ہوا۔

اس نے گھر جا کے اچھا خاصہ واویلا کیا ہے۔ محسن نے سو باتیں مجھے سنا دیں۔ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اب وہ جس گھر میں رہتی ہے۔ وہ گھر میرا سسرال ہے۔" وہ بیٹھ کر رونے لگ گئی۔

”دیکھ لوں گا اس کو بھی۔“ نعمان کو غصہ آگیا۔

”اسے کیا دیکھیں گے۔ اسے ذرا سی آنچ بھی آئی تو میں گھر سے باہر ہوں گی۔“

”ائے ہے..... ایسے کیسے ہو گی؟“ حمیدہ چمک کر بولیں۔

”بس کر دیں اماں!“ فاطمہ نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ”آج تک اس گھر میں جو کچھ ہو گیا۔ وہی کافی ہے۔ اب اور کچھ نہیں ورنہ یہ فاطمہ اجڑ جائے گی۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

حمیدہ اور برکت ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

نعمان غصے اور شرمندگی میں گھر سے باہر نکل گیا۔

”اماں‘ ابا! بہت تماشے ہو چکے اب ان دونوں کو سمجھائیں۔ ساری بات ختم کریں۔ نہ عریشہ کے پیچھے جائیں۔ وہ اب ان کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی‘ اس گھر کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔“

فاطمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”اپنی اولاد کے منہ سے نوالے چھین کر اس کے منہ میں دیتی رہی ہوں۔ اب یہی صلہ دے گی۔“ حمیدہ تلملائیں۔

”نیک نیتی اور خلوص سے کیا ہوتا تو وہ اپنی جان بھی دے دیتی مگر آپ نے تو لالچ میں آکر.....“ فاطمہ کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی حمیدہ تڑپ کر اٹھیں۔

”ہاں‘ میں لالچی ہوں..... تیرے بھائیوں کا فائدہ دیکھا تھا۔ اپنی قبر میں نہیں لے جانا تھا سارا کچھ۔ آگئی ہے مجھے باتیں سنانے۔“

”اماں! آپ کو اب بھی اپنی غلطی کا احساس نہیں؟“ فاطمہ نے حیرت و بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔

”اولاد کا فائدہ دیکھنا غلطی ہے؟“

”اولاد کا فائدہ دیکھنا غلطی نہیں۔ دوسروں کا حق چھیننا غلطی بھی ہے اور گناہ بھی۔“

”ہاں پڑھی لکھی ساس کے ساتھ رہ کے تو تو ملانی ہی بنے گی..... بخشو بی بی! مان لیا‘ سارے قصور ہمارے تھے۔“ وہ دونوں ہاتھ زور سے جوڑ کر چپل گھسیٹتی اندر چلی گئیں۔

فاطمہ نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔

”اس کی عقل الٹی ہے..... سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“ برکت حسین نے گویا بیٹی کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

”سب آپ کا قصور ہے ابا!“

”لو میرا کیوں.....؟“ وہ گڑبڑائے۔

”آپس کے جھگڑوں میں آپ لوگوں نے دیکھا ہی نہیں کہ اولاد کا کیا بن رہا ہے..... ابا! نعمان کو سمجھائیں ورنہ کچھ برا ہو جائے گا۔“

”میں سمجھاؤں گا..... تو فکر نہ کر۔“ برکت حسین نے فاطمہ کا سر تھپتھپایا۔ حالانکہ ان کے اپنے لہجے میں بھی یقین نہ تھا۔

”یہ ثوبان اور مریم کہاں ہیں.....؟“ فاطمہ کو اب جا کر ان کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

”مریم تو ادھر کہیں ہو گی۔ رہ گیا ثوبان‘ تو اللہ جانے کن ہواؤں میں ہے..... مجھے تو کبھی رک کر سلام کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ ایسی ناہنجار اولاد ہے کہ کیا بتاؤں۔“

”اولاد کی تربیت نہ ہو تو ایسی ہی ناہنجار اور ناخلف ہو جاتی ہے۔“ فاطمہ زیر لب بڑبڑائی۔

✡ ✡ ✡

ابرار نے کمپیوٹر اسکرین سے نظریں ہٹا کر ثوبان کو دیکھا۔ وہ صاف ستھرے حلیے اور فریش موڈ میں گنگناتا خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ ابرار نے دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہونا چاہا مگر دل میں اک کھٹک سی ہونے لگی۔ شاید وہ ثوبان کو اتنا مطمئن اور خوش دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے عریشہ کو جس دگرگوں حالت میں خالہ کے گھر پہنچایا تھا۔ اس کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔

”کیا بات ہے ثوبان بھائی! آج بہت خوش لگ رہے ہیں۔“

”ہم تو ہمیشہ ہی خوش رہتے ہیں بیٹا جی!“

”اچھا۔“ ابرار ایک لحظہ چپ رہا۔ ”محبت کھو کر بھی انسان اتنا ہی خوش اور مطمئن رہتا ہے جتنا کہ آپ؟“

”کیا مطلب؟“ ثوبان نے مڑ کر اسے دیکھا۔

”کچھ نہیں‘ میں شاید پرسنل ہو رہا ہوں۔“

”نہیں..... جو تمہارے دل میں ہے پوچھ لو۔“ وہ اس کے قریب آیا۔

”آپ کو عریشہ سے محبت تھی؟“ ابرار نے پوچھ ہی ڈالا۔ یہی سوال تھا جو اس کے ذہن میں کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔

”ہاں۔“ ثوبان نے بغیر تامل کے جواب دیا۔

ابرار نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”یہ کیسی محبت تھی؟“

”ارے..... تم کیا وہ لیلیٰ مجنوں جیسی محبت ڈھونڈ رہے ہو..... برادر!“ وہ کرسی پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔ ”آج کل وہ محبت کہیں نہیں ملتی۔ وہ اچھی لگتی تھی۔ حالات سازگار ہوتے تو شاید شادی بھی کر لیتا مگر میرے نزدیک وہ اتنی اہم بھی نہیں کہ چلی گئی تو میں مجنوں بن جاؤں۔ یوں بھی ہم ایک پر اکتفا کرنے کے قائل نہیں‘ وہ بھی اس صورت میں جب اس سے بہتر اور شاندار پرپوزل سامنے ہو۔“

”آپ کا مطلب ہے سنیعہ.....؟“

”تم اسے جانتے ہو.....؟“ ثوبان چونکا۔

”اتنا نہیں‘ جتنا آپ جانتے ہیں.....“ ابرار کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

”اب اور بھی جان جاؤں گا..... اس وقت ملک سے باہر ہے..... واپس آئے گی تو دیکھنا..... اس کا ہاتھ پکڑ کر یوں اوپر جاؤں گا۔“ اس نے ہاتھ کو جہاز کی طرح اڑایا۔

”دھیان سے اکثر کریش بھی ہو جاتے ہیں۔“ ابرار نے اس کے ہاتھ کے تعاقب میں دیکھا۔

”ڈونٹ وری..... نہیں ہو گا۔“ وہ کندھا تھپتھپا کر سیدھا ہوا۔

”اوکے! بیسٹ آف لک.....“ اس نے بے حد اوپری دل سے کہا۔

ثوبان ہنس کر چلا گیا۔

ابرار نے دونوں ہاتھ سر کی پشت پر باندھ کر ٹیک لگالی۔

”تو بات یہ ہے ثوبان برکت حسین کہ تمہیں عریشہ سے محبت تھی ہی نہیں۔“

✡ ✡ ✡

کچھ ماہ دھیرے سے کھسک گئے۔ زخم مندمل نہیں ہوا تھا‘ بس اپنے اندر اٹھتی ٹیسوں کو دباتے ہوئے امتحانوں میں مصروف ہو گئی۔ اس کے بعد نعمان کبھی اس کے راستے میں نہیں آیا..... محسن نے امتحانوں کے بعد کا عرصہ بھی اسے فارغ نہیں رہنے دیا..... اس کے لیے سب سے اچھی چیز مصروفیت تھی۔ سو کمپیوٹر کورس پر لگا دیا۔ رزلٹ آیا تو اس کے لاکھ انکار کرنے پر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے دیا۔ جبکہ مریم نے اسکول میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

سنیعہ کی امریکہ سے واپسی مہینوں پر چلی گئی مگر ثوبان مطمئن تھا..... وہ پہلے سے بڑھ کر آفس ورک پر توجہ دیتا..... آخر اس کے باپ کو بھی متاثر کرنا تھا۔

✡ ✡ ✡

”کہاں چلیں؟“ مریم کے بائیک پر بیٹھتے ہی فہد نے پوچھا۔

”یہاں سے تو چلو۔ کسی ٹیچر نے دیکھ لیا تو مصیبت آجائے گی۔“ مریم نے دوپٹے سے چہرہ چھپاتے ہوئے کہا تو فہد نے بائیک اسٹارٹ کر لی۔

”کسی پارک میں چلیں.....؟“ اسکول دور رہ گیا تھا۔ اب وہ سکون سے بیٹھی تھی۔

”نہیں‘ لوگ گھورتے رہتے ہیں۔ کسی کی نظر پڑ گئی تو خوامخواہ مصیبت پڑ جائے گی۔“

”تم کچھ زیادہ ڈرپوک نہیں ہو گئیں؟“

”تمہاری بہادری بھی دیکھی ہے۔ کسی ریسٹورنٹ کے فیملی کیبن میں چلتے ہیں۔“

”لیکن میری جیب خالی ہے۔“

”ہمیشہ کی طرح.....“

”یار! کیا کروں۔ ابو ساری تنخواہ بٹور لیتے ہیں۔

پٹرول تک کے پیسے ان سے مانگنے پڑتے ہیں۔"
"اور تم اتنے فرماں دار کہ سارے تھما دیتے ہو۔ مجھے دیکھو، آج تک گھر والوں کو میری اصل تنخواہ کا بھی علم نہیں۔"
"جینئس......"
"فیملی کو کیسے سپورٹ کرو گے؟"
"جب فیملی آئے گی، دیکھا جائے گا۔" فہد نے لاپروائی سے بائیک کی رفتار بڑھائی۔ فیملی کیبن میں چائے اور سینڈوچ آنے تک دونوں نے زیادہ بات نہیں کی مگر ویٹر کے جانے کے بعد وہ سنجیدگی سے بولی۔
"فہد! اب کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"
"کر تو رہے ہیں۔" فہد نے سینڈوچ اٹھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔
"میری شادی کی تاریخ طے ہو رہی ہے۔" مریم نے سنجیدگی سے بتایا۔
"اوہ......" فہد نے سینڈوچ واپس رکھ دیا۔
"تم انکار کر دو۔"
"کس بنیاد پر......؟"
فہد خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔
"میری شکل نہ دیکھو۔ اپنے گھر والوں سے بات کرو، انہیں مناؤ۔ آخر اسٹینڈ لینے کے لیے میرے پاس کوئی ٹھوس وجہ تو ہو۔" مریم چڑ کر بولی۔
"ہزار بار کر چکا ہوں، مگر وہ مانیں تو......" فہد جھنجھلایا۔
"او کے۔ پھر میرے یہاں ہونے کا جواز کیا ہے؟"
مریم دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر کھڑی ہوئی۔
"مریم! اتنی ایموشنل کیوں ہو رہی ہو...... بیٹھو! کچھ حل نکالتے ہیں۔" فہد نے ہاتھ پکڑ کر روکا تو وہ روٹھی روٹھی سی بیٹھ گئی۔
"میں امی سے ایک بار پھر بات کرتا ہوں، مجھے امید ہے وہ کوئی نہ کوئی رستہ نکال لیں گی۔"
"اور اگر نہ نکال سکیں تو......؟ اس کے لہجے میں ہزار خدشے دھڑک رہے تھے۔
"تو ہم کورٹ میرج کریں گے۔"

مریم ششدر سی رہ گئی۔ اس ریسٹورنٹ کے فیملی کیبن میں ہونے والی یہ گفتگو نئی نہ تھی۔ یہ کھیل صدیوں سے کھیلا جاتا رہا ہے...... کہتے ہیں مرد عورت کو ورغلاتا ہے، حقیقت یہی ہے کہ عورت لاشعوری طور پر پہلے سے ہی آمادہ ہوتی ہے۔ بس اپنی بندوق مرد کے کندھے پر رکھ کر چلاتی ہے اور خود بری الذمہ ہو جاتی ہے۔
فہد نے یہ بات پہلے بھی کہی تھی۔ مریم ڈر گئی، لیکن اندر کہیں وہ بھی آمادہ ہو چکی تھی۔
"خیر! ہم ایک آخری کوشش تو کریں گے۔" وہ سینڈوچ اٹھا کر کھانے لگا۔ جبکہ مریم کی چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ آخر فہد نے ٹوکا۔
"تم کچھ لے کیوں نہیں رہیں......"
"بھوک نہیں ہے۔"
"کیوں......"
"اب چلیں، کافی دیر ہو گئی ہے۔" مریم نے پیسے نکال کر میز پر رکھے۔ فہد نے ویٹر کو بلا کر بل دیا۔
"اب کب ملو گی؟"
"پتا نہیں۔" وہ الجھی ہوئی اور بے زار تھی اور اسی الجھن میں نقاب کرنا بھول گئی۔ فہد پردہ ہٹا کر باہر نکلا۔ مریم اس کے عقب میں تھی۔
وہ آگے نکل گیا اور مریم کے قدم وہیں جم گئے۔
عین سامنے والی میز پر نعمان اپنے دو دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔
قیامت یہ کہ وہ اسی سمت دیکھ رہا تھا۔
مریم کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

گھر کے صحن میں شور پا تھا۔
نعمان کی ابلتی غیرت، اس کے ہاتھوں پٹتی محبت کی ماری مریم۔
اور چھڑانے والا کوئی نہیں۔ حمیدہ فق چہرے کے ساتھ اسے پٹتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔
"ہماری عزت ہوٹلوں میں رولتی آئی ہے۔ وہاں

بیٹھی اس کے ساتھ۔۔۔ گلچھرے اڑا رہی تھی۔ کوئی شرم اس میں نہیں بچی...... پتا نہیں کہاں کہاں گھومتی رہی ہے۔ شہر میں کس کس نے دیکھا ہو گا۔"
نعمان تھک کر ہانپنے لگا۔ مریم بے دم ہو کر گر گئی۔
"میں صاف صاف بتا رہا ہوں اماں!" اس نے انگلی اٹھا کر حمیدہ سے کہا۔ "یہ کسی دن بھاگ جائے گی، یہ نہیں رکنے والی۔"
حمیدہ نے دہل کر کلیجہ تھام لیا۔
"آج سے اس کا گھر سے نکلنا بند ہے۔ کمرے میں بند کر کے تالا ڈال دو اور بلاؤ اس کے سسرال والوں کو اور نکاح پڑھواؤ۔ ورنہ سر پکڑ کر روتی رہ جاؤ گی۔"
وہ نفرت سے اسے ٹھوکر مار کر باہر نکل گیا۔
تب حمیدہ کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی...... انہوں نے قریب آ کر دو ہتڑ مریم کو مارے۔
"کمینی...... بد بخت! ایسی جوانی اچھل رہی تھی تو بتا دیتی میں دو بول پڑھوا کے دفع کر دیتی۔ میرے سفید بالوں میں یہ کھے ضرور ڈلوانی تھی۔"
"اب کر دو نا رخصت۔" مریم نے پھٹے ہوئے ہونٹ کو رگڑا۔
"بلاتی ہوں تیرے سسرال والوں کو...... اب تجھے گھر میں رکھ کر میں نے اچار ڈالنا ہے۔"
"نہ اماں! اتنی مار میں نے جس کے نام پر کھائی ہے رخصت بھی اسی کے ساتھ ہوں گی۔ میں شادی صرف فہد سے کروں گی۔"
مریم کے لہجے میں چھلکتی بغاوت نے حمیدہ کو سن کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"پھوپھو!" عریشہ نے کمرے میں جھانکا۔ وہ ابھی تک قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ آیت ختم کر کے نبیلہ نے قرآن پاک بند کیا۔
"تیار ہو گئیں؟"
"جی، میں یونیورسٹی سے واپسی پر گھر جاؤں گی۔"
"گھر؟" نبیلہ نے تعجب سے دیکھا۔ "وہاں تو

کرائے دار ہیں۔"
"فاطمہ آپی! بتا رہی تھیں' وہ جا چکے ہیں۔ گھر خالی پڑا ہے۔"
"وہاں کیا کرنے جاؤ گی عریشہ!"
"یونہی ایک نظر دیکھ کر آجاؤں گی..... آج امی کی برسی بھی تو ہے۔" اس کے گلے میں پھندا پڑ گیا۔ چائے لے کر آتی فاطمہ رک گئی۔ عریشہ نے ایک طرف ہو کر جگہ دی۔
"کہاں جانا ہے؟" فاطمہ نے پیالی نبیلہ کے پاس رکھی۔
"گھر جا رہی ہوں آپی!"
"اچھا جلدی آنا' مجھے فکر رہے گی۔" نبیلہ نے کہا تو وہ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔
فاطمہ نے کچھ سوچ کر گھر کا نمبر ملایا۔
"ہے..... لو۔" حمیدہ کی مخصوص آواز آئی۔
"اماں! میں ہوں فاطمہ۔"
"ہاں..... بول اب تجھے کیا تکلیف ہے۔"
فاطمہ سٹپٹا گئی۔ اسے کیا پتا تھا کہ اماں اس وقت کس موڈ میں بیٹھی ہیں۔
"کیا ہوا.....؟"
"کچھ نہیں ہوا۔ تو اپنا سیاپا بول....." وہ جھنجھلائیں۔
"کیا سیاپا' میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ آج عریشہ اپنا گھر دیکھنے آرہی ہے۔"
"کیوں گھر کہیں بھاگا جا رہا ہے۔ یا ہم بیچ کر کھا رہے ہیں؟"
"اماں! خدا کے لیے اپنے بیٹوں کو سمجھا دیجیے گا کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو۔ بس اتنا ہی کہنے کے لیے فون کیا تھا۔" فاطمہ نے اتنا ہی کہہ کر ریسیور پٹخ دیا۔
"کبھی جو اماں نے اچھے طریقے سے بات کی ہو..... جب بھی کریں گی لٹھ ہی ماریں گی۔" وہ بڑبڑانے لگی۔

✡ ✡ ✡

دروازے پر آہٹ ہوئی یا کسی نے ہلکی سی دستک دی تھی۔ اونگھتے ہوئے برکت حسین نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحے کو تو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا۔
"عریشہ....."
وہ بغیر بولے دو قدم آگے آئی۔
"گھر کی چابی آپ کے پاس ہے؟"
"ہاں میرے پاس ہی ہے..... پر تو کھڑی کیوں ہے یہاں بیٹھ اپنے تایا ابا کے پاس..... حمیدہ او حمیدہ! بات سن..... دیکھ کون۔"
"میں یہاں کسی سے ملنے نہیں آئی ہوں۔ چابی دے دیں۔" اس نے بدلحاظی سے کہہ کر ہتھیلی پھیلائی۔
وہ یہاں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رکنا چاہتی تھی۔ اس جگہ سے جتنی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں ..... اس سے کہیں زیادہ تلخ تھیں۔
اس کا انداز اتنا قطعی تھا کہ برکت حسین نے چابی نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دی..... وہ چابی جھپٹ کر انہیں کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر پلٹ گئی۔
پورے گھر میں دھول اڑ رہی تھی۔ نجانے کب سے کرائے دار گئے تھے اور تب ہی سے یہاں صفائی نہیں ہوئی تھی۔ اسے وہ صحن یاد آیا' جو اس کی ماں کے ہاتھوں چمکا کرتا تھا..... اس کے قدم دھول پر نشاں چھوڑتے کچن تک آئے۔
"تم نے کھانا کھا لیا.....؟" عادلہ کی تشویش بھری آواز ابھری۔
"کہاں سے کھاتی.....؟"
ہائے! وہ نخرے جو صرف ماؤں کو دکھائے جاتے ہیں۔

"میں کھانا بنا کر تو گئی تھی۔"
"وہ بینگن..... ہونہہ۔"
"بری بات۔ کھانے کی ناقدری نہیں کرتے۔"
رسانیت و محبت بھرا لہجہ..... نجانے تب وہ محبت محسوس کیوں نہ ہوئی تھی۔ عریشہ کی آنکھیں بھر آئیں ..... اس نے کچن کے دروازے سے ہاتھ ہٹا لیا۔
خالی ڈھنڈار بیڈ روم میں خاموشی دیواروں سے لپٹی تھی۔
"یہ زندگی بڑی عجیب ہے عرشی! پتا ہی نہیں چلتا۔ انسان کچے برتن کی طرح ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ خدانخواستہ زندگی میں تم پر کوئی مشکل وقت آئے تو تم کسی اور کی طرف نہ دیکھو۔ خدا کے بعد اپنا سہارا آپ بنو۔"
"امی! کوئی چھوٹی نصیحت کر لیا کریں۔ یہ تو سر کے اوپر سے گزر گئی۔"
"کبھی یاد آئیں گی ماں کی باتیں۔" عریشہ بے اختیار رو پڑی۔
"امی! بہت یاد آتی ہیں آپ کی باتیں۔"
ان خالی کمروں میں کچھ نہیں تھا..... بس گم گشتہ آوازیں گونجتی تھیں۔ وہ جس طرف بھی دیکھتی' کوئی نہ کوئی لمحہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سسکنے لگتا۔ وہ روتی ہوئی صحن میں آنکلی۔
"کاش' کاش! انہیں کوئی ایک بار واپس لے آئے ..... میں ان کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لوں۔" وہ کھلے آسمان تلے بیٹھ کر رو سکتی تھی۔ سو دل کھول کر روئی۔
نجانے کتنا وقت گزرا تھا' جب ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر حمیدہ نے اندر جھانکا۔ عریشہ نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے انہیں دیکھا۔
"تمہاری پھپھو بھی آئی ہے؟"
عریشہ کا سر بے اختیار نفی میں ہلا۔
"چلو! اچھی بات ہے..... آجاؤ۔" انہوں نے آخری الفاظ دروازے کی طرف منہ کرکے کہے۔ عریشہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے انہیں دیکھا۔ تب ہی دروازہ کھول کر نعمان اندر آگیا..... اس کے ہاتھ میں اک سادہ کاغذ تھا۔
عریشہ کی چھٹی حس نے الارم دیا۔ وہ تیزی سے کئی قدم پیچھے ہٹی۔
"کیا بات ہے.....؟"
"کوئی بات نہیں میری بچی..... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" حمیدہ کا لہجہ منافقت بھرا تھا۔
"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ چلی جائیں یہاں سے۔"
"عرشی! بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔" حمیدہ نے پچکارا۔

"میں تایا ابا کو آواز دوں گی۔"
نعمان اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔ عریشہ کو اس کی سنجیدگی سے خوف آنے لگا۔
"گھر پر کوئی نہیں ہے۔"
"تم چاہتے کیا ہو؟" وہ اندر سے ڈر گئی تھی۔
"اس کاغذ پر دستخط کر دو۔"
عریشہ نے حیرت سے اس کاغذ کو دیکھا۔
"نکاح نامہ ہے....."

(آخری قسط اگلے ماہ ان شاء اللہ)

راحت جبیں

ساری بھول ہماری تھی

عریشہ عادلہ کی بیٹی ہے۔ عادلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں' مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جیٹھ اور جٹھانی اپنے بچوں نعمان' ثوبان' فرید' فاطمہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں' بانو اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں' عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عادلہ کو یہ چیز پسند نہیں کیونکہ ان کے جیٹھ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ' عادلہ اور حمیداں کی نند ہیں' ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال' جمال ملک سے باہر مگر اس کی بد مزاج بیوی طیبہ یہیں رہتی ہے۔

ابرار جمیلہ کا بیٹا ہے شہر میں پڑھتا ہے' باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چاچی کبری کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے۔ اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ پڑواتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی بشری کی ابرار سے شادی ہو جائے مگر ابرار صاف انکار کر دیتا ہے۔ اصغر کو غصہ آتا ہے وہ ابرار پر ہاتھ اٹھا دیتا ہے۔ ابرار ناراض ہو کر گھر چھوڑ دیتا ہے اور شہر آ کر حمیداں کے گھر رہنے لگتا ہے۔ برکت حسین اس کی ماں کے چچا زاد بھائی ہیں۔ حمیداں' ابرار سے سخت بیزار رہنے لگتی ہیں۔

ناولٹ



نعمان اپنے اسٹور سے سودا لینے والے ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ کو پسند کرتا ہے۔ وہ گورنمنٹ ٹیچر ہے۔ نعمان عائشہ کی ماں سے رشتے کی بات کرتا ہے اور ان سے فاطمہ کی شادی تک انتظار کرنے کو کہتا ہے کیونکہ حمیداں کا دونوں بیٹیوں سے پہلے بیٹوں کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ عائشہ اور اس کے گھر والے تھوڑی سی حیل حجت کے بعد مان جاتے ہیں۔

عادلہ نبیلہ کے کہنے پر بچت کرکے عریشہ کے لیے سونے کا سیٹ بنواتی ہیں۔ عادلہ کے منع کرنے کے باوجود عریشہ حمیداں کو وہ سیٹ دکھا دیتی ہے۔ حمیداں کی عریشہ سے لگاوٹ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فاطمہ کی شادی پر حمیداں' عادلہ سے وہ سیٹ مانگتی ہیں۔ عادلہ پریشان ہو جاتی ہیں کیونکہ انہوں نے وہ سیٹ عریشہ کے لیے بہت مشقت سے بنایا ہوتا ہے۔ حمیداں بضد ہوتی ہیں کہ فاطمہ کو شادی پر سونے کا سیٹ دیا جائے جبکہ ان کی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ ثوبان کی فیس کے پیسے نکال لیتی ہیں۔ ثوبان بہت بگڑتا ہے۔ عریشہ ثوبان کی پریشانی دیکھ کر چپکے سے وہ سیٹ نکال کر حمیداں کو دے دیتی ہے۔

شادی والے دن نبیلہ' فاطمہ کے گلے میں وہی سیٹ دیکھتی ہیں تو عادلہ سے کہتی ہیں۔ عادلہ' عریشہ سے پوچھتی ہیں تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے دھڑلے سے اعتراف کرتی ہے کہ اس سے ثوبان کی پریشانی نہیں دیکھی گئی۔ عادلہ' عریشہ کی حرکت سے اتنی دل برداشتہ ہوتی ہیں کہ ان کا دل بند ہو جاتا ہے۔ عریشہ پچھتاتی ہے۔ ثوبان لگاوٹ سے اسے بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔

ابرار کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ عریشہ ثوبان کو پسند کرتی ہے' ساتھ ہی وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ ثوبان اپنے فائدے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی خود غرضی جان کر ابرار اس سے سخت کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔

حمیداں کو نعمان کی خواہش کا علم ہو جاتا ہے اور جب عائشہ کی والدہ عادلہ کی تعزیت کرنے حمیداں کے پاس آتی ہیں تو ان سے خوش اخلاقی سے نہیں ملتیں۔

"آج کل ماں باپ نے لڑکوں کو پھانسنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے اور لڑکیاں خود ہی معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔" جیسے سخت الفاظ کہہ کر ان کی بے عزتی کر دیتی ہیں۔

عائشہ کی والدہ دلبرداشتہ ہو کر ان کے گھر سے چلی جاتی ہیں بلکہ وہ عائشہ کو لے کر اپنے بھائی کے گھر چند دنوں کے لیے دوسرے شہر چلی جاتی ہیں۔ نعمان اس تمام عرصہ میں سخت پریشان رہتا ہے۔ ان کی واپسی پر ان کے گھر جاتا ہے تو وہ بتاتی ہیں کہ انہوں نے عائشہ کا کہیں اور نکاح کر دیا ہے۔ وہ مغموم سا واپس آجاتا ہے۔

نبیلہ' عریشہ کا سیٹ لے لینے پر فاطمہ سے برگشتہ ہوتی ہیں تاہم فاطمہ کے وہ سیٹ لوٹا دینے کا وعدہ کرنے پر وہ راضی ہو جاتی ہیں۔

ابرار' باسط کو ٹیوشن پڑھانے جاتا ہے۔ وہاں باسط کی بڑی بہن سنعیہ کے ساتھ ثوبان کی بے تکلفی دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔

ابرار' عریشہ کو ثوبان کے ساتھ چھت پر تنہا دیکھ کر اسے متنبہ کرتا ہے کہ دو نامحرم کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

گاؤں میں کوئی جمیلاں کی بھینس کو زہر دے کر مار دیتا ہے۔ عریشہ اور مریم نے بی ایڈ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں مریم کا کوئی افیر شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے عریشہ بے خبر ہوتی ہے۔

سنعیہ' ثوبان کو شادی کی آفر کرتی ہے' مگر ثوبان انکار کر دیتا ہے تو سنعیہ بالکل پروا نہیں کرتی۔ ثوبان' نعمان سے باہر جانے کے لیے پیسے مانگتا ہے۔ اس کے انکار پر دونوں میں تلخ کلامی' ہو جاتی ہے۔ نعمان حمیداں سے کہتا ہے کہ وہ عریشہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ حمیداں مان جاتی ہیں۔ نعمان کے انداز بدل جاتے ہیں۔ عریشہ گھبرانے لگتی ہے۔

حمیداں' مریم کی زبردستی منگنی کر دیتی ہیں۔ وہ پھر بھی فہد سے رابطے میں رہتی ہے۔ نبیلہ کے پاس جاتی ہے۔ نبیلہ اسے سمجھاتی ہیں' مگر وہ نہیں مانتی۔ کاغذات لے کر وہ گھر آتی ہے تو حمیداں' ثوبان اور نعمان کی باتیں سن لیتی ہے۔ جس میں وہ اس کے مکان اور دکان کو ہتھیانے کا منصوبہ بنا رہے ہوتے ہیں۔ وہ غصے میں ثوبان کا گریبان پکڑ لیتی ہے۔ ابرار اسے نبیلہ کے پاس لے جاتا ہے۔

بشریٰ اپنے سسرال میں خوش نہیں رہتی۔ نعمان' فہد اور مریم کو ایک ساتھ دیکھ لیتا ہے۔ اور گھر آکر خوب ہنگامہ کرتا ہے۔ مریم کو مارتا ہے اور جلد نکاح کرنے کا کہتا ہے۔

عریشہ' نبیلہ سے کہتی ہے کہ حمیداں سے مکان خالی کروا دیں۔ عریشہ مکان کی چابیاں لینے حمیداں کے گھر جاتی ہے۔ وہاں حمیداں اور نعمان اس سے زبردستی نکاح نامہ پر سائن کروانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ساتویں قسط

"کیسے کاغذات......؟" عریشہ نے حیرت سے کاغذ دیکھا۔

"نکاح نامہ ہے۔" نعمان ہنسا۔

"کیا بکواس ہے......" وہ ڈر گئی۔ "جائیں یہاں سے ورنہ میں شور مچا دوں گی اور تائی! آپ' آپ کو شرم نہیں آئی......؟ آپ کے اپنے گھر میں بھی بیٹی ہے اور ......"

"ایویں بکواس کر رہا ہے' تو ہٹ پیچھے......" تائی نے دھپ لگا کر نعمان کو پیچھے کیا۔

"دیکھ عرشی! میں تیری ماں کی جگہ ہوں...... ہمیشہ عادلہ سے بڑھ کر تجھے چاہا......" حمیدہ نے چاپلوسانہ انداز میں کہنا شروع کیا' مگر عریشہ نے تلخی سے بات کاٹ دی۔

"ہاں! اپنے مقصد اور فائدے کے لیے۔"

"چلو! یوں ہی سہی...... اب تو اتنا بڑا مکان اور دکانیں رکھ کر کیا کرے گی؟ تیرے کون سے اتنے خرچے ہیں۔ سائن کر دے...... مریم کی شادی بھی کرنی ہے اور......"

"میں نے آپ کے سارے کام سنوارنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟" عریشہ بپھر گئی۔ "کبھی فاطمہ کی شادی ہے' کبھی مریم کی۔ آپ جیسے لالچی اور خود غرض لوگ میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ میں اور میری ماں آپ کو بہت کچھ دے چکے...... اب میرے پاس کچھ نہیں...... آپ لوگ چلے جائیں...... ورنہ میں چیخ چیخ کر سارا محلّہ اکٹھا کر لوں گی۔"

"عرشی! میری بات......" حمیدہ نے کچھ کہنا چاہا' مگر نعمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اماں! تم جاؤ...... میں اس سے خود بات کرتا ہوں۔"

نعمان کی آواز و نگاہوں نے عریشہ کے وجود میں پھریری سی دوڑا دی۔

اسے یقین تھا تائی نہیں جائیں گی...... مگر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب اس نے تائی کو ڈیوڑھی کے دروازے کو پار کرتے اور پھر دروازہ بند کرتے دیکھا۔

وہ ان کے پیچھے لپک کر جانے کو تھی' جب نعمان نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا۔ عریشہ کے لبوں سے تیز چیخ نکلی...... مگر نعمان کے ہاتھ نے اس کی چیخ کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ پوری طرح اس کے شکنجے میں تھی اور وہ اسے کھینچ کر کمرے میں لے جانا چاہتا تھا شاید وہ ڈرتا تھا کہ کہیں ہمسائے اس کی چیخ وپکار نہ سن لیں...... مگر عریشہ کی مزاحمت شدید تھی۔

"الو کی پٹھی......" نعمان نے ہاتھ ہٹا کر پوری قوت سے اس کے چہرے پہ تھپڑ مارا...... عریشہ کا ہونٹ پھٹ گیا۔ وہ پورے قد سے گر گئی...... نعمان کے ہاتھ سے کاغذ بھی چھوٹ گیا۔ عریشہ نے جنونی انداز میں اس کاغذ کو پرزے پرزے کر ڈالا۔

نعمان گویا غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔ عریشہ کو تابڑتوڑ مکوں اور لاتوں کی زد پر رکھ لیا۔

اس کی چیخوں نے آسمان ہلا ڈالا۔

"نہیں دوں گی...... مار دو گے تب بھی' نہیں دوں گی...... یہ میری جائیداد ہے...... میرے باپ کی ہے۔"

نجانے اس میں اتنی بے خوفی کہاں سے آئی کہ وہ پورے مقابلے پر اتر آئی تھی اور یہی چیز نعمان کو پاگل بنانے لگی۔ ظلم و تشدد کا دورانیہ نجانے کتنا طویل ہوتا کہ ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر ابرار اندر آگیا۔ عریشہ اور نعمان کی آواز دیوار پار بھی سنائی دی تھی، تب ہی وہ بغیر سوچے سمجھے پرائی آگ میں کود پڑا تھا۔

"تو ہوتا کون ہے ہمارے گھر کے معاملے میں بولنے والا؟" نعمان اس پر پل پڑا۔

"گھر کا معاملہ تھا تو آوازیں باہر کیوں گئیں؟ شکر کریں کہ میں آیا ہوں، ساتھ میں پولیس کو نہیں لایا۔"

"تیری یہ اوقات کہ مجھے پولیس کی دھمکی دے دی؟"

"اوقات تو آپ نے دکھائی ہے..... جائیداد کے لیے مرحوم چچا کی بیٹی پر ظلم کرتے ہو....."

نیچے گری عریشہ نے سر اٹھا کر مددگار فرشتے کو دیکھنا چاہا مگر آنکھیں دھندلا گئیں۔

اب وہ دونوں دست و گریبان تھے۔

ابرار نے بڑے زور سے نعمان کو دھکا دیا۔ وہ جا کر دیوار سے ٹکرایا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو.....؟" وہ پلٹ کر عریشہ کو اٹھانے لگا..... ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق عریشہ نے اس کا بازو دبوچ لیا۔

اور وہی لمحہ تھا جب بیرونی دروازہ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کھلا اور محلے کے چند لوگ اندر گھستے چلے آئے .....

حمیدہ ان میں سب سے آگے تھیں۔

"لو..... دیکھ لو..... اپنی آنکھوں سے اس کے کرتوت..... یہاں یہ گل کھلائے جا رہے ہیں۔ نعمان کی جگہ کوئی اور غیرت مند ہوتا تو بھی یہی کچھ کرتا۔"

چند لمحے لگے حمیدہ کی بات کو سمجھنے میں۔

ابرار کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور عریشہ بے جان گڑیا کی طرح زمین بوس ہو گئی۔

"دونوں کو زمین میں زندہ گاڑ دوں گا..... میں بے غیرت نہیں ہوں..... مرحوم چچا کی عزت کو مٹی میں ملاتے ذرا حیا نہ آئی۔"

"ہائے..... ہائے! ماں باپ سر پر نہ ہوں تو لڑکیاں یوں عزت نیلام کرنے لگتی ہیں۔" حمیدہ سینہ کوب رہی تھیں۔

عریشہ نے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولا اور اک نفرت بھری نگاہ نعمان اور حمیدہ پر ڈالی۔ ہر گزرا دن ان لوگوں کا اک نیا روپ سامنے لا رہا تھا۔

عریشہ نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا۔

"دیکھا..... دیکھا اس کی اکڑ....." نعمان کی ٹھوکر نے عریشہ کا جبڑا ہلا دیا۔

بے ہوشی کے آخری لمحوں میں اس نے سب کے عقب میں جھانکتے اس چہرے کو بھی دیکھا، جسے اس نے زندگی میں سب سے زیادہ چاہا تھا۔

اس چہرے پر بھی عریشہ کے لیے کوئی ہمدردی نہ تھی۔

اگلے پل عریشہ نے خود کو طویل اندھیروں کے سپرد کر دیا تھا۔

"میں نے کہا بھی تھا..... ہاتھ ہولا رکھنا۔ پر تو تو غصے میں جلاد بن گیا تھا۔" حمیدہ نے دو ہتڑ نعمان کے مارے تو وہ جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"بس کرو اماں..... تم بھی تو ساتھ ہی تھیں۔ بلکہ سارا پلان تمہارا ہی تھا..... خود ہی کہہ رہی تھیں کہ تم سے وہ چھٹانک بھر لڑکی ڈرائی نہیں جاتی۔ میں تو صرف ڈرا دھمکا کر سائن کروانا چاہتا تھا۔ تم نے پکڑ کر اس پر الزام ہی دھر دیا۔"

"لو..... میں نے کب؟" حمیدہ کے ہاتھوں کے طوطے برکت حسین کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر اڑ گئے۔

"تو یہ سارا کچھ تیری شہہ پر ہوا ہے۔ بے غیرت عورت! یہ بھی بھول گئی کہ تیرے اپنے گھر میں دو دو بیٹیاں ہیں۔ اب جو عریشہ کے غصے میں نبیلہ نے فاطمہ کو گھر سے نکال دیا تو؟"

برکت حسین کو حقیقی غصہ آیا تھا..... حمیدہ زندگی میں پہلی بار گھبرائیں۔ حواس باختہ تو نعمان بھی ہو گیا تھا۔ محلے میں الگ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں..... پھر نبیلہ کے رد عمل کا خطرہ بھی تھا۔

"ارے! انہیں نکالتے فاطمہ کو..... کیوں دہلائے دیتے ہو؟"

"بے شرم..... بے غیرت لوگ..... میری بھتیجی پر الزام دھرتے حیا نہ آئی.....؟ یتیم ہوئی تھی پر اس کا تایا تو زندہ تھا..... ایسی نیچ حرکت۔"

"بس کرو برکت حسین..... پہلے تو یتیم بھتیجی کا خیال نہ آیا۔"

"یہ تو ہے ہی شاطر عورت..... اور تو، تو کسی ٹرین کے نیچے آکر مر بھی جائے، مجھے تب بھی افسوس نہ ہو۔" انہوں نے نعمان کو دیکھا۔

"ہائے! اللہ نہ کرے۔" حمیدہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

"اپنی اولاد کی دفعہ بہت دکھ ہوتا ہے اور اس لڑکی کو جو جیتے جی مار ڈالا وہ.....؟" وہ ڈھے سے گئے۔

"کچھ نہ کچھ دیکھا تھا، تب ہی کہا تھا۔" حمیدہ نے ڈھٹائی سے کہا۔

"بس کر حمیدہ! خود پر اور اپنی اولاد پر رحم کر..... اپنا کیا ہی آگے آتا ہے..... عریشہ بھتیجی تھی تو وہ لڑکا بھی میری نظروں کے سامنے ہی رہتا تھا۔"

نعمان جھنجھلا کر باہر نکل گیا۔ اسے احساس ہوا، ماں کے پیچھے لگ کر معاملہ بالکل ہی الٹے رخ پر چلا گیا ہے۔

برکت حسین سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انہیں زندگی میں پہلی بار لگا کہ ان کے گھر میں کچھ غلط ہو رہا ہے، ورنہ وہ تو سب کچھ حمیدہ کے ہاتھ میں دے کر بے فکر بیٹھے تھے۔

☆ ☆ ☆

ابرار نے ہلکا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو عریشہ کے پاس بیٹھی نبیلہ نے مڑ کر دیکھا، پھر ابرار کو چپ کا اشارہ کیا۔ ابرار دروازہ بند کر کے کوریڈور میں آکھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر میں نبیلہ اس کے پاس تھیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" ابرار نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ دوا کے زیر اثر سو رہی ہے۔"

"فاطمہ آپی نے کھانا بھجوایا ہے۔"

"ابرار! وہاں کیا ہوا تھا؟"

"پتا نہیں خالہ! میں دیر سے پہنچا۔" وہ نظریں چرا گیا۔

"عریشہ پر ہاتھ کس نے اٹھایا؟" وہ بے حد سنجیدہ تھیں۔

"مجھے نہیں پتا....." وہ رخ ہی بدل گیا۔

"ابرار! مجھ سے جھوٹ مت بولو..... کھل کر بتاؤ۔" نبیلہ کے لہجے میں سختی سی در آئی۔

"خالہ! عریشہ ہوش میں آئے گی تو خود ہی بتا دے گی..... میں گاڑی سے سامان نکال لوں۔"

"یہ بھی شکر ہے کہ محسن شہر سے باہر ہے..... ورنہ جذباتی ہو کر نجانے کیا کر بیٹھتا۔" وہ بڑبڑائیں۔

ابرار نظر انداز کر کے چلا گیا۔ محسن کی گاڑی اسی کے پاس تھی کچھ دوستوں کی مہربانی سے وہ ڈرائیونگ بھی سیکھ چکا تھا۔

نبیلہ اندر آ گئیں..... عریشہ کسمسا رہی تھی۔

وہ لپک کر قریب آئیں اور پیار سے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"عرشی! میری جان! اب کیسی طبیعت ہے؟"

"امی! امی....."

"عرشی! ادھر دیکھو' میں ہوں تمہاری پھوپھو....."

وہ اس کے گال تھپتھپانے لگیں۔

"میری امی! پھوپھو..... میری امی مر گئیں..... میں نے انہیں مار ڈالا....." وہ چلانے لگی..... اسے خود بھی یاد نہ تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اسے صرف ماں یاد آ رہی تھی۔

اسے یہ یاد آ رہا تھا کہ ان لوگوں کے لیے اس نے اپنی ماں کے ساتھ کیا کیا۔

اسے یہ احساس مار رہا تھا کہ ماں نے کس کس طرح اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی..... مگر وہ اپنی نادانی میں سمجھ ہی نہ پائی۔

اسے دکھ حمیدہ کے رویے پر تھا' نہ نعمان کے سلوک پر۔

اسے تو ثوبان کی بے حسی' دھوکے بازی' خود غرضی کسی سے بھی غرض نہ رہی تھی۔

بس اک دکھ' پشیمانی' بہت کچھ ختم ہو جانے اور اپنی جنت کھو دینے کا احساس ہر جذبے پر حاوی تھا۔

نبیلہ نے اسے خود میں سمیٹ لیا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی عریشہ کو اس احساس زیاں سے نکال نہیں سکتی تھیں۔

کچھ دنوں میں وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو گئی..... وجود کے زخم بھر گئے۔ مگر روح کے زخم ناسور بنتے جا رہے تھے۔

"عریشہ! دودھ لے لو۔" فاطمہ کی آواز پر کھڑکی سے باہر جھانکتی عریشہ نے چونک کر دیکھا' مگر ہاتھ نہیں بڑھایا۔

فاطمہ نے گلاس میز پر رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

"کل محسن واپس آ رہے ہیں۔" فاطمہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

عریشہ! میں جانتی ہوں' گھر والوں نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ میں اس سب کے لیے بہت شرمندہ ہوں..... یقین جانو! میں نے سب سے رابطہ ختم کر لیا ہے..... کسی سے نہیں ملتی۔"

عریشہ نے الجھ کر اسے دیکھا..... فاطمہ یہ سب اس سے کیوں کہہ رہی ہے۔ نبیلہ یا عریشہ نے تو اسے اس کے گھر والوں سے ملنے سے منع نہیں کیا تھا۔

"میری اچھی بہن پلیز..... تم محسن سے کچھ مت کہنا' وہ تمہارے معاملے میں بہت پچی ہیں۔ عریشہ! تم سن رہی ہو..... میرا گھر خراب ہو جائے گا۔" فاطمہ روہانسی ہو گئی۔

"نہیں کہوں گی۔" عریشہ نے تین لفظوں میں بات ختم کر دی۔

فاطمہ کچھ اور شرمندہ ہو گئی۔ اس نے بے اختیار عریشہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم بہت اچھی ہو..... پلیز! جو کچھ ہوا....."

عریشہ نے ہاتھ چھڑا لیا..... تب ہی نبیلہ آ گئیں۔

"تم نے ابھی تک دودھ نہیں پیا؟"

"وہی تو اصرار کر رہی ہوں' مگر یہ مان ہی نہیں رہی۔" فاطمہ نے گھبرا کر گلاس اٹھایا۔

"عریشہ!" نبیلہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "اتنی گم صم کیوں بیٹھی ہو..... کچھ بولا کرو۔"

"کیا بولوں؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"جو کچھ ہوا' اسے بھول جاؤ۔"

عریشہ نے حیران کن نظروں سے انہیں دیکھا۔ ابھی تو اس کی چوٹوں کے نشان بھی مندمل نہ ہوئے تھے۔

"جو الزام ان لوگوں نے مجھ پر لگایا ہے۔ پھوپھو! نجانے کس کس نے اعتبار کیا ہو گا۔"

"عرشی! لوگ اندھے نہیں ہیں....."

"کسی کی پارسائی پر حرف آئے تو سب پتھر مارنے والوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سچ جھوٹ کی کھوج کون کرتا ہے۔"

فاطمہ کی نظریں جھک گئیں۔ وہ اپنے گھر والوں سے ہر بات کی توقع رکھتی تھی' سوائے اس ایک کے۔

"کیا کوئی اتنا سفاک اور بے حس ہو سکتا ہے.....؟ میں نے ان کے لیے کیا کچھ نہیں کیا.....؟ اپنی ماں کو جھٹلایا..... وہ میری وجہ سے مر گئیں۔ صرف اس لیے کہ میں نے ان کی نسبت ان لوگوں کو اپنا سمجھا..... میں کیوں نہیں پہچان سکی۔ ہر دن ان کے چہروں سے نیا نقاب نوچ لیتا ہے اور میں ہکا بکا رہ جاتی ہوں..... یہ کیسے خونی رشتے ہیں' جنہوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا..... میرا مان' اعتبار..... میری جنت..... میں کیا کروں' کہاں جاؤں..... میرے ہاتھ خالی ہیں..... میں خالی ہوں..... میرا دل خالی ہے..... میرے پاس کچھ نہیں بچا..... انہیں میری دکانیں اور مکان چاہیے..... سب لے لیں..... سب کچھ لے لیں' بس! میری امی واپس دلا دیں..... میرا اعتبار' میرا بھروسا لوٹا دیں۔"

وہ جنونی انداز میں رونے اور چلانے لگی۔

فاطمہ نے گھبرا کر گلاس رکھا اور روتے ہوئے باہر نکل گئی۔

نبیلہ نے اسے خود میں بھینچ لیا۔ یہاں تک کہ وہ روتے چلاتے نڈھال ہو کر بستر پر گر سی گئی۔



ثوبان اپنے کمرے میں دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے گھومتے پنکھے پر نظریں جمائے ہوئے چت لیٹا تھا۔ ذہن میں خیالات کی رفتار پنکھے کی رفتار سے بھی زیادہ تیز تھی۔

سنیعہ ابھی تک امریکا سے نہیں لوٹی تھی۔ اور ہر گزرتا دن اس کے حوصلے پست کر رہا تھا۔ اس تمام عرصے میں اس نے ایک بار بھی عریشہ کے بارے میں نہیں سوچا تھا..... لیکن یہ بھی اس کی خام خیالی ہی تھی۔ ذہن کے کسی گوشے میں اس کی بے یقین نگاہیں اب بھی بے سکونی پھیلاتیں..... لیکن وہ دانستہ اس احساس ندامت سے نظریں چرائے صرف سنیعہ اور اس سے وابستہ اپنے روشن مستقبل کے بارے میں سوچا کرتا۔

"شاید مجھ سے غلطی ہوئی' مجھے اسی وقت سنیعہ کے پروپوزل پر ہاں کہہ دینی چاہیے تھی..... آخر اتنی انا دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کاش! وقت پلٹ جائے اور میں اس پل کو مٹھی میں جکڑ لوں۔ قسمت کی دیوی کو قید کر لوں یا خود اس کا غلام ہو جاؤں۔"

اس کے عین نیچے والے کمرے میں نعمان بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

"یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے..... اتنا غصہ' اتنی جذباتیت.....؟ اماں کی باتوں میں آ کر میں نے بہت ہی غلط قدم اٹھا لیا..... اس طرح تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا..... پھوپھو اور محسن اب کبھی یہ دکانیں میرے نام نہیں ہونے دیں گے۔ عریشہ کی شادی ثوبان سے ہو جاتی' تب بھی دکانیں گھر میں ہی رہنی تھیں۔ پھر وہ اس سے محبت بھی تو کرتی تھی....."

"محبت" وہ اس لفظ پر اٹک سا گیا۔

"اسی محبت کے چھن جانے نے مجھے اتنا انتقامی بنا دیا کہ میں....."

وہ تھک کر کرسی پر بیٹھ گیا..... اسے عائشہ بے حد شدت سے یاد آئی۔

"اگر مجھے عائشہ مل جاتی تو کیا میں تب بھی یہ سب کرتا.....؟"

اس نے اپنے ہی سوال کے اندر سے اٹھتے جواب پر غور کیا۔ اس کے اندر آتش فشاں ابلنے لگا۔

"ہاں! ٹھیک ہے' جب میرا دل ویران ہو چکا..... تو کسی کا کیوں آباد ہو..... یہی سب ہونا چاہیے تھا۔"

وہ اپنے اندر کے غصے پر قابو پاتا گھر سے ہی نکل گیا۔



"کب تک اپنے ہوتے سوتے کو روتی رہے گی؟"

حمیدہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آئیں۔

مریم نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر انہیں دیکھا۔

"جب تک مجھے اس کمرے میں بند رکھیں گی۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں تیرے جیسی اولاد کو گھر میں رکھ کے گند ڈالنے کا۔"

"تو کردیں رخصت..... جان چھڑالیں اس گند سے۔" وہ بدلحاظی سے گویا ہوئی۔

"وہی کرنے لگی ہوں..... آئی بیٹھی ہے تمہاری ساس..... ابھی شادی کی بات کرکے دفع کرتی ہوں۔"

"اماں....." وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اب ایک لفظ نہ کہنا' زبان کاٹ دوں گی۔ اب اٹھ کر حلیہ ٹھیک کر اور چائے لے کر آ۔ تیرا باپ وہیں بیٹھا ہے..... زیادہ آنا کانی کی تو نعمان کو بلالوں گی۔" حمیدہ غضب ناک ہوئیں۔

"جس کو مرضی بلالیں۔ میں چائے نہیں بنا رہی۔" مریم ہٹ دھرمی سے بولی۔

"بے غیرت' کمینی!" حمیدہ ہاتھ تان کر اس کی طرف لپکیں۔

"بہن جی.....!" مریم کے عین سر پر جا کر انہیں ساکت ہونا پڑا..... پھر کھسیانی سی ہنسی ہنستے مڑیں۔

"وہ میں....."

"ہاتھ نیچے کرلیجیے۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ حمیدہ نے کھسیا کر ہاتھ نیچے کیا۔

"دراصل' اس کی طبیعت....."

"جانتی ہوں اور یہ بھی پتا ہے' کیوں خراب ہے۔" ان کے لہجے میں طنز ہی طنز تھا۔ مریم نے بھی الجھ کر انہیں دیکھا۔

"آپ بیٹھیں....."

"میں بیٹھنے نہیں..... صرف اتنا کہنے آئی ہوں کہ اپنے گھر کا گند اپنے گھر میں ہی سنبھال کر رکھیں۔"

"جی....." حمیدہ ہکا بکا رہ گئی۔

"میرے اپنے گھر میں بیٹیاں ہیں اور ایک مچھلی سارے جل کو گندا کرتی ہے اور اس قسم کی لڑکیاں پورے خاندان کو بدنام کرتی ہیں۔" انہوں نے ہاتھ سے مریم کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کیا بولے جارہی ہیں؟ میرے ہی گھر میں کھڑی ہو کر میری بیٹی پر الزام لگا رہی ہیں؟" ہوش میں آکر غصے سے بولیں۔

"میں نہیں لگا رہی۔ اس کے عاشق کا فون آیا تھا' اگر لڑکی راضی نہیں۔ تو کیوں زبردستی لے جا رہی ہوں۔ اس نے صاف کہا ہے کہ یہ لڑکی اس سے ... کرتی ہے۔ زبردستی ہوئی تو گھر سے بھاگ جائے گی۔"

حمیدہ دل پر ہاتھ رکھے کرسی پر ڈھے گئیں۔

مریم خود بھی حق دق رہ گئی تھی۔

خاتون اچھی طرح برس کے اور انگوٹھی منہ پر مار کر چلی گئیں۔

مریم نے نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ اس کا خیال تھا وہ چپل لے کر اس پر ٹوٹ پڑیں گی' مگر وہ اپنی جگہ ساکت و صامت بیٹھی تھیں۔

✡ ✡ ✡

فضا میں ڈھلتی سہ پہر کی اداسی تھی' آم کے درخت پر پتوں میں چھپی کوئل دھیرے دھیرے کوک رہی تھی۔ عریشہ نے پورے لان پر بے توجہی سے نگاہ دوڑائی۔ وہ کب سے بیرونی کوریڈور میں کرسی پر بیٹھی تھی۔ ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا تھا' مگر کسی ایک نقطے پر جما نہ تھا۔ نبیلہ اسے دو تین بار کہہ کر گئی تھیں۔ مگر وہ وہاں سے اٹھنے پر آمادہ نہ تھی۔ آخر تھک کر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اندر چلی گئیں۔ ابرار نے اسے گیٹ سے ہی دیکھ لیا تھا' مگر اس کے برآمدے میں قدم رکھنے تک عریشہ متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ (اس نے) ہولے سے کھنکارا۔

"السلام علیکم!" عریشہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ کچھ لمحے غائب دماغی سے دیکھنے کے بعد سر جھکا لیا۔

"طبیعت کیسی ہے؟" ابرار نے نرمی سے پوچھا۔

"اچھی ہے۔" آواز اتنی مدھم تھی کہ ابرار کو صرف اندازہ ہوا کہ جواب آیا ہے۔

"یونیورسٹی کب سے جارہی ہیں؟"

"یونیورسٹی؟" وہ ٹکر ٹکر ابرار کی شکل دیکھنے لگی۔

"نہیں جارہیں؟" ابرار کو اندازہ ہوا۔

"کیا کروں گی جا کر؟" عریشہ کے لہجے میں تلخی سمٹ آئی۔

"نہ جا کر کیا کریں گی؟" وہ مسکرایا۔ عریشہ کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی۔

"آپ کا فائنل ایئر ہے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا..... مجھے اب کس کے لیے پڑھنا ہے۔ کون ہے جو میری کامیابیوں کا منتظر ہوگا؟" وہ بے زاری سے بولی۔ "زندگی تو یوں بھی گزر ہی جائے گی۔"

"ٹھیک کہا آپ نے' زندگی تو یوں بھی گزر جائے گی۔" اس نے فوراً" اتفاق کیا۔ "لوگ تو خوامخواہ اتنی اسٹرگل میں لگے ہیں۔ حالانکہ زندگی تو ایک کرسی پر بیٹھ کر بھی گزر جائے گی۔"

"تم....." عریشہ نے جھنجلا کر کچھ کہنا چاہا۔ ابرار نے سنجیدگی سے بات قطع کی۔

"عریشہ بی بی! زندگی کی علامت آب رواں ہے..... ایک جگہ ٹھہرا متعفن گدلا پانی نہیں۔ لوگ بھی آب رواں کی روانی دیکھتے ہیں۔ ٹھہرے پانیوں کا تعفن سونگھنے نہیں بیٹھ جاتے۔ اب آپ کو طے کرنا ہے کہ آپ خود کو کس مقام پر رکھتی ہیں۔"

عریشہ کچھ لمحے بول ہی نہیں سکی۔ وہ اس کے سامنے پڑی کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ جما کر جھکا۔

"ابھی تک ثوبان کو بھولی نہیں؟"

ایک غیر متوقع سوال۔ عریشہ تڑپ کر رہ گئی۔

"میں اسے اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔"

"ویری گڈ....." اس نے کرسی پر ہاتھ مارا۔

"تو پھر یوں جوگ لے کر اس کی تسکین کا سامان کیوں بنا رہی ہو؟ اس نے تمہیں چیٹ کیا..... تمہاری محبت کا مذاق بنایا۔ گھر والوں نے تمہارے کردار پر کیچڑ اچھالا اور تم منہ چھپا کر بیٹھ گئیں۔ کم آن عریشہ! بریو بنو۔ ثابت کرو کہ تم اتنی کمزور نہیں ہو کہ لوگ یوں تمہیں رگید کر گزر جائیں۔ اس خود ترسی سے نکلو..... خود کو اس مقام تک لے جاؤ کہ یہ لوگ تمہیں کھونے

پُر لُطف افسوس میں۔ اس طرح ہار کر بیٹھ جانے سے کچھ نہیں ہونے والا..... سوائے اس کے کہ لوگ تم پر ہنسیں گے، تمہاری کمزوریوں کو اچھالیں گے..... اور عریشہ! تم کمزور نہیں ہو۔" وہ مدھم لہجے میں سمجھاتا چلا گیا۔

عریشہ نے کچھ کہنا چاہا مگر لفظ لبوں پر جیسے منجمد ہو گئے۔

"سوری! میں شاید کچھ زیادہ بول گیا..... لیکن میری باتوں پر غور ضرور کرنا..... میں خالہ سے مل لوں۔" وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

عریشہ نے دھندلائی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔

"کیا واقعی کچھ لوگوں کے چند لفظوں میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ حوصلہ ہارے لوگوں کو پھر سے کھڑا کر دیں۔"

عریشہ کو واقعی لگا کہ وہ اسے دھیرے سے کھڑا کر گیا ہے۔

☼ ☼ ☼

ثوبان نے اپنے سامنے بیٹھی سنیعہ کو پُرشوق نگاہوں سے دیکھا۔ وہ پہلے سے زیادہ خوب صورت اور چارمنگ ہو گئی تھی۔ ریسٹورنٹ کی نیم تاریک فضا میں وہ ہیرے کی طرح دمک رہی تھی۔

"اور سناؤ! کیا ہوتا رہا؟" سنیعہ نے بے حد نزاکت سے اپنے لب ٹشو سے صاف کیے۔

"وہی روٹین ورک....." ثوبان نے جوس کا گھونٹ بھرا۔

"شادی کر لی.....؟ وہ تمہاری کزن..... کیا نام تھا؟"

"عریشہ....." ثوبان نے مدھم لہجے میں بتایا۔

"ہاں! عریشہ..... کیسی ہے؟ اب تو ٹیچر و یچر بن گئی ہو گی....."

"پتا نہیں....." ثوبان نے بے زاری سے جواب دیا۔

"کیا مطلب 'پتا نہیں'؟ وہ تم لوگوں کے ساتھ ہی تو رہتی تھی۔" سنیعہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اب نہیں رہتی۔" ثوبان نے مختصراً" کہا۔ وہ جلد از جلد اس موضوع سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ الجھ گئی۔

"سنیعہ! ہم یہاں عریشہ کو ڈسکس کرنے بیٹھے ہیں؟" وہ بے حد اکتاہٹ سے بولا۔

وہ اس سے کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ کیسے اس نے پل پل سنیعہ کے لوٹنے کا انتظار کیا تھا..... اور یہ کہ وہ اس نیلے ٹاپ اور سفید ٹراؤزر میں کتنی ینگ اور خوب صورت لگ رہی ہے..... حالانکہ سنیعہ کو خود بھی اس بات کا بخوبی احساس تھا۔

سنیعہ نے بغور ثوبان کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"آف کورس! ناٹ....."

"تم نے اتنا عرصہ کیوں لگا دیا..... جبکہ گئی تو صرف دو ماہ کے لیے تھیں۔"

"وہاں سے واپسی کا دل کہاں چاہتا ہے۔ اب بھی سمجھو! یہاں کے کچھ ادھورے کام وائنڈ اپ کرنے آئی ہوں۔" سنیعہ نے مینیو کارڈ اٹھاتے لاپروائی سے کہا۔

ثوبان نے اسے رشک سے دیکھا۔ وہ جس دن سے پاکستان آئی تھی۔ ثوبان اس سے ملنے کے لیے مسلسل رابطہ کر رہا تھا۔ بس سنیعہ کے پاس ہی وقت نہیں تھا۔ آج بھی بڑی مشکلوں سے لنچ کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ ثوبان آج دل لگا کر تیار ہوا تھا۔ خوشی سے قدم زمین پر نہیں ٹھہر رہے تھے۔ آج وہ اپنی زندگی کا بہت اہم فیصلہ کرنے جا رہا تھا۔ ایسا فیصلہ، جس کے بعد وہ لمحوں میں آسمان چھونے کو تیار تھا۔

"بس اماں! دیکھنا، اب تیرے بیٹے کے دن پھرنے والے ہیں۔" اس نے خود پر ڈھیر سارا پرفیوم چھڑکتے ہوئے ماں سے کہا تھا۔ اس کے لہجے میں ایسی سرشاری تھی کہ نعمان بھی ٹھٹک کر رک گیا اور طنز سے کہنے لگا۔

"کیوں، تمہاری لاٹری نکلنے والی ہے؟"

"یہی سمجھ لیں....." ثوبان نے قہقہہ لگایا، پھر مصنوعی حیرت سے نعمان کو دیکھا۔

"مگر بھائی جان! آپ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں؟ جائیں! جا کر عریشہ کی منتیں کریں۔ ورنہ ایسا نہ ہو جس دن میں بیس لاکھ کی گاڑی میں بیٹھوں..... آپ سڑک پر آ جائیں۔" نعمان اس کا گریبان پکڑنے کو تیار تھا، مگر ...بیدہ بیچ میں آ گئیں۔

...سنیعہ نے مختصر سا آرڈر دیا۔

"بس.....؟" ثوبان نے حیرت سے پوچھا..... ورنہ وہ ...بشہ خوامخواہ ڈشز منگواتی جاتی خواہ بعد میں چکھنے کی ...بت بھی نہ آئے۔

"ہاں بھئی! تمہاری جیب کا خیال بھی تو کرنا ہے..... آخر یہ لنچ تمہاری طرف سے ہے۔" وہ ہنسی۔

ثوبان کو ایک ہی پل میں اپنی اوقات یاد آ گئی۔ وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

"تم چینج ہو گئے ہو یا مجھے لگ رہا ہے؟" وہ اب فرصت سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"نہیں تو، ویسے کا ویسا ہوں۔"

"اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے..... کس بات کا انتظار ہے؟ وہ اپنی انگلی میں پڑی انگوٹھی گھمانے لگی۔

"تمہارا....." ثوبان نے اس پل کو گزرنے نہیں دیا۔ فوراً" پکڑ لیا۔

سنیعہ اس کے انداز پر ٹھٹکی، پھر لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولی۔

"تو جلدی کرو۔ میں تو یہاں صرف ایک ماہ کے لیے ہوں۔ اس کے بعد جاذب کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہو جاؤں گی۔"

"جاذب؟" ثوبان نے چونک کر پوچھا۔

"مائی فیانسی.....!" سنیعہ نے اطمینان اور سکون سے اس کے سر پر بم پھوڑا۔

وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

"ہم نے امریکا میں منگنی کر لی تھی۔"

"لیکن تم نے..... تم نے تو مجھے....." الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

"وہ میرا جذباتی پن تھا۔" سنیعہ نے ازلی اطمینان سے بات کا آغاز کیا۔ "لیکن وہاں اپنے کزن سے مل کر احساس ہوا۔ لائف پارٹنر ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ آپ پر رشک کریں نا کہ ترس کھائیں۔ انسان کی حیثیت شادی کے بعد کچھ اور بلند ہو..... آپ اپنے اسٹیپ سے کئی اسٹیپ اوپر چلے جائیں..... یہ نہیں کہ خود نیچے اترنا پڑے..... اور ثوبان! تم بالکل ٹھیک تھے۔ تمہارے لیے وہی لڑکی مناسب ہے..... عریشہ ساری زندگی تم سے محبت بھی کرے گی اور خدمت بھی....." اس نے شرارتی انداز میں لفظ خدمت ادا کیا۔ "تم دونوں ایک جیسے ہو۔ تمہارا اسٹیٹس، لائف اسٹائل میرے ساتھ کبھی مینیج نہیں کر پاتے۔ ویسے بھی تم نے انکار کر دیا تھا تو مجھے کہیں تو شادی کرنا ہی تھی۔"

وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اپنے بال ٹھیک کرنے لگی..... اس کی انگلی میں ڈائمنڈ رنگ دمک رہی تھی۔ لیکن ثوبان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ کچھ لمحوں پہلے وہ آسمان پر تھا اور اب قدموں تلے زمین بھی نہ تھی۔

ویٹر کھانا چننے لگا۔

ثوبان نے اپنی بچی کھچی ہمت مجتمع کی اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

سنیعہ اس کی حرکت کو اپنی توہین سمجھتی، اگر ثوبان کی کیفیت سمجھ نہ رہی ہوتی۔

اس نے اطمینان سے نیپکن بچھایا اور کھانا کھانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے پہلے ہی پتا تھا..... یہ لڑکی کوئی نہ کوئی گُل کھلائے گی..... اس کی حرکتیں ہی ایسی تھیں اماں! بس تم نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔" بانو کی پاٹ دار آواز پورے صحن میں گونج رہی تھی۔

"ابھی تک تو کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ پر تو ایسا کر، لاؤڈ اسپیکر لے کر پورے محلے میں نشر کر آ..... آہستہ آواز میں بات نہیں کر سکتی؟" حمیدہ نے جل بھن کر کہا۔

"منگنی ٹوٹی ہے۔ خبر تو پھیلے گی۔ ایسی باتیں چھپی تھوڑی رہتی ہیں۔ یوں، یوں....." چٹکی بجاتے

ہوئے۔"پھیلتی ہے۔"

لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ان کی بیٹی ان کا دکھ بانٹنے آئی ہے۔ وہ تو کسی گنتی سی محلے داری کی طرح چسکے لے رہی تھی۔ حمیدہ بد مزا ہو گئیں۔

"کیا کروں؟ سمجھ میں نہیں آتا' اسے کہاں دفع کروں..... ادھر نعمان کہتا ہے۔ ہفتے کے اندر اندر رخصت کرو۔ ورنہ گلا گھونٹ کر مار دوں گا۔" حمیدہ سچ مچ پریشان تھیں۔

"تو اسی کو بلا لو..... ساتھ میں دفع کرو..... ایویں کیوں پریشان ہوتی ہو اماں..... جب لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔" بانو نے مزے سے مشورہ دیا۔

"نعمان نے اسے نہ دیکھا ہو تا تو بہانے سے بلوا لیتی' اب سامنے آیا تو نعمان نے دونوں کے ٹکڑے کر دینے ہیں۔"

"ہے کہاں؟" بانو نے متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"دکان پر ہو گا۔"

"مریم کا پوچھ رہی ہوں۔"

"کمرے میں ہی ہو گی۔"

"ویسے ایک بات کہوں..... " بانو نے رک کر ماں کو دیکھا۔

"تب سے باتیں ہی کیے جا رہی ہے۔ آگے بول ..... "حمیدہ بے زار ہوئیں۔

"اکرم کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی..... " بانو نے اپنے دیور کا نام لیا۔

"ہیں۔" حمیدہ جو ڈھیلی ڈھالی بیٹھی تھیں' فوراً چوکنا ہوئیں۔ "اب وہ مان جائے گا؟"

"کیوں نہیں مانے گا۔ لالچ ہی ایسا دوں گی۔"

"کیسا لالچ؟ ہمارے پاس کون سی زمین جائیداد ہے جو مریم کے نام لگا دوں گی۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ مریم کا رشتہ اب کہیں اور نہیں ہونے والا۔ جنہوں نے منگنی توڑی ہے' وہ چپ نہیں رہیں گے۔ ہر جگہ منگنی ٹوٹنے کی وجہ دو سے ضرب لگا کر دیں گے..... اور ایسی باتیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں۔ بدنامی تو ہو گی۔ ان حالات میں اکرم سے اچھا رشتہ مریم کے لیے نہیں ملے گا۔ بس اتنا کرو کہ نعمان کے لیے میری نند کا رشتہ لے لو۔" حمیدہ حق دق رہ گئیں۔

"تو بڑی چالاک ہے بانو..... "

"میری نند اتنی بھی بری نہیں۔ ایف اے پاس ہے۔ سلائی کڑھائی میں ماہر ہے اور تجھے کیا چاہیے اماں! دونوں ایک گھر میں نمٹ جائیں گے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔

"لیکن اگر اس کے ہوتے سوتے نے پھر فون کر دیا تو..... ؟" حمیدہ متذبذب تھیں۔

"اماں! تو اکرم کو کیا سمجھتی ہے۔ سارا محلہ اسے اکرم بد..... " بانو نے "بدمعاش" کہتے کہتے زبان دانتوں تلے دبالی۔ "فون کرنے والے کی بچی مروڑ دے گا..... میں پہلے ہی اس کے کان میں یہ بات ڈال دوں گی کہ کوئی آوارہ لفنگا ہماری مریم کو تنگ کر رہا ہے..... اسی لیے تو جلدی جلدی شادی کرنا پڑی۔"

"بانو! تو سچ مچ بڑی چالاک ہے۔" حمیدہ کانوں کان راضی ہو گئی۔

"اماں! آخر تیری بیٹی ہوں۔" بانو نے خود ہی اپنے کندھے پر تھپکی دی۔

"پر اماں! مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ مریم کا اس لڑکے کے ساتھ رابطہ کیسے ہو رہا ہے؟"

"لو..... رابطہ کیسے ہو گا؟ عزت کے ڈر سے اس کی نوکری چھڑا کر گھر بٹھا لیا۔ سارا دن کمرے میں بند رہتی ہے۔"

"نہ اماں! ایسے کام بغیر رابطوں کے نہیں ہوتے۔" بانو نے پر سوچ انداز میں سر ہلایا۔ "کوئی نہ کوئی ذریعہ تو ہے۔"

"کیا ذریعہ ہو گا؟ عریشہ ہوتی تو میں سمجھتی اس کے ذریعے رابطہ ہے۔ وہ بھی دفع ہوئی۔ ابرار بھی چلا گیا ..... یہاں نہ کوئی آئے' نہ جائے..... میں اور تمہارا باپ سارا دن گھر پر ہی ہوتے ہیں۔"

"اچھا..... " بانو سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔

"تو نے واپس جانا ہے؟" حمیدہ نے پوچھا۔

"نہیں! رات رکوں گی۔"

"بچے ساتھ نہیں آئے...؟"

"رہ گئیں کے دادی کے پاس... کون سا چھوٹے ہیں۔" بانو نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"اچھا... میں ہانڈی چڑھادوں۔"

"ہاں اور اماں! نعمان سے بھی بات کرلینا۔ یہ نہ ہو کہ عین وقت پر مکر جائے۔ یہ روز روز کے تماشے اچھے نہیں۔"

"ہاں... ہاں کرلوں گی۔"

تب ہی ثوبان اندر آیا۔ اور ان کی طرف دیکھے بغیر سیدھا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"نہ سلام نہ دعا... اس کا بو تھا کیوں سوجا ہوا ہے۔" بانو نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"اللہ جانے! گیا تو بڑا خوش باش تھا۔" حمیدہ بڑبڑائیں۔

☼ ☼ ☼

فاطمہ، محسن اور نبیلہ کے سامنے ناشتے کے لوازمات چن رہی تھی۔

"عریشہ کو بھی بلالیا کرو......"

"بہت زور دیتی ہوں، مگر وہ آتی ہی نہیں ہے...... اسی لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔" نبیلہ نے بتایا۔

"میں جب سے واپس آیا ہوں...... اسے بہت گم صم اور اداس دیکھ رہا ہوں۔ یونیورسٹی بھی نہیں جاتی۔" محسن نے متفکر انداز میں کہا تو فاطمہ نے گھبرا کر نبیلہ کو دیکھا۔

"کبھی کبھی ڈپریشن میں آجاتی ہے...... تو یوں ہی ہر چیز سے کٹ جاتی ہے۔" انہوں نے نارمل انداز میں بتایا۔

"یہ تو اچھی بات نہیں... اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں۔"

"دھیرے دھیرے ٹھیک ہو جائے گی۔ اسے تھوڑا وقت دو۔ سنبھل جائے گی۔"

"بہت برا سلوک کیا ہے ماموں لوگوں نے عریشہ کے ساتھ... کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے۔" اس کے دبے دبے لہجے میں شدید غصہ تھا۔

فاطمہ نے سر جھکالیا۔

"بس! جو ہو گیا۔ اسے بار بار دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" نبیلہ نے ہاتھ اٹھا کر محسن کو مزید کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

"جی! آپ کے تو بھائی بھاوج ہیں۔ آپ کیوں کچھ کہیں گی۔"

"جو غلط ہے، وہ غلط ہے، لیکن ناشتے کے وقت اس ٹاپک کو چھیڑنا ضروری ہے؟"

نبیلہ کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری در آئی، جسے محسوس کرکے محسن چپ کر گیا۔

"فاطمہ! ڈھنگ سے ناشتا کرو۔"

نبیلہ کے کہنے پر محسن نے چونک کر فاطمہ کو دیکھا۔ وہ اب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔ اسے بھی احساس ہوا کہ اسے احتیاط سے کام لینا چاہیے... آخر اس سب میں فاطمہ کا کیا قصور۔

"بس! عریشہ پر بہت ترس آتا ہے... اتنی سی عمر میں اتنے سارے دکھ دیکھ لیے، اس لیے کبھی کبھار جذباتی ہو جاتا ہوں۔" یہ معذرت خواہانہ انداز یقیناً فاطمہ کے لیے تھا۔

فاطمہ نے ہلکی سی نظر اٹھا کر محسن کو دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔ لیکن دروازے میں کھڑی عریشہ ابھی محسن کے جملے پر اٹکی تھی۔

"تو کیا واقعی وہ اب اسی قابل ہے کہ لوگ اس پر ترس کھائیں؟"

وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔

"لیں! نعمان بھی آگیا... اماں! اس سے بات کرلو تو میں آج ہی گھر بات کرلیتی ہوں۔" بیرونی دروازے سے اندر آتے نعمان کو دیکھ کر بانو نے سرگوشی میں کہا۔

"کیسی ہو آپا... " نعمان قریب آگیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"اماں! فون کردیتیں۔ میں بچوں کے لیے کچھ پھل ول لے آتا۔"

"بچے تو ساتھ آئے نہیں۔ رات ادھر ہی ہے جو مرضی لے آنا۔" حمیدہ نے کہا۔

بانو بہانے سے اٹھ کر مریم کے کمرے میں آگئی۔ مریم نہانے گئی تھی۔ بانو نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی متجسس طبیعت نے اسے بیٹھنے نہیں دیا۔ تب ہی وہ مریم کی الماری تلپٹ کرنے لگی۔ ایک ایک کپڑا جھاڑ جھاڑ کے دیکھا... پھر نیچے بیٹھ کر جوتوں والا خانہ بھی کھول لیا اور جوتے کے ڈبے میں اسے گوہر مقصود مل گیا۔

"یہ کوئی بات ہے کرنے والی۔" نعمان جھنجلا گیا۔

"میں نے تجھے ساری بات کھول کر بتادی ہے... آگے اپنی مرضی دیکھ لے... میرا تجھ پر کوئی زور نہیں پر کیا کروں؟ پیٹ کی جنی ہے... آخر کدھر دھکا دوں۔"

"میں نے کہا نا... جو بات تھی، تجھے بتادی... آگے تو مختار ہے۔" حمیدہ اولاد کے ہاتھوں بے بس ہو چکی تھیں۔

"کیا تھا اماں! جو تو میری شادی عائشہ سے ہو جانے دیتی۔" دل میں تیر کی طرح گڑا شکوہ زبان پر آہی گیا۔

حمیدہ بری طرح چونکیں۔

"میں... میں نے کیا کیا ہے؟"

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے اماں! ساری زندگی تو نے ہر اچھی چیز ثوبان کو دی اور میں نے خوشی خوشی دے بھی دی... بس! ایک میرے دل کی خوشی مجھے دے دیتیں... میں ساری زندگی احسان مند رہتا۔" وہ افسوس اور تلخی سے کہتا چلا گیا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا... پھر تو نے کون سا مجھے بتایا تھا کہ تو اس استانی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ خود ہی تو عریشہ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔" حمیدہ بوکھلائیں۔

"ٹھیک کہا، ساری غلطی تو میری ہی تھی بہرحال..." وہ کھڑا ہوا۔ "یہ بے جوڑ شادی نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن مریم..."

"جہنم میں جائے مریم۔ میں نے اس سارے خاندان کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ سارے مسئلے میں نے ہی حل کرنے ہیں؟ وہ نواب کا بچہ بھی تو ہے... اس کی کرو۔" وہ بھڑک اٹھا، تب ہی اندر شور سا ہوا۔

مریم نہا کر تولیے سے بال رگڑتی غسل خانے سے نکلی تو بانو کے ہاتھ میں موبائل دیکھ کر بوکھلا کر لپکی۔

"آپا! یہ......"

"اچھا... تو اس پہ سارے صلاح مشورے ہوتے ہیں۔" بانو نے موبائل لہرایا۔

"آپا! یہ مجھے واپس کردیں۔" اس نے لپک کر پکڑنا چاہا۔ بانو نے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا۔

"تو تو کچھ زیادہ ہی بے حیا ہو گئی ہے... تیرے جیسی بے شرم لڑکی تو ہمارے پورے خاندان میں نہیں... کھے ڈال رہی ہے بوڑھے ماں باپ کے سروں پر۔" وہ زور زور سے بولنے لگی۔ مریم کو ڈر تھا، آوازیں باہر گئیں تو نعمان اندر آجائے گا۔

"آپا! یہ مجھے دے دیں... اس کے بعد بات کریں گے۔" وہ موبائل چھیننے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیوں؟ اب اس کے ساتھ گھر سے بھاگنے کے منصوبے بنانے ہیں؟ بے غیرت! ڈوب کے مرجا۔"

وہی ہوا۔ بانو کی چیخ و پکار پر نعمان اور حمیدہ اندر آگئے۔

"کیا آفت آگئی ہے...؟ اس گھر میں کوئی بات سکون کے ساتھ نہیں ہو سکتی؟" نعمان چلایا۔

"نعمان! یہ دیکھ اس کمینی کے کرتوت۔ اس موبائل پر رابطے رکھے ہوئے ہیں اور میری بھولی ماں کہتی ہے، رابطہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

بانو نے لپک کر موبائل نعمان کو تھمایا۔

مریم اپنی جگہ بُت بن گئی۔

نعمان نے پہلے موبائل کو پھر مریم کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا۔

دوسرے لمحے موبائل پوری قوت سے مریم کے سر کے عین پاس دیوار سے ٹکرایا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

راحت جبین

ساری بھول ہماری تھی

ناولٹ

عریشہ نے سائن کرنے سے انکار کر دیا تو نعمان کو غصہ آ گیا۔ اس نے جمیلہ کو وہاں سے بھیج دیا اور عریشہ پر تشدد کرنے لگا۔ عریشہ کی چیخیں سن کر ابرار وہاں پہنچ گیا۔ اس نے عریشہ کو بچانے کی کوشش کی۔ مگر اسی وقت جمیلہ محلے والوں کے ساتھ وہاں آ گئیں اور ابرار اور عریشہ پر ناجائز تعلقات کا الزام لگا دیا۔ ثوبان بھی آ گیا مگر اس نے بھی عریشہ کو بچانے کی کوشش کی۔ عریشہ کو بے حد صدمہ ہوا تو وہ بے ہوش ہو گئی۔

فہد نے مریم کے سسرال فون کر کے مریم اور اپنی محبت کے بارے میں بتا دیا۔ انہوں نے مریم کے رشتے سے انکار کر دیا۔

ثوبان نے منیبہ سے شادی کی بات کی تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اسے اب یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ شادی ہم پلہ شخص سے ہی کرنی چاہیے۔

عریشہ ہر وقت گم صم رہنے لگی۔ وہ زندگی سے دور چلی گئی تھی مگر پھر ابرار کی کوششوں سے وہ رفتہ رفتہ زندگی کی طرف واپس آنے لگی۔

مریم کے لیے بانو ایک بار پھر اپنے دیور کا رشتہ لے کر آ گئی۔ اس نے مریم کے کمرے کی تلاشی لی تو مریم کا موبائل اس کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ مریم پر چیخنے لگی۔ اسی وقت نعمان وہاں آ گیا۔

۸

آٹھویں اور آخری قسط



مریم نے آنکھیں پورے زور سے میچ لیں۔ اسے پورا یقین تھا یہ موبائل اس کے سر پر لگے گا۔ موبائل کے ٹکڑے مریم کے آس پاس بکھر گئے۔

نعمان لپک کر اس کا گلا دبانے کو تھا مگر حمیدہ اور بانو نے اسے جکڑ لیا۔

"ماردوں گا اسے۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"اسے مار کے اپنی زندگی کیوں تباہ کرتے ہو۔ یہ تو بے غیرت اور بے شرم ہوگئی ہے۔ اس بے حیا کے لیے جیل کی ہوا کھاؤ گے؟" بانو نے اس کا بازو پوری قوت سے دبوچ رکھا تھا۔

"تو کیا زندہ چھوڑ دوں کہ یہ گلیوں میں اپنے عاشق کے ساتھ ہماری عزت رولتی رہے؟"

"نکاح پڑھوا کے دفع کر۔ اس کا یہی علاج ہے۔"

نعمان رک کر تھر تھر کانپتی مریم کو خوں خوار نظروں سے دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے! جمعہ کو اس کا نکاح ہے۔ بس دو چار بندے آجائیں۔ مجھے تم لوگوں کی ہر شرط منظور ہے۔"

وہ بانو سے بازو چھڑا کر باہر نکل گیا۔

مریم جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔

"بس! ہوگئے ارمان پورے۔" بانو نے کھا جانے والی نظروں سے مریم کو دیکھا۔ "تجھ جیسی لڑکیاں پیدا ہی اس لیے ہوتی ہیں کہ ماں باپ کے سروں پر خاک ڈال سکیں۔ اماں! ہم بھی تو تھے ان ہی گلی محلوں میں کھیل کود کر جوان ہوئے۔ عشق عاشقی کے یہ کھیل ہمیں تو نہ سوجھے۔ یہ نرالی پیدا ہوئی تھی۔" بانو بھی گرج برس کر چلی گئی۔

مریم نے دھندلائی آنکھوں سے ماں کو دیکھا اور بھاگ کر حمیدہ کے پیر پکڑ لیے۔

"اماں! میں مرجاؤں گی۔ ایسا مت کریں۔ میں فہد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"زندہ تو ویسے بھی نہیں بچے گی مریم۔" حمیدہ نے تھکے لہجے میں کہا۔ "عافیت اسی میں ہے کہ خاموشی سے نعمان کی بات مان لے۔"

مریم نے ان کے پیر چھوڑ دیے۔

"کتنے عجیب لوگ ہو۔ عریشہ کو اس کی محبت دلانے کے لیے خود اسی کے منہ سے انکار کہلوا لیا۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ثوبان کے کمرے میں جاتی تھی۔ لوگوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس نے اپنی ساری عزت ثوبان پر لٹا دی۔ تم لوگ خوش ہو کر تالیاں بجاتے رہے۔ صرف اس لیے کہ وہ یہ سب آپ کے بیٹے کے لیے کر رہی تھی اور عریشہ آپ کی نہیں خالہ کی بیٹی تھی۔ اسی لیے سب نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اور میں یہ سب کسی اور کے لیے کر رہی ہوں تو قابل سزا ہوں؟ کتنا دوغلا پن ہے آپ لوگوں میں۔"

"تو واقعی پاگل ہوگئی ہے۔" حمیدہ کو یہ سچی باتیں ہضم نہیں ہوئی تھیں۔ تب ہی غصے میں بکتی جھکتی باہر نکل گئیں۔

"کاش! میں سچ مچ پاگل ہوجاؤں۔"

✿ ✿ ✿

"کل سے کمرے میں بند ہے۔ باہر ہی نہیں نکلا۔ پتا نہیں کیا ہوا ہے۔ گیا تو بڑا خوش خوش تھا۔ دفتر بھی نہیں گیا۔"

حمیدہ ابھی مریم کی فکر سے نکلی نہیں تھیں کہ ثوبان کی فکر لاحق ہوئی۔

"میرے سر پر کھڑی ہو کر زرٹ نہ کر! جس کا جو دل چاہتا ہے کرے۔ میں نہ پہلے کسی کھاتے میں تھا نہ اب ہوں۔" برکت حسین نے بے زاری سے کہا تو وہ دل مسوس کر اٹھ گئیں۔ گھر میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس سے وہ دل کا حال کہہ سکتیں۔ فاطمہ نے بھی آنا چھوڑ رکھا تھا۔

بھاری بھرکم وجود کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنا آسان نہ تھا۔ مگر وہ ہمت کر کے اوپر تک آگئیں۔ ثوبان اوندھا لیٹا تھا۔

"ثوبان! ابھی تک سویا ہے؟"

ثوبان کروٹ بدل کر سیدھا ہوا تو دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی سرخ آنکھیں رت جگوں کی آماجگاہ تھیں۔ بکھرے بال، بڑھی شیو، اس نے آسمان چھونے کی خواہش میں زمین سے پاؤں بھی اٹھالیے تھے۔ منہ کے بل گر رہا تھا۔

"تجھے کیا ہوا ہے۔ بخار ہے؟"

"نہیں! ٹھیک ہوں۔ آپ اوپر کیوں آئی ہیں؟" ثوبان کے لہجے میں حد درجہ بے زاری تھی۔

"تجھے ہی دیکھنے آئی تھی۔ ورنہ مجھ سے کہاں سیڑھیاں چڑھی جاتی ہیں۔ کل سے نیچے ہی نہیں اترا۔ نہ کھانا نہ ناشتا۔"

"مرتو نہیں گیا تھا۔ آہی جاتا نیچے۔"

"اللہ نہ کرے۔ کیسی عجیب بات کر رہا ہے۔" حمیدہ نے دل کر کلیجے پر ہاتھ رکھا۔

"اماں! جاؤ نیچے۔ میرا دماغ نہ کھاؤ۔"

"تو تو بڑا خوشی خوشی گیا تھا اس لڑکی سے بات کرنے۔ کیا ہوا؟" حمیدہ بھی کہاں ہمت ہارنے والی تھیں۔ جب تک بات کی تہ تک نہ پہنچ جاتیں۔

"کیا ہونا تھا۔ اس منحوس گھر میں پہلے کچھ سیدھا ہوا ہے جو اب ہوتا۔" وہ پھٹ پڑا۔ "کیا کیا ہمارے باپ نے ہمارے لیے؟ ساری عمر پلنگ پر بیٹھ کر جلیبیاں کھا کر گزار دی۔ کیا ہے ہمارے پاس؟ یہ دو ٹکے کا گھر۔ وہ بھی وہاں، جہاں اس کی گاڑی بھی نہیں آسکتی۔ کیسے ہاں کرتی وہ۔ ہماری تو ساری زندگی سسک سسک کر گزر گئی اور آگے بھی اسی طرح گزرے گی۔ کیڑے مکوڑے ہیں ہم۔ کیڑے مکوڑوں جیسی زندگی۔"

"کبھی رب کا شکر بھی ادا کرلیا کر۔" حسب فطرت حمیدہ کو غصہ آگیا۔

"سکھایا تھا؟" وہ مڑ کر ماں کو لال لال آنکھوں سے گھورنے لگا۔ "کبھی سکھایا تھا ہمیں شکر کرنا؟ میں نے تو ساری زندگی اس گھر میں ہر کسی کو روتے ہی دیکھا۔ پیٹ بھرا ہوتا تھا، تب بھی وہی واویلا کہ ہائے ہم تو بھوکے مر گئے۔"

"اس لڑکی نے نا کر دی تو تپ ہم پر کیوں نکل رہا ہے۔ تجھے پڑھایا لکھایا۔ نعمان کے منہ میں نوالہ ڈالنے سے پہلے تیرے منہ میں ڈالا۔ اچھی سے اچھی چیز تیرے لیے رکھی۔ اب یہ صلہ دے گا ہمیں؟"

حمیدہ کو سچ مچ صدمہ ہوا۔ اپنی ساری اولادوں میں سے وہی سب سے پیارا تھا۔ اس کی خاطر ساری اولاد سے ناانصافی کر جاتیں۔ آج وہی طعنے دے رہا تھا۔

"تو کیا نرالا کر دیا۔ سارے ماں باپ کرتے ہیں۔"

اب کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ کھڑی ہوگئیں۔

"ٹھیک کہا۔ سارے ہی کرتے ہیں۔ پر ساری اولادیں وہ نہیں کرتیں جو ہماری اولاد کر رہی ہے۔"

"اپنا بویا ہی سامنے آتا ہے اماں!" وہ بڑبڑایا۔

"پڑا رہ اپنے حجرے میں۔ پڑا رہ۔ پر کسی لڑکی کے پیچھے زندگی نہیں برباد کی جاتی۔ تیری نوکری ہے اور۔۔۔"

"وہ نوکری بھی تو اسی کی دین تھی۔ چھوڑ آیا ہوں۔"

"تو نے نوکری بھی چھوڑ دی۔" حمیدہ کو تو چکر ہی آگئے۔

"ہاں۔" اس نے باتھ روم میں جا کر دروازہ دھاڑ سے بند کر دیا۔

حمیدہ بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھ گئیں۔

"یا اللہ! یہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"



مریم نے کھڑکی کا ذرا سا پٹ کھول کر جھانکا۔

نعمان نہانے کی تیاری میں تھا۔ اس نے اپنا کرتا اتار کر تار پر ڈالا اور تولیہ اتار کر باتھ روم میں گھس گیا۔ مریم کا دل زور سے دھڑکا۔ اس کے پاس بس پانچ دس منٹ تھے۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ باورچی خانہ سے مسالا بھوننے کی خوشبو آرہی تھی۔ وہ دبے پاؤں تار تک آئی۔ نعمان کا کرتا اٹھا کر اس کی جیبیں ٹٹولنے لگی۔ اس کے ہاتھ ہی نہیں، پورا وجود

کانپ رہا تھا۔
کوئی بھی آجاتا تو یہ آخری رستہ بھی بند ہو جاتا تھا۔
تب ہی گوہر مقصود ہاتھ آگیا۔
اس نے کرتا تار پر پھینکا اور تیزی سے کمرے میں آ گئی۔
کانپتے لرزتے ہاتھوں سے نعمان کے سیل پر فہد کا نمبر ملایا۔
یہ نمبر تو اس کی روح پر لکھا تھا۔
دوسری بیل پر کال ریسیو کرلی گئی۔
"ہیلو۔"
"فہد۔۔۔ میں مریم بات کر رہی ہوں۔" وہ تیزی سے مگر سرگوشی میں بولی۔
"مریم! کہاں غائب ہو؟ تمہارا نمبر کیوں بند ہے؟"
"میرا موبائل ان لوگوں نے توڑ دیا ہے۔"
"تو گھر والوں کو پتا چل گیا کہ ہم۔۔۔"
"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے فہد! گھر والوں نے میری شادی طے کر دی ہے جمعہ کو نکاح ہے۔"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
"پلیز کچھ کرلو۔ میرے پاس تم سے رابطے کا یہی آخری موقع ہے۔" وہ رو پڑی۔
"تو ٹھیک ہے! تم کسی طرح گھر سے نکل آؤ۔۔۔ آگے میں سنبھال لوں گا۔۔۔ اگر گھر والے سیدھے طریقے سے ہماری بات نہیں مانتے تو یہی سہی۔ اب ہمیں یہ قدم اٹھانا ہی ہوگا۔"
"میں تیار ہوں۔" مریم کے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔
"تو پھر پرسوں شام کو چار بجے کسی بھی طرح نکل آنا۔ میں تمہیں اس پارک میں اسی جگہ ملوں گا۔"
"ٹھیک ہے! اب بند کرتی ہوں۔ کسی کو پتا نہ چل جائے۔"
"آئی لو یو۔"
مریم کے پاس جواب دینے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے فون تیزی سے بند کر کے نمبر ڈیلیٹ کر دیا۔ موبائل واپس کرتے میں ڈال کر واپس آکر پلنگ پر گر گئی۔
اسے لگا وہ بہت لمبا سفر طے کر چکی ہے۔ حالانکہ اسے ابھی بہت لمبا سفر طے کرنا تھا۔

۞ ۞ ۞

عریشہ کاریڈور میں کھڑی برستے مینہ میں بکھرے سبز زیتون ڈھونڈ رہی تھی۔ بارش اتنی شدید تھی کہ بوندوں کی چادر لان کا سارا منظر چھپا لیتی۔ عقب میں ہلکی پھلکی باتوں کی آواز کے ساتھ برتنوں کی کھنکھناہٹ بھی شامل ہو گئی۔ گویا فاطمہ سب کے لیے چائے لے آئی تھی۔
"تو تمہارا طویل سفر تمام ہونے کو ہے۔" نبیلہ نے پوچھا۔
"ان شاء اللہ بہت جلد۔۔۔" ابرار کی دھیمی آواز اور مضبوط لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔
"ماں کو کب لاؤ گے؟" محسن نے دریافت کیا۔
"بہت بے تاب ہوں۔۔۔ بس اپنے ایک اچھا سا گھر ڈھونڈ کر سیٹ کرلوں۔" اس نے مطمئن انداز میں بتایا۔ پھر فاطمہ سے پوچھنے لگا۔
"آپ ابھی تک یہیں ہیں؟"
"کیا مطلب۔۔۔؟" چائے بناتی فاطمہ نے الجھ کر دیکھا۔
"برکت ماموں ملے تھے۔ بتا رہے تھے، جمعے کو مریم کا نکاح ہے۔"
فاطمہ کی نگاہ نبیلہ سے ٹکرائی۔
"ہاں۔۔۔ بہت سادگی سے کر رہے ہیں۔۔۔ محسن! کل فاطمہ کو چھوڑ آنا۔۔۔" نبیلہ نے بات سنبھالی۔
"اور آپ۔۔۔؟" محسن نے پوچھا۔
"میں عین نکاح کے وقت جاؤں گی۔"
فاطمہ نے مشکور نگاہوں سے نبیلہ کو دیکھا۔ یہ تو بھی جانتی تھی کہ نبیلہ کا یوں جانا محض دنیا کے دکھاوے کے لیے ہے ورنہ وہ کبھی اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہتیں۔
"تم اب بھی برکت بھائی سے ملتے ہو؟" نبیلہ نے پوچھا۔
"سر راہ مل جائیں تو رک جاتا ہوں۔ میں نے سب کچھ خدا پر چھوڑ رکھا ہے۔" ابرار نے مضبوط لہجے میں کہا۔ نبیلہ نے ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"اسی لیے اتنے پرسکون ہو۔"
محسن نے الجھ کر ابرار اور نبیلہ کو دیکھا۔
فاطمہ نے عریشہ کے لیے چائے نکالی تھی۔ ابرار نے بارش کے پس منظر میں کھڑی عریشہ کو دیکھا۔ وہ اتنی گم تھی کہ احساس بھی نہ ہوا بارش اسے بھگو رہی ہے۔
ابرار نے لاشعوری طور پر اس کا کپ اٹھایا اور اس کے قریب چلا آیا۔
فاطمہ نے ٹھٹک کر محسن کو دیکھا۔ محسن نے نبیلہ کو۔
نبیلہ دھیرے سے مسکرا دیں۔
"چائے۔۔۔"
عریشہ چونک کر مڑی۔ "میں لے لیتی۔"
"کوئی بات نہیں میں لے آیا ہوں۔" اس نے نرم لہجے میں کہا تو عریشہ نے کپ پکڑ لیا۔۔۔ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں کو چائے کی گرمائش سکون دینے لگی۔
"مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی زندگی کی ترجیحات طے کرلی ہیں۔"
"پتا نہیں! شاید یہ خود کو مصروف رکھنے کا بہانہ ہے۔"
"جو بھی ہے اچھا ہے۔۔۔ ہمیں زندگی اس لیے نہیں ملی کہ دوسروں کی خاطر ضائع کی جائے یا ماضی کی داستانوں کی نذر کر دی جائے۔"
"تمہیں وعظ کرنے کا کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔" عریشہ کا لہجہ بہت زیادہ تلخ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ برا مان گیا۔
"میں ہر کسی کو نصیحت نہیں کرتا۔" وہ جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔
عریشہ نے ذرا سا رخ موڑ کر دیکھا۔۔۔ سب لوگ باتوں میں مصروف تھے اور وہ آسانی سے ان میں شامل ہو گیا تھا۔
وہ خاموشی سے شاخوں میں چھپے سبز زیتون تلاشنے لگی۔



بانو نے حمیدہ کو صاف منع کر دیا تھا کہ "گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ مجھے پیسے دے دینا۔ جو کچھ خریدنا ہوا۔ خود ہی خرید لوں گی۔۔۔ تو بس گھر میں رہ کر اس پر نظر رکھ۔" سو وہ ہمہ وقت گھر میں موجود رہتیں۔۔۔ مریم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان حالات میں وہ گھر سے کیسے نکل پائے گی۔ حمیدہ کو نہانا بھی ہوتا تو پیچھے سے دروازے کی چٹخنی باہر سے چڑھا دیتیں۔ اس نے اپنے چھوٹے سے بیگ میں دو جوڑے اور چند سو روپے جو اس کے پاس رکھے تھے۔ سنبھال کر رکھ لیے۔ اب اسے ایک ذرا سے موقع کی تلاش تھی۔
گھڑی کی سوئیاں چار پر جا رکیں۔ مریم نے بے چین ہو کر کمرے سے باہر جھانکا۔ حمیدہ بہت بے دلی سے ایک دوپٹے پر کرن ٹانک رہی تھیں۔
"اب کیا کروں؟ اماں کو کیسے یہاں سے ہٹاؤں؟" اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے سوچا۔ اس کا ذہن پھرکی کی طرح گھوم رہا تھا۔ یہی ایک گھنٹہ تھا۔ پھر تو برکت حسین نے بھی مسجد سے واپس آکر بیٹھک سنبھال لینی تھی۔ تب نکلنا بالکل ہی ناممکن تھا۔ تب ہی دماغ میں اک جھماکا ہوا۔
تھوڑی دیر میں اس کی کراہیں کمرے میں گونجنے لگیں۔
"کیا ہوا؟" حمیدہ دروازے میں آکھڑی ہوئیں۔
"اماں! پیٹ میں بہت درد ہے۔" وہ پلنگ پر دہری ہو کر ایک ہاتھ سے پیٹ دبائے کراہ رہی تھی۔
"ایسے کیسے اچانک درد ہونے لگا؟" حمیدہ نے ناگواری سے پوچھا۔
"صبح سے ہی تھا۔"
"آجائے تیرا باپ تو۔۔۔ گولی منگوا دیتی ہوں۔"
"مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔"

"نہیں ہو رہا تو نہ ہو۔" وہ بے رخی سے بولیں۔

"اماں! میں مر جاؤں گی۔ مجھے بہت درد ہے۔"

مریم رو پڑی۔ حمیدہ کتنی بھی سنگدل ہوں' تھیں تو ماں۔

"اچھا! تیرے لیے پودینے اور سونف والی چائے بنا دیتی ہوں۔"

"اماں! اس سے کیا ہوگا۔ ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا تو یہ ساتھ والوں کی ثریا سے درد کی گولی ہی لا دیں۔"

مریم نے پیٹ میں مکیاں مارتے ہوئے کہا۔

حمیدہ سوچ میں پڑ گئیں۔ ثریا کا گھر کون سا دور تھا۔ یہ دروازے سے دروازہ ملا تھا۔۔۔ وہ ایک ہی منٹ میں جا کر واپس بھی آجاتیں۔۔۔ یہ سارے محلے کو پتا تھا کہ ثریا کے گھر میں معمولی درد و بخار کی دوا موجود ہوتی تھی۔

"اچھا میں لاتی ہوں۔"

"آپ لے کر آئیں۔۔۔ میں باتھ روم میں ہوں۔"

وہ کراہتی ہوئی اٹھی اور حمیدہ کی نظروں کے سامنے باتھ روم میں چلی گئی تو حمیدہ مطمئن ہوتی باہر نکلیں۔

مریم نے صرف باتھ روم کا نل کھولا۔۔۔ جیسے ہی بیرونی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ وہ لپک کر کمرے میں گئی۔ چادر اوڑھ کر بیگ بغل میں دبائے باہر نکلنے میں اسے صرف چند لمحے لگے تھے۔۔۔ حمیدہ کے سلام دعا کے بعد گولی لے کر آنے کے عرصے میں وہ گلی عبور کر کے مین سڑک پر پہنچ گئی تھی۔

حمیدہ نے باتھ روم کے بند دروازے کے دوسری طرف گرتے پانی کی آواز سنی۔

"یہ گولی رکھ رہی ہوں۔ نکل کر کھا لینا۔ میں چائے بناتی ہوں۔" حمیدہ نے بلند آواز میں کہا اور گولی رکھ کر خود باورچی خانہ میں چلی گئیں۔ ایک کپ چائے بنا کر کمرے میں آئیں تو مریم ابھی تک باتھ روم میں تھی۔ حمیدہ نے کپ رکھ کر تھوڑی انتظار کیا۔۔۔ پھر تشویش کے ساتھ جا کر دروازہ دھڑ دھڑایا۔ دوسری طرف صرف گرتے پانی کی آواز تھی۔

"میں نے کہا سو گئی ہے یا مر گئی ہے؟؟"

حمیدہ کے ہاتھ کے زور سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔

حمیدہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

خالی باتھ روم میں نل پورا کھلا تھا۔۔۔ ٹب بھر پانی تواتر سے نیچے بہہ رہا تھا۔

"مریم۔۔۔" حمیدہ نے پاگلوں کی طرح اسے پورے گھر میں ڈھونڈا۔۔۔ جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہو جو شرارت کر کے پلنگ کے نیچے جا چھپی ہو۔ پلنگ کے نیچے بھی دیکھ لیا۔ اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ گھسٹتے ہوئے گلی میں دیکھا۔

پوری گلی سنسان تھی۔

حمیدہ کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔

وہ صحن میں کھڑی ہو کر دھاڑیں مار مار رونے لگیں۔

"کیا ہو گیا حمیدہ! تجھے' پاگل ہو گئی۔۔۔" برکت حسین نے نماز والی ٹوپی اتار کر ہاتھ میں لیتے ہوئے حیرت اور گھبراہٹ سے پوچھا۔

حمیدہ اپنا سر پیٹنے لگیں۔

"تیرا دماغ ٹھیک ہے؟ کون مر گیا ہے؟؟"

"مریم مر گئی ہے۔۔۔"

"کیا؟؟" برکت حسین نے ناسمجھی سے حمیدہ کو دیکھا۔

"حمیدہ مر گئی ہے۔۔۔ برکت حسین مر گیا ہے۔ ہم سارے مر گئے ہیں۔۔۔ برکت حسین! مریم ہم سب کو مار گئی ہے۔"

برکت حسین کے ہاتھ سے ٹوپی چھوٹ کر نیچے گری۔ انہیں ایک ہی پل میں معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔ ان کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑ گئی۔

پھر وہ پورے قد سے گرے تھے۔ حمیدہ کے لبوں سے چیخیں نکل گئیں۔

☼ ☼ ☼

فہد بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

عاصم اندر آیا۔ وہ اس کا بہترین دوست تھا۔ اس کی گاڑی فہد کو استعمال کرنی تھی اور اسی کے گھر میں ایک

دو دن ٹھہرنا تھا۔

"یار! تو نے کتنی دیر لگا دی ہے۔۔۔ وقت دیکھا ہے؟ گاڑی لایا ہے؟" فہد خود بھی گھبرایا ہوا تھا سو ایک ہی سانس میں سوال پر سوال کرتا رہا۔

"ہاں! لایا ہوں۔" عاصم صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا۔

"تو بیٹھ کیوں رہا ہے۔۔۔ ہمارے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے۔"

"فہد! میری بات سُن۔ میں نے بہت غور کیا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں یہ ٹھیک نہیں کر رہے۔" عاصم نے سنجیدگی سے کہا تو متحیر سا فہد اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیا ٹھیک نہیں کر رہے؟ ہم دونوں نے اپنے اپنے گھر والوں کو منانے کی پوری کوشش کی۔۔۔ مگر وہ نہیں مانے۔ ہمارے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تم لوگوں نے کوشش کی۔ گھر والے نہیں مانے تو سمجھو وہ تمہارے نصیب میں ہی نہیں تھا۔ مگر اس طرح گھر سے بھاگنا' یہ غلط ہے۔"

فہد کی مٹھی بھنچ گئی۔ اس کا دل چاہا' وہ مکا عاصم کے منہ پر دے مارے۔

"اب جبکہ وہ گھر سے نکل گئی ہوگی۔ اب تجھے لگ رہا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تو مجھے پہلے بتاتا' میں کوئی اور بندوبست کرلیتا۔"

"فہد! میں پورے خلوص سے تمہاری مدد کرنے جا رہا تھا۔ مگر عین وقت پر میرا حوصلہ پست ہوگیا۔" عاصم نے بے بسی سے کہا۔ "ذرا سوچ! اس کے بھائی چپ تو نہیں بیٹھیں گے۔ سب سے پہلے میری گاڑی ٹریس ہوگی۔۔۔ ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کرو۔ تمہارا گھر ہے' ماں اور بہنیں ہیں۔ کل کو پولیس انہیں گھسیٹتے ہوئے لے جائے گی تو تو کیا کرے گا؟ اپنی محبت پانے کے لیے تو اپنی ماں' بہنوں کو تھانے کچہری کا منہ دکھائے گا۔۔۔؟ کل کو تیری بہنوں کی شادیاں ہونی ہیں۔ لوگ کیسے ایسے شخص کی بہن سے رشتہ جوڑیں گے جو کسی کی بہن کو بھگا کے لے گیا ہو؟ بات صرف تمہاری زندگیوں کی تو نہیں ہے۔۔۔ تم دونوں سے وابستہ اور لوگ اور رشتے بھی ہیں فہد۔"

فہد ساکت سا عاصم کا منہ دیکھنے لگا۔

عاصم نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر ٹکائے۔

"میں نہ تمہارا دشمن ہوں نہ مریم کا۔ جوش میں آ کر تمہارا ساتھ دینے کو تیار بھی ہو گیا تھا۔۔۔ مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ میں غلط تھا۔۔۔ میرا گھر ہے' گھر والے ہیں۔ میری جاب ہے۔۔۔ میں اس سب کو رسک میں نہیں ڈال سکتا۔ ایسی باتیں کبھی بھی چھپی نہیں رہتیں۔ سامنے آجاتی ہیں۔ جوش سے نہیں ہوش سے کام لے یار۔"

فہد ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"آج تیرے گھر والے اور کل کو تیری اولاد مشکلات کا سامنا کرے گی۔ گھر سے بھاگی عورت کی اولاد معاشرے میں کبھی بھی سر اٹھا کر نہیں جی سکتی۔"

"میں اس سے محبت کرتا ہوں عاصم!" فہد کا لہجہ بے بس سا تھا۔

"اس محبت کی خاطر دربدر کی ٹھوکریں کھائے گا؟ اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈال سکے گا۔۔۔؟ تھانے کچہری کے چکر لگائے گا؟ خود کو اچھی طرح جج کرلے!"

فہد نے سر جھکا لیا۔

"وہ وہاں میرا انتظار کر رہی ہوگی۔۔۔"

"کچھ دیر انتظار کرے گی۔۔۔ پھر مایوس ہو کر چلی جائے گی۔"

"اور اس کے گھر والے؟" اس نے سر اٹھایا۔

"تھوڑی دیر مار پیٹ اس خواری سے بہتر ہے' جو تم دونوں اٹھانے جا رہے تھے۔" عاصم نے اطمینان سے کہا۔ وہ گویا گھر سے فیصلہ کرکے نکلا تھا کہ فہد کو اس کے ارادے سے ہر صورت روک کے رہے گا۔

فہد کا وجود بھنور میں پھنسی کشتی کی طرح ہچکولے کھانے لگا۔

☆ ☆ ☆

مریم نے بے قراری سے پارک کے داخلی راستے کی

طرف دیکھا۔

سارے رستے سنسان تھے۔

کل کی بارش کا پانی ابھی بھی ان راستوں پر جمع تھا۔ مریم کے پاس گھڑی نہیں تھی کہ وقت کا اندازہ کر سکتی۔۔۔ مگر گہری ہوتی شام اسے تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔ اس کے پاس فون بھی نہ تھا کہ فہد کے ساتھ رابطہ کر سکتی۔

"اس وقت گھر میں کیا ہو رہا ہو گا؟" اس تصور کے ساتھ ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

موسم خوشگوار تھا مگر اسے پسینے آ رہے تھے۔

"اگر وہ نہ آیا تو۔۔۔" اس کے ہاتھ پاؤں سن ہونے لگے۔ ایک بار تو جی میں آئی' واپس پلٹ جائے مگر واپسی کا مطلب تھا فہد سے ہمیشہ ہمیشہ کی جدائی۔

"نہیں! وہ آجائے گا۔ کہیں پھنس گیا ہو گا۔" اس نے پسینے سے بھیگتی ہتھیلیاں کالی چادر سے رگڑتے ہوئے خود کو تسلی دی۔ شام کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ اس کے اوپر سے پرندوں کی قطاریں گھروں کو لوٹنے لگیں۔ وہ شام ڈھلے گھونسلا چھوڑنے والے پرندے کی طرح متوحش اور ڈری ہوئی تھی۔ تب ہی کوئی آہستگی سے بنچ کے دوسرے کنارے پر آ بیٹھا۔

مریم نے چونک کر بڑی آس کے ساتھ گردن گھمائی پھر تیزی سے چادر کھینچ کر لبوں میں دبا لیا۔

"آئی ایم سوری مس! ایکس کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔۔۔" وہ جو کوئی بھی تھا' بہت شائستہ لب و لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

مریم بغیر جواب دیے تیزی سے کھڑی ہو گئی۔

"میں بہت دیر سے آپ کو یہاں پریشان بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔۔۔ ملگجے اندھیرے میں دور بتیاں جلنے لگیں۔ مریم کے قدموں تلے زمین کھسک گئی۔

"فہد نہیں آیا تھا۔ فہد نے اسے دھوکا دیا تھا۔" بڑھتی ظلمت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

وہ ڈولتے قدموں سے پارک کے گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

بات میں! میں کوئی ایسا ویسا انسان نہیں ہوں۔ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی یہاں سے جا چکا ہوتا۔ مگر اکیلی لڑکی کو اس طرح سنسان پارک میں چھوڑنا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا۔ مجھے نہیں پتا' آپ کون ہیں۔ مصیبت کی ماری ہیں یا محبت کی۔ مگر میں خلوص نیت سے آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں سسٹر۔"

مریم ایک جھٹکے سے رکی۔

"آپ کے پاس موبائل ہے۔۔۔"

"جی ہے۔۔۔ آپ کو کال کرنی ہے؟"

"ظاہر ہے! اسی لیے مانگ رہی ہوں۔" وہ جھنجلائی۔

"سوری۔۔۔" اس نے شرمندہ ہو کر جیب سے موبائل نکال کر دیا۔ مریم فہد کا نمبر ملاتے ہوئے ذرا فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔

اس کا ہاتھ اور دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

"اگر فہد نے کال ریسیو نہ کی تو۔۔۔؟"

☆ ☆ ☆

فہد کا موبائل بج اٹھا۔ فہد نے سر اٹھا کر دیکھا۔۔۔ عاصم اس کا موبائل اٹھا رہا تھا۔

"کس کا فون ہے۔"

"پتا نہیں! کوئی نام نہیں' صرف نمبر ہے۔" عاصم نے فون اس کی طرف بڑھایا۔

فہد نے دیکھا' وہ کوئی نامعلوم نمبر تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔

مریم کا دل دھک سے رہ گیا۔

کال ریسیو نہیں ہوئی تھی۔ اس کے پیروں تلے سے جان نکل گئی۔ وہ جہاں کھڑی تھی' وہیں بیٹھ گئی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟" اجنبی گھبرا کر قریب چلا آیا۔

مریم نے بے دردی سے آنکھوں سے دھند رگڑ دی اور کپکپاتی انگلیوں سے میسج لکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر کبھی انگلیاں گڑبڑ کر دیتیں اور کبھی آنکھوں سے بہتا پانی۔

اجنبی نے نرمی سے موبائل اس کے ہاتھ سے لے

لیا۔

"کیا لکھوں۔۔۔"

"کیا لکھوں۔۔۔" مریم کا ذہن صاف سلیٹ تھا۔

"مریم۔" پھر اس کے لبوں سے نکلا۔ اجنبی چند لمحے منتظر رہا۔ پھر اس نے "مریم" ٹائپ کر کے اسی نمبر پر سینڈ کر دیا۔ جس پر کال کی گئی تھی۔

"ٹوں۔۔۔ ٹوں۔" اسی نمبر سے میسج تھا۔

"مریم۔۔۔" فہد ایک دم سے سیدھا ہو بیٹھا۔

"مریم کا میسج ہے۔"

"رہنے دے! مایوس ہو کر بیٹھ جائے گی۔" عاصم نے بے زاری سے کہا۔ مگر فہد نے کال ملا لی تھی۔

اجنبی نے بجتا موبائل مریم کی طرف بڑھایا۔ مریم نے جھپٹ کر موبائل کان سے لگایا۔

"فہد۔۔۔ فہد تم کہاں ہو۔"

"تم کہاں ہو؟"

"میں وہیں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ اندھیرا ہو گیا ہے۔ تم ابھی تک آئے کیوں نہیں؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مریم! میری بات سنو۔ میرے ساتھ بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں آپاؤں گا۔ تم۔۔۔ تم گھر واپس چلی جاؤ۔"

مریم کو لگا زمین و آسمان گھوم گئے ہیں۔

"واپس چلی جاؤں۔۔۔؟ میں کیسے واپس چلی جاؤں؟ اندھیرا ہو رہا ہے۔ گھر میں سب کو پتا بھی چل چکا ہو گا۔ میں واپس کیسے جا سکتی ہوں؟ وہ لوگ مجھے جان سے مار دیں گے۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ اس وقت گھر سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں ہے۔ تم بس واپس چلی جاؤ۔۔۔ میں اس وقت زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ موبائل کی بیٹری لو ہو رہی ہے۔"

"فہد! میری بات سنو۔۔۔ تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ میں تو ساری کشتیاں جلا کر نکلی ہوں۔ واپس کیسے جاؤں؟ میں تو۔۔۔"

دوسری طرف رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔

مریم نے دیوانہ وار وہ نمبر پریس کیا مگر موبائل آف ہو چکا تھا۔

"بس کریں؟ میرا خیال ہے کہ اس نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔" وہ ایک ہی پل میں "آپ" سے "تم" پر آیا۔۔۔ گویا اس کی عزت کا گراف فی الفور گھٹ گیا تھا۔۔۔ کیونکہ وہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تھی۔

"چلو! میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔"

"کون سا گھر؟ جسے وہ اپنی مرضی اور خوشی سے چھوڑ آئی تھی۔۔۔ اب وہ گھر جائے بھی تو کس منہ سے۔۔۔ اور اگر چلی جائے تو وہ لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

اسے جھرجھری آ گئی۔

"دیکھو اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ اگر کوئی پولیس والا نکل آیا تو ہم دونوں دھر لیے جائیں گے۔" وہ جھنجلایا۔ پولیس کے نام پر وہ تھرا گئی۔

"میں ٹیکسی روکتا ہوں۔۔۔" وہ مریم کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر تیزی سے بیرونی رستے کی طرف بڑھا۔۔۔ مریم نے سر اٹھا کر دیکھا۔۔۔ آسمان تاریک تھا اور لمبے درخت دیو ہیکل صورت اختیار کر رہے تھے۔۔۔ پرندوں کی آوازیں سو گئی تھیں اور اتنی گہری خاموشی تھی کہ روح کو گھائل کر رہی تھی۔

"کیا اس رات کی بھی سحر ہو گی۔" مریم نے گردن گھما کر دیکھا۔۔۔ وہ شخص مڑ مڑ کر اسے دیکھتے موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔۔۔ مریم کی دم توڑتی حسیات جاگ اٹھیں۔

وہ کون تھا۔

اتنی دل جمعی سے اس کی مدد پر آمادہ کیوں تھا؟

مریم نے اپنی بکھری قوتوں کو مجتمع کیا اور لڑکھڑاتے قدموں سے دوسرے رستے کی طرف بڑھ گئی۔۔۔ باہر نکلنے سے پہلے پلٹ کر دیکھا۔

دو سائے اسے دیوانہ وار ڈھونڈ رہے تھے۔

مریم کے ہاتھ سے چھوٹا سا بیگ گر گیا۔ وہ وحشی ہرنی کی طرح دوڑتی چلی گئی۔

سنسان سڑک پر دو سائے بہت دور مگر تیزی سے

اس کے پیچھے لپکتے آ رہے تھے۔ یہاں کوئی گھر بھی نہ تھا جہاں وہ پناہ لے لیتی۔ صرف دو رویہ اونچے لمبے درخت تاریکی اوڑھے بے حسی سے بے بس ہوتی چڑیا اور اس کے تعاقب میں جھپٹتے دو بازوؤں کو دیکھ رہے تھے۔

دور سے کسی ٹیکسی کی لائٹس جھلملائیں۔

ہمت ہارنے سے ذرا پہلے مریم سڑک کے درمیان آ گئی۔ ٹیکسی کے ٹائر چیختے چلاتے عین اس کے سر پر رکے۔

"کیا مصیبت ہے بی بی تم کو۔۔۔ یہ ٹیکسی روکنے کا کون سا۔۔۔"

مریم اس کے جملے کے درمیان ہی پچھلا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔

"جلدی چلو بھائی۔۔۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے دور لے جاؤ۔۔۔ وہ لوگ مجھے پکڑ لیں گے۔"

"اس۔۔۔ نہ! بی بی نہ۔۔۔ ہم کو پرائے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑانی۔ تم فوراً نیچے اترو۔۔۔ میں نے اپنی ٹیکسی کو آگ نہیں لگوانی۔" ڈرائیور ڈر گیا۔

"خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔" وہ بلبلائی۔

"اری۔۔۔ تو مجھ پر رحم کر۔۔۔ میری ٹیکسی سے اتر جا۔"

ڈرائیور نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"تمہیں اللہ رسول کا واسطہ! تمہاری بہنوں کی قسم، میری عزت بچاؤ۔"

ڈرائیور نے تذبذب سے سامنے آتے لوگوں کو دیکھا۔ عقب میں وہ بلک رہی تھی منتیں کر رہی تھی۔

مریم کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

وہ لوگ عین سر پر آ گئے تھے۔ وہ ان کی آوازیں سن سکتی تھی۔

"حرامزادی! ہم۔۔۔ سے بچ کر کہاں جائے گی۔"

ٹیکسی کی دونوں سائیڈوں پر دو عفریت کھڑے تھے۔

مریم نے چیختے ہوئے گھٹنوں میں چہرہ چھپا لیا۔

تب ہی رحم اک معجزے کی طرح اس غریب ڈرائیور کے دل پر اترا۔ ٹیکسی ایک جھٹکے سے بڑھی اور گولی کی طرح نکلتی چلی گئی۔

وہ لوگ ٹیکسی پر ہاتھ مارتے رہ گئے۔

"بات سنو لڑکی! ہوش وہوش میں ہو؟" ڈرائیور نے مین روڈ پر آ کر لب کھولے۔۔۔ جواباً وہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

"اب سیدھی طرح اپنے گھر کا پتا بتا دے۔۔۔ ورنہ میں یہیں اتار کر چلا جاؤں گا۔" مریم نے اک روانی میں وہی پتا دیا تھا جہاں سے وہ بھاگی تھی۔

چند لمحوں میں احساس ہو گیا تھا۔۔۔ اس کے لیے اپنے گھر سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں۔

"شکر ہے! زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا۔ آج کا دن ہی خراب ہے۔ صبح سے ایک سواری نہیں ملی اور جو ملی بھی تو۔۔۔"

مریم نے کھڑکی کے شیشے پر گال ٹکا دیا۔

"کیا ہو گا، گالیاں دیں گے، ماریں پیٹیں گے، گلا دبا دیں گے۔"

وہ جن ہولناک لمحوں سے باہر نکلی تھی اس کے بعد اب کچھ بھی ڈرانے والا نہیں تھا۔

گلی سنسان نہیں تھی۔

وہاں روشنی تھی اور لوگ بھی۔

ڈرائیور کو اچھی طرح اندازہ تھا اسے کرایہ نہیں ملے گا۔۔۔ سو گلی کے موڑ پر اتار کر چلا گیا۔

اپنی گلی دیکھ کر مریم گویا جی اٹھی۔

مگر یہ گھر کے سامنے ہنگامہ سا کیا تھا۔

کالی چادر میں چہرہ چھپائے وہ گھر کے قریب ہوئی۔

گھر کے اندر سے بین کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

مریم کے حوصلے پست ہونے لگے۔

مگر اب پلٹتی بھی تو کہاں جاتی۔

آگے زندگی تھی یا موت پیچھے والی ذلت سے بہتر تھی۔

مگر وہ نہیں جانتی تھی، جب بیٹی گھر سے بھاگتی ہے تو ذلت کا تعویذ گھر کے دروازے میں گاڑ جاتی ہے۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے صحن کے وسط میں پڑی میت

کو دیکھا اور میت کے گرد بیٹھے لوگوں نے اسے۔

پھر ایک طرف سے نعمان جھپٹا دوسری طرف سے بانو۔

"مار ڈالا ہمارے باپ کو 'اب کیا لینے آئی ہے۔۔۔ وہیں مر کھپ جاتی۔" اسے وجود پر پڑتی ضربات کا احساس کہیں تھا۔۔۔ وہ سپید چادر کے نیچے چھپے چہرے کو کھوج رہی تھی۔ تب ہی حمیدہ نے چادر ہٹادی۔

"دیکھ لے۔۔۔ تیری دی ہوئی ذلت سے باپ کا سیاہ پڑتا چہرہ۔ تب ہی تو وہ چہرہ ہی چھپا گیا۔ تو نے ہم سب کو مار دیا مریم۔"

عورتوں نے بانو کو مردوں نے نعمان کو کھینچ لیا۔

مریم باپ کے مردہ پیروں میں گر گئی۔



"خدا کے لیے نبیلہ! اسے یہاں سے لے جانا۔۔۔ یہاں رہی تو نعمان اسے مار مار کر مار ہی دے گا۔۔۔ جہاں سامنے آتی ہے 'وہیں پیٹنا شروع کر دیتا ہے۔" حمیدہ نے نبیلہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

نبیلہ نے تاسف سے ٹوٹی بکھری حمیدہ کو دیکھا۔

کل تک جس شوہر کو در خور اعتنا نہ جانا' آج اس کے جانے پر یوں بیٹھی تھیں گویا زندگی میں کچھ بھی باقی نہ رہا ہو۔۔۔ مریم نے انہیں پوری طرح توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"فاطمہ! مریم کی تیاری کرو' ہمارے ساتھ جا رہی ہے۔" انہوں نے ایک طویل سانس لے کر فیصلہ سنایا۔

محسن نے ذرا ناگواری سے سب کو دیکھا۔ شاید وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ مگر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

مریم نہیں تھی گویا اک بے جان بت تھا جو ان کے ساتھ آیا تھا۔



"یہ کھانا کھا لینا۔۔۔" فاطمہ نے بہت بے زاری سے ٹرے اس کے سامنے رکھی۔

مریم نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر ٹرے کو دیکھا۔

"اور میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں۔۔۔ جو تمہیں کھانا لا کر سامنے رکھوں۔ ہاتھ پاؤں سلامت ہیں' خود لے لیا کرو۔" کیسا اجنبی اور روکھا سا انداز تھا۔ چند گھنٹوں نے اس کی پوری زندگی الٹ کر رکھ دی تھی۔

"فاطمہ آپی۔۔۔"

"مت کہو مجھے آپی۔" وہ غرائی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" مریم تنہا کمرے میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔ عرشہ تک اس کے پاس نہ آئی۔

"نہیں بہت خوش ہوں۔۔۔ تم نے اتنا بڑا کارنامہ کیا ہے کہ مجھے تو تمہیں پھولوں کے ہار پہنانے چاہئیں۔ پہلے گھر والوں کے کرتوتوں نے مجھے ہر کسی کے سامنے شرمندہ کیے رکھا اور اب تم نے۔۔۔ تم نے تو مجھے کسی کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔۔۔ تم نے اپنی زندگی تو تباہ کی ہی تھی' میری زندگی بھی اجیرن کر دی ہے۔۔۔ میرا کیا قصور ہے' میں کس بات کی سزا بھگت رہی ہوں؟ شرم آتی ہے مجھے یہ سوچ کر کہ میں اس گھر میں پیدا ہوئی' جہاں کا ہر بندہ اپنی غرض کا غلام ہے۔ نفرت ہے مجھے تم سب سے۔۔۔ میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی جس نے میرے باپ کو مار ڈالا۔"

مریم کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔۔۔ فاطمہ ہسٹریک ہو رہی تھی۔ اس کی بلند ہوتی آواز پر محسن اور نبیلہ آگئے۔

"فاطمہ آپی۔۔۔" مریم نے اٹھ کر اسے پکڑنا چاہا۔

"دور رہو مجھ سے۔۔۔" فاطمہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا۔ مریم بیڈ پر گری اور روتی چلی گئی۔۔۔ محسن فاطمہ کو سنبھال کر باہر چلا گیا۔ نبیلہ نے تاسف سے مریم کو دیکھا۔

"اب رونے کا فائدہ مریم۔۔۔ گھر سے قدم نکالنے سے پہلے ایک بار تو سوچا ہوتا۔"



"کیا ہو گیا ہے فاطمہ! خود کو سنبھالو۔ اپنی حالت

دیکھو۔ اس حالت میں اتنی ٹینشن نہ تمہارے لیے ٹھیک ہے نہ بچے کے لیے۔" محسن نے پانی کا گلاس فاطمہ کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے رسان سے سمجھایا۔

"میں کیا کروں محسن! میں جب بھی مریم کو دیکھتی ہوں۔ میری نظروں کے سامنے ابا کی بند آنکھیں آ جاتی ہیں۔"

"لیکن اس طرح کرنے سے وہ واپس تو نہیں آجائیں گے۔"

"آپ سوچ نہیں سکتے محسن! کہ میں اپنے گھر والوں کی وجہ سے کتنی شرمندہ ہوں۔"

"تم کیوں شرمندہ ہوتی ہو؟"

"کاش! آپ نے مجھ سے شادی نہ کی ہوتی تو ساری ٹینشن سے دور رہتے۔ پہلے گھر والوں کی حرکتوں کی وجہ سے عرشہ اور اب اپنے کرتوتوں کی وجہ سے مریم۔۔۔"

"ہم تب بھی یہی کر رہے ہوتے فاطمہ!" نبیلہ نے کمرے میں آکر رسان سے کہا۔ محسن نے اٹھ کر ماں کو جگہ دی۔

"کیونکہ وہ کوئی غیر نہیں، میرے بھائی کا گھر ہے۔ میں خود کو اس گھر کے مسائل سے دور نہیں رکھ سکتی۔"

"پھوپھو! یہ تو آپ کا ظرف ہے۔ ورنہ کون اتنا کرتا ہے، خواہ اپنے ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ بھی اتنی بدنامی اور ذلت۔"

"یہ مکافات عمل ہے فاطمہ۔ کانٹے بو کر یہ توقع رکھنا کہ پھول کھلیں گے، بے وقوفی ہی ہوگی۔ بھابھی نے ہمیشہ دوسروں کے رستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ خود لہولہان کیسے نہ ہوتیں۔ لیکن اس سب کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ تم بہت پیاری بیٹی بھی ہو اور بہو بھی۔" انہوں نے شفقت سے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میں مریم کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ بہت بدنامی ہوگئی ہے۔ اب اس کا کیا بنے گا۔"

نبیلہ ہلکا سا مسکرائیں۔ بہن تھی۔ تمام تر ناراضی اور نفرت کے باوجود فکر اپنی جگہ موجود تھی۔

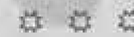
"ان شاء اللہ! کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی زندگی کے سارے دروازے بند نہیں کرتا۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی روزن کھلا ہی ہوتا ہے۔ میں اسی لیے مریم کو یہاں لے آئی تھی۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

"امی! اس سے کہیں پلیز ٹینشن مت لیا کرے۔" محسن نے کہا۔

"ہاں بالکل۔ مجھے اپنا پوتی پوتا بالکل صحت مند چاہیے۔ تمہارے سمیت۔ میں ملازمہ سے کہتی ہوں تمہارے لیے فریش جوس نکال دے۔"

وہ کہہ کر چلی گئیں۔

"اب ہو گئی تسلی۔" محسن نے شرارت سے کہا تو فاطمہ مسکرا دی۔ اس کے دل میں نبیلہ کی قدر کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ ورنہ کوئی اور ساس ہوتی تو طعنے مار مار کر جان ہی نکال دیتی۔



عرشہ گیٹ سے اندر آئی تو لان میں گم صم بیٹھی مریم پر نظر پڑی۔ وہ ماحول سے بالکل بیگانہ ہو کر بیٹھی تھی۔ عرشہ کو اس میں اپنا آپ دکھائی دیا۔ دونوں نے محبت کے نام پر بہت بڑی چوٹ کھائی تھی۔

"مریم!" وہ اس کے قریب آگئی۔ عرشہ کی آواز پر مریم بری طرح چونکی۔

"کیا سوچ رہی ہو۔"

"کچھ سوچنے کے لیے بچا ہی کیا ہے۔ بس پچھتاوے ہیں۔ جنہیں روز بیٹھ کر گننا شروع کر دیتی ہوں۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ پچھتاووں کی آگ کبھی نہیں بجھتی۔ خواہ اسے دل میں دفن کر دو۔ یہ تب بھی سلگتی رہتی ہے۔"

"ابا زندہ ہوتے تو میں پیر پکڑ کر معافی مانگ لیتی۔" وہ سسکی۔

عرشہ دھک سے رہ گئی۔

یہی تو وہ سوچا کرتی تھی۔ "اماں زندہ ہوتیں تو معافی مانگ لیتی۔"

"اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا عرشی؟ محبت کی اتنی بڑی سزا۔ نبھانا نہیں تھا تو مجھے اس مقام تک کیوں لایا۔۔۔؟ مجھے کیوں بدنامی کے اندھے کنویں میں دھکیل گیا؟ وہ ایک بار میرے سامنے آجائے میں اس کا گریبان پکڑ کر پوچھوں تو۔" وہ بلکنے لگی۔ عرشہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"ان سوالوں کے جواب تو میں بھی ڈھونڈتی ہوں مریم۔ مجھے ملیں تو تمہیں بتاؤں؟" عرشہ کے لب کپکپائے۔ مریم نے دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

دونوں کے چہرے پر ایک سی دکھ رقم تھا۔

دونوں کی آنکھوں میں ایک سے پچھتاوے تھے۔

عرشہ نے چاہا کہ وہ نہ روئے۔ مگر مریم اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔

ہم پرندے ہیں نہ مقتول ہوائیں پھر بھی
آ کسی روز کسی دکھ پہ اکٹھے روئیں



حمیدہ بیٹھک کے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ وہی پلنگ جو کبھی برکت حسین کے وجود سے آباد ہوتا تھا۔ جن کی کڑک دار آواز پورے گھر میں سنائی دیتی۔ آج اسی گھر کے در و دیوار میں روح کو چیرنے والی خاموشی سرایت کر گئی تھی۔ وہ جب گھر کے سناٹے سے تنگ آجاتیں تو یہیں آکر گھنٹوں بیٹھی رہتیں۔ ثوبان اور نعمان گھر پر ہی نہ ہوتے۔ ثوبان نئی ملازمت کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ نعمان بنا تھا' اب دکان پر بھی نہیں بیٹھتا۔ کسی کو فکر ہی نہ تھی کہ گھر میں کوئی راشن ہے یا نہیں ہے۔ حمیدہ کس حال میں ہیں۔ ہر کوئی بس منہ چھپائے پھرتا تھا۔

حمیدہ بیٹھک میں آکر گلی والی کھڑکی کھول کر سنسان گلی کو تکتی رہتیں۔ کبھی دماغ کی رو بھٹک سی جاتی۔ یوں لگتا ابھی ابھی ویں رکی ہے۔ عرشہ اور مریم کالج سے گھر آگئی ہیں۔ وہ چولہا جلا کر بلاوجہ روٹیاں بنانے لگتیں۔ اور انہیں روٹیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بلی کو ڈالتے ہوئے روتی جاتیں۔ کبھی آتے جاتے نمازیوں میں برکت حسین کو کھوجنے لگتیں۔

کبھی یاد آتا ثوبان اوپر بھوکا بیٹھا ہے۔ تو اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ جاتیں۔ اور خالی کمرے میں دھاڑیں مار مار کر روتیں۔

کبھی بغیر سوچے سمجھے اسٹور کا نمبر ملا کر سودے گنوانے لگتیں۔ حالانکہ دوسری طرف کوئی بھی فون نہ اٹھاتا تھا۔

اس دن نعمان اور ثوبان اتفاقاً اکٹھے ہی گھر آگئے تھے۔

"خدا کے لیے گھر آجایا کرو۔ نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"نوکری ڈھونڈ رہا ہوں اماں! گھر بیٹھ کر کیا کروں؟" ثوبان نے جوتا اتار کر دور پھینکا۔

"اور اسے تم گھر کہتی ہو اماں! وحشت ہوتی ہے اس کی دیواروں سے۔" نعمان نے منہ پر پانی کے چھپاکے مارتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"پھر مجھے بھی کہیں چھوڑ آؤ۔ میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں۔ یہ اکیلا پن تو مجھے مار ڈالے گا۔"

"اماں! اب یہ ڈرامے بازیاں مت کریں۔ کچھ کھانے کو ہے تو دے دیں۔" ثوبان نے بے زاری سے کہا۔

"گھر میں کوئی راشن نہیں تھا۔ میں کیا پکاتی۔" ثوبان نے نعمان کو دیکھا۔ برسوں سے گھر میں راشن ڈلوانے کی ذمہ داری اسی پر تھی۔

"تو اسٹور پر کیوں نہیں جاتا؟" حمیدہ نے نعمان سے پوچھا۔

"آپ کیوں نہیں جاتیں، محلے میں اپنی سہیلیوں کے پاس؟" نعمان نے تولیہ تار سے کھینچتے ہوئے بے حد طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمیدہ چپ کی چپ رہ گئیں۔

"وہ تو ایک بار کالک مل کر گئی ہے۔ لوگ بار بار

تے ہیں... بہانے بہانے سے سوال کرتے ہیں... میرا تو دل کرتا ہے آگ لگادوں ہر چیز کو۔" وہ بھڑکا۔

"تجھے نوکری نہیں ملی ثوبان؟" حمیدہ نے بات ہی بدل دی۔

"نوکری کوئی حلوائی کی دکان پر پڑے لڈو نہیں ہیں' جو میں جا کر اٹھالوں۔" وہ غصے سے بولا۔

"تو کہا کس نے تھا پہلی نوکری کو لات مار دو یا برداشت نہیں ہوا کہ جس کمپنی کا مالک بننے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ وہاں ملازم بن کر کام کرو..."

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" ثوبان سے نعمان کا طنز برداشت نہیں ہوا۔ "نہ تم میرے اور عریشہ کے درمیان آتے نہ یہ سب ہوتا۔ مگر تمہیں تو دکان اور مکان چاہیے تھا۔ لو اب لے لو..."

"میرے منہ نہ لگنا ورنہ منہ توڑ دوں گا۔" دونوں اپنی اپنی فرسٹریشن ایک دوسرے پر نکالنے لگے۔

حمیدہ نے دونوں کو لڑتے دیکھا اور جا کر بیٹھک میں بیٹھ گئیں۔

"پاگلوں کی طرح لڑ رہے ہیں دونوں... سیاپا تو میرا تھا... میں نعمان کی شادی اس استانی سے کرادیتی تو یہ سب نہ ہوتا۔"

☼ ☼ ☼

"تم واپس اسکول جوائن کرلو۔" نبیلہ نے مریم کو مشورہ دیا۔

"میں... میں وہاں کیسے جاسکتی ہوں۔" مریم ڈر گئی۔ محلے میں موجود ساتھی ٹیچرز کی بدولت یہ قصہ بہت دور تک پھیل گیا تھا۔

"اب لوگوں کو فیس تو کرنا ہی پڑے گا... یوں بیٹھ کر زندگی تو نہیں گزرے گی... ایک بار اچھی خاصی ٹھوکر لگ گئی ہے۔ امید ہے عقل آہی گئی ہوگی۔" نہ چاہتے ہوئے ان کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔

مریم سر جھکا کر لب چبانے لگی۔

"محسن سے کہتی ہوں... کسی اور اسکول میں تمہارے تبادلے کی کوشش کرے۔ جب تک کسی ڈھنگ کی جگہ رشتہ نہیں ہو جاتا... مصروفیت ڈھونڈنی ہوگی۔"

مریم نے چونک کر سر اٹھایا... کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ نبیلہ بول اٹھیں۔

"اب یہ مت کہنا کہ تمہیں شادی نہیں کرنی۔ کیونکہ میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا... بتایا ہے۔"

مریم نے دوبارہ سے سر جھکالیا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم۔" ابرار کی زوردار آواز پر ناشتے کی میز پر بیٹھے افراد چونک گئے۔

"لگتا ہے میں بہت وقت پر آیا ہوں۔ ابھی ناشتا شروع ہوا ہے۔" گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس گھر میں ابرار کی بے تکلفی خاصی بڑھ گئی تھی۔ ایگزامز کے بعد وہ فارغ تھا اور ایک پرائیویٹ کالج میں پڑھا رہا تھا۔

"خالہ! آپ کو پوتے کی بہت بہت مبارک ہو..." اس نے خوش دلی سے کہا۔ نبیلہ مسکرادیں۔

"تمہیں بھی... آخر تم ہی تو اس کے چاچو ہو۔" رات ہی فاطمہ کے ہاں بیٹا ہوا تھا۔ مریم اور حمیدہ ہسپتال میں اس کے پاس تھیں۔ نبیلہ اور عریشہ کو بھی لے کر جانا تھا۔

"ہسپتال کون کون جائے گا؟ محسن بھائی نے گاڑی دے کر بھیجا ہے۔" وہ عریشہ پر اک سرسری نگاہ ڈال کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عریشہ نے پوری توجہ انڈے کی طرف مبذول کرلی۔

"سب ہی چلیں گے' پہلے تم ناشتا کرلو۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ... اور عریشہ بی بی! اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"ابھی کچھ سوچا نہیں۔" عریشہ نے آہستگی سے کہا۔

"جلدی سوچیں! وقت تو ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسل جاتا ہے۔" وہ توس پر مکھن لگانے لگا۔

"میں لیکچرر شپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" عریشہ نے تذبذب سے کہا۔

"...آن! اب اتنا نہ سوچیں' عمل کرلیں۔ میری مدد کی ضرورت ہوئی تو حاضر ہوں۔"

"تم کیا نیکی کے فرشتے ہو؟" عریشہ ہنسی۔

"تمہاری ہنسی اتنی بری تو نہیں پھر مسکرانے میں بخل کیوں کرتی ہو۔" ابرار کے اچانک کہنے پر عریشہ نے سٹپٹا کر نبیلہ کو دیکھا۔

وہ انہماک سے چائے پینے لگیں۔

"میں سامان پیک کرلوں۔" عریشہ اٹھ گئی۔

"کیا بے ہودگی تھی؟" عریشہ کے جانے کے بعد نبیلہ نے گھورا۔

"میں نے تو صرف تعریف کی تھی۔" ابرار نے معصومیت سے کہا۔

"پرائی لڑکیوں کی تعریف کرتے شرم نہیں آتی؟" انہوں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"مجھے تو وہ کبھی بھی پرائی نہیں لگی۔" ابرار کا لہجہ مدھم ہوگیا۔

نبیلہ نے اسے غور سے دیکھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا سلائس پلیٹ میں رکھ دیا۔

"خالہ! آپ سے کیا پردہ؟ شروع ہی سے ہر بات آپ سے شیئر کرتا آرہا ہوں... جب بھی لائف پارٹنر کے بارے میں سوچا ایک اسی کا خیال آتا تھا۔" وہ سادہ مزاج تھا۔ سادگی سے اظہار کرگیا۔

عریشہ کچن کے دروازے میں ہی رک گئی۔

"سب کچھ جانتے بوجھتے؟" نبیلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ اتنی اہم باتیں نہیں ہیں کہ میں انہیں یاد رکھوں۔" ابرار نے لاپروائی سے کہہ کر سلائس اٹھا لیا۔

"اور اگر عریشہ کو اعتراض ہوا؟"

"اسے پورا حق حاصل ہے... آپ سے اس لیے شیئر کررہا ہوں کہ زندگی میں جب بھی اس کے بارے میں کچھ سوچیں' مجھے ضرور ذہن میں رکھیں... کیونکہ میرا کام کوشش کرنا ہے۔ باقی میں نصیب پر چھوڑ دیتا ہوں۔"

"اسی لیے اتنے مطمئن اور پرسکون رہتے ہو۔"

"جی! اور ذرا دیکھ لیں' محترمہ کچن میں جا کر سو تو نہیں گئیں۔ وہاں ناشتے کے لیے لوگ بے تاب بیٹھے ہوں گے۔"

"دیکھتی ہوں۔" نبیلہ کہہ کر اٹھ گئیں۔ عریشہ مڑ کر سامان بیگ میں رکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

مریم کو شک سا تھا کہ وہ اسکول میں تبادلہ ہو کر آنے والی سینئر ٹیچر کو جانتی ہے۔ جانتی نہیں تو کم از کم دیکھا ضرور ہے۔ تب ہی بریک ٹائم میں ان کے پاس جا بیٹھی

"جب سے آپ سے ملی ہوں' اسی الجھن میں ہوں کہ آپ کو کہاں دیکھا ہے؟"

"ہم لوگ پہلے اسی شہر میں رہتے تھے' اس لیے آتے جاتے ملاقات ہوئی ہوگی۔ ابا ہیڈ ماسٹر تھے... ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد آبائی شہر چلے گئے تھے۔"

"تو واپسی کیسے ہوئی؟"

"ابا کی وفات کے بعد رشتے داروں کی آنکھیں ہی بدل گئیں تو سوچا اگر تنہا اور کرائے کے گھر میں ہی رہنا ہے تو اس شہر میں کیوں نہیں۔ جہاں ساری زندگی گزری ہے۔" اس کی آنکھیں اداس اور مسکراہٹ خوب صورت تھی۔

"شادی نہیں کی؟" مریم جب سے اس اسکول میں آئی تھی اس نے کسی سے بھی دوستی نہیں کی تھی مگر اس لڑکی میں ایسی کشش تھی کہ وہ بے اختیار کھنچتی چلی گئی۔

"چھوڑو یار... اس ملک میں اچھے رشتوں کا خاصا کال ہے۔" اس نے ہنس کر بات ٹال دی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"عائشہ..."

"میں مریم ہوں۔"

عائشہ بھی تنہا تھی اور مریم بھی... دونوں میں چپکے سے اس دوستی کا آغاز ہوگیا جس نے آگے چل کر

زندگی کی بہت سی گرہیں سلجھائی تھیں۔



"کب آئے گا؟" ماسٹر الیاس کی بیٹھک کی پرانی سی دری پر بیٹھی' پرانے ٹی وی پر نظریں جمائے آنکھیں پتھرانے لگی تھیں۔ جمیلہ نے بے کلی سے پہلو بدلا۔

"بس آنے والا ہے۔" ماسٹرنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دی۔

"فخر پاکستان میں آج ہم آپ کی ملاقات کرواتے ہیں__ C.A کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے اور یونیورسٹی کا بیس سالہ ریکارڈ توڑنے والے نوجوان ابرار علی سے__ جن کا تعلق پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہے' مگر انہوں نے ہمت اور حوصلے سے ناسازگار حالات کو نہ صرف اپنے حق میں ہموار کیا بلکہ__" کمپیئر نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔

جمیلہ پلکیں جھپکنا بھول گئی۔

ابرار علی اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

"اس ویلے آوارہ کو کوئی کم ہے' جو گھر واپسی کی جلدی ہو۔ صبح صبح دو ڈکار کے بستہ لٹکا کر چلتا بنتا ہے__ تو تو شہر بھیج کے بے فکر ہو جاتی ہے کہ پتر کالج جا رہا ہے' اب وہاں نہ جانے کیا کیا گل کھلا رہا ہو گا۔"

ابرار علی کمپیئر سے ہاتھ ملا رہا تھا۔

"اتنا مان بھی اچھا نہیں جمیلہ! جب کوئی دھیلا کما کے تیرے ہاتھ پر رکھے گا' تب اچھلنا__ ابھی تو کام کا نہ کاج کا' دشمن اناج کا۔"

ابرار علی کرسی پر بیٹھ رہا ہے۔

"چل! اب دیکھ لیں گے__ چاچے کے بغیر کون سا تیر مارے گا۔ چار دن میں دھکے کھا کر واپس نہ آیا تو میرا نام بھی کبیر' نہیں۔"

"ایسے ہی نوجوان ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں' فخر ہیں۔" کمپیئر کہہ رہا تھا۔

جمیلہ دھواں دھار رونے لگی۔

اس کے بیٹے کی مشکلوں کا سفر تمام ہو گیا تھا۔

اس نے اپنی منزل پالی تھی۔

"میں اس سب کا کریڈٹ اپنی ماں کو دیتا ہوں' جن کی ہمت اور دعاؤں نے راستے میں چراغ جلائے رکھے۔" ابرار علی کہہ رہا تھا۔

"میرا بچو__ میرا بچو__" وہ ہنس رہی تھی' رو رہی تھی۔ ماسٹرنی نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"اب تو آنسو پونچھ لے جمیلہ۔ اب تو تیرے اچھے دن آئے ہیں۔" ماسٹر الیاس نے صافے سے آنکھیں صاف کیں۔



"آئی ایم پراؤڈ آف یو__" محسن نے ابرار کو بھینچ لیا۔ ابرار کی آنکھیں نم اور سرخ تھیں۔ کل اسے جوائن کرنا تھا۔

اور اس نے پوری رات ایک پل کے لیے بھی سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا__ یہ سجدۂ شکر اس پر واجب تھا۔ جس نے مشکلیں دی تھیں__ اسی نے ہمت اور حوصلہ بھی دیا تھا۔ ان مشکلوں سے نکلنے کا رستہ بھی سجھایا تھا۔

"یہ سب آپ لوگوں کے تعاون سے ہوا ہے محسن بھائی!" اس نے خلوص دل سے کہا۔

"نہیں' یہ تمہاری اپنی کاوش ہے ابرار۔"

"اب ماں کو بھی لے آؤ بیٹا۔" نبیلہ نے کہا۔

"جی! اس ویک اینڈ پر جا رہا ہوں۔"

"گھر کا ارینج ہو گیا؟" محسن نے پوچھا۔

"جی! ہو گیا__"

"لیکن پہلے تم جمیلہ کو لے کر یہاں آؤ گے۔" نبیلہ نے پابندی لگائی۔

"انہیں یہاں تو لانا ہی ہے' کیونکہ اصل بات تو وہی کریں گی۔" نبیلہ مسکرا دیں۔ محسن نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"اچھا خالہ! محسن بھائی! اب میں چلتا ہوں' بہت کام رہتے ہیں۔" ابرار خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

"یہ کیا کہہ رہا تھا' کون سی اصل بات؟"

"وہ عریشہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"واقعی؟ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"
"ابرار جیسے لوگ بہت نایاب ہوتے ہیں محسن! ان کی نگاہیں تو آسمان چھوتی ہیں۔ مگر قدم مضبوطی کے ساتھ زمین پر جمے رہتے ہیں۔ انکساری ان کا وصف اور حوصلے ان کا امتیازی نشان ہوتے ہیں۔"
"ٹھیک کہتی ہیں۔ میں نے اسے ہر کامیابی کے بعد پہلے سے زیادہ جھکتے دیکھا ہے۔"
"پھل دار درخت ہمیشہ زمین کی طرف جھکتا ہے۔ شاید خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے۔" نبیلہ نے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اس کی بہت بری حالت ہے کبراں۔۔۔ دیکھ کے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس کی حالت نہیں ہے گھر پر کیس کروانے والی۔ آپریشن ہوگا۔ شہر لے جانا پڑے گا۔" گاؤں کی دائی بیٹھی کہہ رہی تھی۔ اصغر اور کبریٰ سر جھکائے بیٹھے تھے۔
"وہ دن سے بڑی تکلیف میں ہے۔۔۔ کسی بھینس کی طرح ڈکراتی ہے۔۔۔ جیسے جان نکل رہی ہو۔" کبریٰ نے تڑپ کر اصغر کو دیکھا۔
"تو کیوں چپ کر کے بیٹھا ہے۔ جا اسے لے کے آ۔۔۔ ہائے! میری اکو اک دھی۔۔۔ کن ظالموں کے پلے پڑ گئی۔" وہ سینہ کوٹنے لگی۔ "وہ مر جائے گی۔"
"حوصلہ رکھ کبراں۔۔۔" جمیلہ نے تسلی دینا چاہی۔
"کیسے حوصلہ کروں؟ میری دھی مر رہی ہے جمیلہ۔"
"بھا اصغر! ایسے کیوں بیٹھا ہے؟ جا کر بات تو کر۔۔۔ ان کے پاس کوئی روپے پیسے کی کمی ہے۔ شہر کیوں نہیں لے جا رہے۔۔۔ نہیں لے جا سکتے ناں! ہم لے جاتے ہیں۔"
"میں گئی تاں! مجھے میری بشریٰ سے نہیں ملنے دیا چوہدرائن نے۔۔۔ کچھ کر لے اصغر۔۔۔ نئیں تے بشارو نا سیے گی۔"
"دیکھتا ہوں۔" اصغر صافہ اٹھا کر تھکے تھکے انداز میں اٹھ گیا۔

"وہ ڈھاڈے لوگ ہیں پر دھی تاں ہماری ہے نا۔"
"اللہ بہتر کرے گا۔۔۔ کبراں! حوصلہ پکڑ۔" جمیلہ نے سب کچھ بھلا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

"اوئے اصغر! میری گل سن لے کن کھول کے۔" چوہدری یاسین نے بڑے کروفر سے حقے کی کش لگاتے ہوئے کہا۔ اصغر اس کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔
"بیٹیاں اس طرح نہیں بستیں۔۔۔ دوسرے تیسرے دن بھی تو آجاتا ہے بھی تیری زنانی۔"
"چوہدری صاحب! اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اسے میرے ساتھ بھیج دو۔۔۔ میں شہر کے ہسپتال لے جاؤں گا۔"
"ناں! تجھے یہ زنانیوں والی باتیں کون بتاتا ہے۔ شرم کر شرم۔۔۔ پہلے ہماری زنانیاں شہر جا کے بچے جنتی رہی ہیں؟ ایک تو پہلے ای اپنی دھی کو کوئی عقل مت نہیں دی۔ اور پر سے یہ نخرے۔۔۔" وہ گرجے۔
"چوہدری یاسین! رحم کر۔۔۔ رحم۔" اصغر نے بہت مجبور ہو کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔
"چل ٹھیک ہے! جا لے جا فر۔۔۔ پر واپس نہ چھوڑن آئیں۔"
"ابا جی۔۔۔" بشریٰ کا شوہر اندر سے خود بھی شہر لے جانے کا حامی تھا۔ مگر کہنے کی ہمت نہ تھی۔
"ارے! چپ کر اوئے۔۔۔ ہاں بھئی! دس فر۔۔۔ ٹھیک ہے! ہمارے پتر کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔۔۔ ادھر وہ جائے گی ادھر میں دوجا ویاہ کر دوں گا۔"
چوہدری یاسین نے اصغر کی بولتی ہی بند کر دی تھی

☼ ☼ ☼

اصغر کو اندر آتا دیکھ کر کبریٰ لپک کر قریب آئی۔ جمیلہ نے اصغر کے عقب میں دیکھا۔
"لے آیا بشریٰ کو۔۔۔ کہاں ہے؟" اصغر نے صافہ اتار کر چارپائی پر پھینکا۔ "نہیں آنے دیا چوہدریوں نے۔ وہ کہتے ہیں بچے پکے ای لے جاؤ۔۔۔ پتر کا دوجا ویاہ

کر دیں گے۔" وہ خود بھی ڈھے گیا۔
"ہائے! میں مر گئی۔۔۔ اے کس طرح ہو سکدا اے۔" کبریٰ نے دہل کر کلیجے پر ہاتھ رکھا۔
"چھوڑ آیا میں۔۔۔"
"چھوڑ آیا۔۔۔؟ کیوں چھوڑ آیا۔۔۔؟ تو لڑ جھگڑ کے اسے لے آتا۔"
"کیسے لے آتا؟ میں کلا (اکیلا) وہ اتنے سارے کیسے لے آتا میں۔" اصغر سر پر ہاتھ رکھ کے رونے لگا۔ "ظالم قن کملانے سے بہتر ہے وہ مر جائے۔"
"اللہ نہ کرے۔"
"نہیں پتا ہے میرے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔۔۔ میں کلا تھا میں کلا ہوں۔۔۔ ہائے ربا۔۔۔ مجھے بھی پتر دیا ہوتا۔۔۔ اج میری باہنہ پھڑ کے کھڑا ہوتا تو ان کی جرأت تھی۔ پر میرا تو کوئی وی نہیں۔۔۔ میں تے کلا رکھ (اکیلا درخت) ہوا۔"
"کس نے کہا کہ تیرا کوئی نہیں ہے؟" جمیلہ نے بجلی کی طرح آنکھوں سے پلو ہٹایا۔
"بلو۔" اصغر نے برستے آنسوؤں میں بھتیجے کو دیکھا جس کی شان اور اٹھان ہی اور تھی۔ اس کے عقب میں کھلے دروازے سے سفید گاڑی جھانک رہی تھی۔
"میں ہوں نا تیرا۔۔۔ بھتیجا بھی، بیٹا بھی، بازو بھی۔" اصغر نے کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا گیا۔ ابرار نے اسے مضبوط بازوؤں میں سنبھال لیا۔
کبریٰ اپنا رونا بھول گئی تھی۔
"تو بشریٰ کو لے کر آتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں وہ لوگ کیسے نہیں آنے دیتے۔"
کبریٰ روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ چاچا، چاچی کو چپ کراتے ہوئے اس نے ماں کو دیکھا۔
وہ آنسوؤں میں مسکرا رہی تھی۔ جمیلہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ گویا بیٹے کی اعلا ظرفی کی داد دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بلو! اب میں اس گھر میں رہوں گی؟" جمیلہ نے حیرت و اشتیاق سے گھر کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔ حالانکہ ابھی وہاں بہت ہی تھوڑا سامان تھا۔
"ہاں۔۔۔" وہ آسودگی سے مسکرایا۔
"دیکھ تو ایسے چکنے چکنے فرش ہیں۔ میں نے تو سیاں سے ضرور ہی گر جانا ہے۔"
"نہیں گرتیں میں ہوں نا۔" ابرار ہنسا۔
"ہاں! تو تو جیسے سارا دن میرے گوڈے سے لگ کر بیٹھا رہے گا۔" جمیلہ نے ناراضی سے دیکھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن میں لے آیا۔
"ہائے ربا! یہ باورچی خانہ ہے۔" جمیلہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ "کانچ کے برتن، گیس کے چولہے، نہ پتر نہ یہ سارا کچ میرے بس کی گل نہیں ہے۔"
"حد ہو گئی اماں! تمہاری خاطر تو سارا کچھ کر رہا ہوں۔"

"وے پاگلا! تیری ماں نے ساری حیاتی مٹی لیپ کے چولہا جلایا ہے۔ وہ کیا جانے ان گیس کے چولہوں کو۔"

"اس کا مطلب ہے سب بے کار گیا۔" ابرار نے مایوسی سے سر ہلایا۔
"بے کار کیوں؟ کسی اچھی سی شہری لڑکی سے شادی کر لے۔ سب کچ کام میں آجائے گا۔"
"اور اگر اس لڑکی نے کہا کہ میری ساس پینڈو ہے۔ مٹی لیپ کر چولہا جلانے والی۔۔۔ مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا تو پھر؟" ابرار نے چھیڑا۔
ایک لمحے کو جمیلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ پھر وہ جلال میں آئی۔
"گت سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دوں گی۔"
"لیکن ایک مسئلہ ہے نا۔ شہری لڑکیوں کی گت نہیں ہوتی۔" دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔ جمیلہ نے پیار اور آسودگی سے بیٹے کا چہرہ دیکھا۔
"تو نے اچھا کیا جو اپنے چاچا، چاچی کو معاف کر دیا۔"

"اماں! میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے والا۔ بلکہ میں تو ان کا احسان مند ہوں۔۔۔ وہ مجھے اس طرح نہ

دھتکارتے۔۔۔ گھر سے نہ نکلتے تو شاید میں اس مقام تک کبھی نہ پہنچتا۔"

اس دن وہ لوگ بشریٰ کو لے کر فوراً" شہر پہنچے تھے۔ اور بڑی مشکلوں سے بشریٰ اور اس کے بچے کی جان بچی تھی۔ ابرار نے چوہدری صاحب سے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ پولیس کیس ہے۔۔۔ لیکن کیونکہ اس کی رشتے داری بھی ہے اور بشریٰ کی جان بھی بچ گئی سو وہ یہ قدم نہیں اٹھا رہا۔۔۔ کیونکہ یہ تو ابرار بھی جانتا تھا کہ ان زمین داروں کے لیے مقدمے بازی کسی کھیل سے زیادہ نہیں ہوتی۔۔۔ مگر ابرار کی بات چیت اور پوتے کی خوشی نے انہیں خاصا نرم کر دیا تھا۔

اصغر اور کبریٰ اس سے آنکھیں نہیں ملا رہے تھے مگر ابرار نے اپنے کسی رویے سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کے اندر کوئی گلہ شکوہ بھی ہے۔ اصغر کو بے تحاشا شرمندگی کے ساتھ ساتھ بے پناہ تقویت کا احساس ہوا تھا۔

"آپ یہاں بیٹھیں میں چائے بناتا ہوں۔" ابرار نے جمیلہ کو کرسی پر بٹھایا۔

"حق ہا۔۔۔ اب میں فیر کرسی پر بیٹھ کر چائے پیوں گی۔" جمیلہ کو خود ہی شرم آگئی۔

ابرار کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔



"عائشہ! آپ نے کبھی محبت کی ہے؟" اسٹاف روم میں صرف وہ دونوں تھیں، جب مریم نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔ عائشہ نے چونک کر کاپی سے نظریں اٹھائیں۔

"بتائیں نا عائشہ!" مریم کے لہجے میں اداسی تھی۔

"محبت تو نہیں کہہ سکتی ہاں! محبت کے احساس کو ضرور چھوا تھا۔"

"پھر۔۔۔؟"

"پھر کیا؟ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے گھر والے غالباً" راضی نہیں تھے۔۔۔ ایک دن امی ان کے گھر تعزیت کے لیے گئیں اور۔۔۔" وہ ڈھیرے ڈھیرے سب کچھ بتاتی گئی اور مریم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"آپ کس جگہ رہتی تھیں؟" مریم نے سنبھل کر پوچھا۔

عائشہ نے جگہ بتائی اور مریم کو یاد آگیا' اس نے عائشہ کو کہاں دیکھا تھا۔۔۔ وہ محلے میں نکلنے کی عادی نہ تھی اور عائشہ بھی اسکول اور گھر کے علاوہ کہیں نہیں جاتی تھی۔ مگر ایک ہی محلے میں رہنے کی وجہ سے کہیں نہ کہیں دیکھا تو تھا۔

"اور تم۔۔۔؟" عائشہ نے اپنی بات مکمل کر کے پوچھا

"میں نے تو محبت بھی کی اور دھوکا بھی کھالیا۔" وہ تلخی سے بولی۔

"کون تھا وہ؟"

"مجھے چھوڑیں' جو آپ کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ آپ کی امی نے یوں ہی کہہ دیا تھا۔" مریم نے ٹالا۔

"ہاں! عزت بچانے کا یہی طریقہ تھا۔"

"اور آپ نے محبت کی قربانی دے دی؟"

"ظاہر ہے! محبت عزت سے بڑھ کر تو نہیں ہوتی۔" عائشہ نے رسان سے کہا تو مریم نظریں چرا گئی۔

"نجانے وہ کون لڑکیاں ہوتی ہیں۔۔۔ جو اپنی محبت کی خاطر گھر والوں کو زندہ در گور کر دیتی ہیں۔" مریم کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"محبت پر بس کہاں چلتا ہے۔"

"محبت پر نہیں' لیکن بڑھتے قدموں پر تو بس ہونا چاہیے۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ یا تو انسان اپنی محبت کی خاطر لڑے۔ اگر لڑ نہیں سکتا تو ہتھیار ڈال دے۔ نعمان مجھ سے محبت کرتا تھا۔ میرے لیے بہت آسان تھا' اس کی محبت کو بغاوت بنا دیتی۔ لیکن میری نظروں کے سامنے میرے بوڑھے ماں باپ کے چہرے تھے۔ زمانے کے طعنے تو ایک طرف۔۔۔ وہ تو میری طرف اٹھی انگلی دیکھ کر ہی مر جاتے۔۔۔ سو میں نے پہلے ہی مرحلے پر ہتھیار ڈال دیے۔"

عائشہ کو اندازہ ہی نہ تھا کہ اس کے منہ سے نکلے

مریم کی روح پر کوڑے برسا رہے ہیں اور وہ لب بھینچ اپنے اندر اٹھتی چیخوں کو روکنے کی سعی کر رہی تھی۔ تب ہی بات کرتے کرتے عائشہ کی نگاہ اس پر پڑی۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" مریم کھڑی ہو گئی۔ "آپ جانتی ہیں میں کون ہوں؟"

عائشہ نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"میں نعمان کی بہن ہوں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔

عائشہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔



ابرار گیٹ سے اندر آیا۔ لان میں بیٹھی عرشہ کو دیکھ کر اسی طرف آگیا۔ وہ فرصت سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

"السلام علیکم!" ابرار کی آواز پر اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"غالباً" اسے اخبار کہتے ہیں۔"

"یقیناً"۔۔۔" وہ سامنے بیٹھ گیا۔ عرشہ کچھ گھبرا سی گئی۔ وہ فوراً" اٹھنے لگی۔

"بیٹھ جاؤ عرشہ! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" ابرار نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسی بات؟" وہ ٹھٹکی۔

"کچھ خاص نہیں بس میں چاہتا تھا کہ امی کو لانے سے پہلے تم سے بات کرلوں۔ دراصل میری امی بہت ہی سادی ہیں اور مجھے تو وہ شہزادہ سمجھتی ہیں۔ تو انہیں بہت دکھ ہو گا اگر تم نے ان کے سامنے مجھے ریجیکٹ کر دیا۔ سو میں نے سوچا پہلے خود ہی کنفرم کر لوں کہ۔۔۔" اس نے ذرا رک کر گلا کھنکھارا۔

"کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

عرشہ بھونچکی رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ابرار اسے یوں براہ راست پروپوز کرے گا۔

"مجھے اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟" وہ بہت دیر تک کچھ نہ بولی تو ابرار کو کہنا پڑا۔

"تم میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔" عرشہ نے نظریں چرائیں۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" ابرار نے کندھے اچکائے۔

"میرا ماضی اتنا بھی شفاف نہیں کہ یوں کندھے اچکا کر نظر انداز کر دیا جائے۔" عرشہ کو غصہ آگیا۔

"تو کس طرح کرنا چاہیے؟" ابرار نے سادگی سے پوچھا۔

"تم کس مٹی کے بنے ہو؟" عرشہ جھنجلائی۔

"میری نظر سامنے دیکھتی ہے۔۔۔ پیچھے پلٹ پلٹ کر دیکھنا مجھے وقت کا زیاں لگتا ہے۔۔۔ آپ سے غلطیاں ہو گئیں۔ آپ نے ان سے سبق بھی سیکھ لیا۔۔۔ آپ نے ٹھوکر کھائی۔۔۔ آپ سنبھل بھی گئے۔۔۔ دیٹس اٹ۔۔۔ اب ان غلطیوں کو لے کر روتے ہی رہیں؟"

"وہ غلطیاں نہیں گناہ تھے۔" عرشہ کی نگاہ جھک گئی۔

"یہ خدا کا معاملہ ہے۔ میں نہیں جانتا۔" اس نے آرام سے ہاتھ جھاڑے۔ عرشہ نے خاموشی سے نظریں جھکالیں۔

ابرار نے اسے غور سے دیکھا اور اپنے مخصوص دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے ذرا آگے ہوا۔

"ایک دن میں بیمار تھا۔۔۔ اک مہربان پری نے چائے بنا کر دی تھی اور دوا بھی۔۔۔ میں نے بہت دل سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! اس مہربان پری کو سیدھا رستہ دکھانا۔ اس کے ساتھ وہی کرنا جو اس کے لیے بہتر ہو۔۔۔ میں نے ثوبان کے اندر رتی بھر بھی اخلاص نہیں پایا تھا۔ وہ اپنی غرض کا بندہ تھا۔۔۔ مجھے نہیں پتا' میرا دل تمہارے لیے کیوں دکھتا تھا۔ اپنی ٹف ترین روٹین میں تمہارے لیے کیوں سوچتا تھا۔۔۔ مجھے نہیں پتا میں ہر نماز میں تمہارے لیے دعائیں کرتا تھا۔"

اس کے لہجے کا جذب' سادگی اور گہرائی۔۔۔

عزیزہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
کیا خدا نے اس کی توبہ قبول کرلی تھی۔
یا ماں کی دعائیں اب بھی اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔
"مجھے تمہارے جواب کی جلدی نہیں ہے۔ تم اچھی طرح سوچ لو سمجھ لو۔ بہتر ہے کسی سیانے سے مشورہ بھی کرلو۔" ابرار کے لہجے میں ہلکی سی شرارت جھلکی۔ "لیکن پلیز! یہ فیصلہ ماضی کو سامنے رکھ کر نہیں اپنے حال اور مستقبل کو سامنے رکھ کر کرو۔۔۔ میں جواب لینے پھر آجاؤں گا۔" وہ کھڑا ہوا۔
"ابرار! تمہیں تو کوئی بھی اچھی لڑکی مل جائے گی۔"
"پھر تمہیں اچھا لڑکا کہاں سے ملے گا۔" ابرار نے بے چارگی سے کہا۔ عرشیہ جز بز ہو کر لب چبانے لگی۔ وہ کرسی پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔
"میں نے اچھی لڑکی ڈھونڈ کر ہی اس کے سامنے یہ پروپوزل رکھا ہے۔۔۔ اللہ حافظ۔" عرشیہ نے آنسوؤں کی دھند میں اسے گیٹ سے نکلتے دیکھا۔
اور ٹیرس پر کھڑی نبیلہ کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔



فاطمہ کو دیکھ کر حمیدہ کھل سی گئیں۔
"شکر ہے فاطمہ! تو نے چکر تو لگایا۔۔۔ پہلے تو بانو ہر ہفتے آجاتی تھی۔ اب تو وہ بھی نہیں آتی۔ سارا دن ان دیواروں کو گھور گھور کر تنگ آجاتی ہوں۔ لڑکے ہیں تو وہ بھی گھر میں نہیں ٹکتے۔ چھوٹے ہی کو لے آتیں۔" وہ ترسے ہوئے لہجے میں بولیں۔
"مریم اور عرشیہ کے پاس تھا۔۔۔ میں ڈرائیور کے ساتھ بازار تک گئی تھی تو ادھر آگئی۔" فاطمہ نے پھلوں کا تھیلا ان کے قریب رکھا۔
"اللہ تیرا بھلا کرے۔۔۔ کتنے دن ہو گئے پھل کی شکل بھی نہیں دیکھی۔۔۔" حمیدہ تیزی سے سیب نکال کر کھانے لگیں۔
"اماں تو ہوتی نہیں۔"
"بڑی بھوک لگی تھی۔"
"آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا؟"
"خود تو باہر سے کھا پی آتے ہیں۔۔۔ اور گھر میں لینے کو کوئی چیز نہیں۔"
فاطمہ تھیلا اٹھا کر کچن میں رکھنے گئی تو دل دکھ سے بھر گیا۔ گندے سندے کچن میں واقعی کچھ نہ تھا، فریج بھی خالی۔۔۔ وہ تھیلا اندر رکھ کر خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔
"تھک جاتی ہوں اکیلے رہتے رہتے۔ آپ نے فرید کو بھی ماموں کے پاس بھجوا دیا۔ ہوتا تو۔۔۔"
"کیا کرتی؟ اسکول سے آتا تھا تو سارا دن گھر میں الٹی سیدھی باتیں سنتا تھا۔ اس کا دماغ خراب ہو رہا تھا اس لیے بھجوا دیا۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں، مریم کو ہی لے آؤں۔"
"مریم کو وہیں رہنے دیں۔ پھپھو نے ایک رشتہ دیکھا ہے اس کے لیے۔ لڑکے والے پسند کرتے ہیں۔ اب لڑکے کو دیکھنے جانا ہے۔۔۔ دعا کریں، یہ رشتہ ہو جائے۔ مریم یہاں آئی تو کوئی نہ کوئی بات لڑکے والوں کے کانوں میں پڑ جائے گی۔"
"مریم مان گئی ہے؟"
"اب بھی نہ مانتی۔۔۔" فاطمہ نے تلخی سے کہا۔
"کمبخت کیسی مٹی ڈالی تھی سر میں۔۔۔ باپ کو بھی مار ڈالا۔"
"اپنا کیا ہی آگے آتا ہے اماں!" فاطمہ نے آہستگی سے کہا۔ حمیدہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔
"ہاں اب بیٹھ کر میرا قصور ہی نکال۔"
"مریم کا دماغ اسی گھر سے خراب ہوا تھا اماں! آپ نے عرشیہ کو بھی کسی بات کے لیے نہیں روکا ٹوکا۔ بھلے ان دونوں کی شادی ہونا تھی۔۔۔ پھر بھی کچھ حد ہوتی ہیں۔۔۔ ایک دوسرے کے لیے مرمٹنے، ہر چیز لٹانے اور محبتوں میں قربانی دینے کے سبق مریم نے بچپن سے پڑھے تھے اور یہ بھی کہ اپنی محبت کی خاطر

رشتوں کو دھوکا دینا کتنا آسان ہے۔۔۔ یاد ہے، آپ نے عرشہ کو کیسے استعمال کیا تھا؟"

"بس کر جا فاطمہ!" حمیدہ کی آواز بے بسی سے گھٹ کر رہ گئی۔

"اور مریم کو چھوڑیں۔ آپ نے نعمان کے ساتھ کیا کیا؟" فاطمہ کا لہجہ لاشعوری طور پر تیز ہو گیا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" انہوں نے نظریں چرائیں

"کیا حرج تھا اگر اس کی شادی ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ سے ہو جاتی؟"

"میں نے تو تم لوگوں کی خاطر کیا۔۔۔ بھائیوں کی شادی ہو جائے تو بہنوں کو پوچھتے تک نہیں۔" حمیدہ نے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"اس کا مطلب تھا کہ آپ بیٹیوں کی خاطر بیٹے کے دل کی خوشی چھین لیں؟ اماں! ہر کسی کو اس کے نصیب کا ملنا ہوتا ہے۔ میں بھی حیران تھی کہ ٹھیک ہے، نعمان بھائی شروع ہی سے غصے والے تھے۔ مگر اتنے بے حس تو نہیں تھے۔۔۔ ہر کسی کا خیال رکھتے تھے۔ پھر ایک دم سے اتنے بدل کیسے گئے۔ اب سمجھ میں آتا ہے وہ یہ سب انتقاماً کر رہے تھے۔ کیونکہ معاف کرنے کا ظرف تو ہم میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔" وہ بس بولتی چلی گئی۔ جیسے یہاں صرف اپنی بھڑاس نکالنے آئی ہو۔

"تجھے یہ سب کس نے بتایا؟"

"عائشہ مریم کے ساتھ پڑھاتی ہے اور اہم بات یہ کہ اس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔"

"اچھا۔" حمیدہ چپ سی ہو گئیں۔

"اماں!" فاطمہ نے ان کا ہاتھ تھاما۔ "نعمان بھائی کو ان کے دل کی خوشی دے دیں۔ ورنہ اس گھر کی دیواروں سے یہ خاموشی اور وحشت ساری زندگی لپٹی رہے گی۔ سب کچھ بدل گیا ہے۔ اب آپ بھی بدل جائیں۔ یہ گھر گھر نہیں لگتا، اک ویران سرائے بن کے رہ گیا ہے۔ میکہ کیسا بھی ہو، لڑکی کا مان ہوتا ہے ۔۔۔ وہ اپنی سسرال میں بھی بے چین رہتی ہے اگر اس کے میکے والے تکلیف میں ہوں۔ اماں! اگر شروع کے جو بیج گیا ہے اُسے سنبھال لیں ورنہ سب ختم ہو جائے گا۔"

فاطمہ روتے ہوئے اٹھ گئی۔ حمیدہ اندھیرا ہونے تک وہیں گم صم سی بیٹھی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

گھر بھی اچھا تھا اور گھر والے بھی خاصے سلجھے ہوئے تھے۔ لڑکے کی دونوں بہنیں بہت ہنس مکھ اور بے تکلف سی تھیں۔ عرشہ کے ساتھ فوراً ہی گھل مل گئیں۔

"یا اللہ! یہاں مریم کی بات بن جائے۔" عرشہ نے دل ہی دل میں دعا کی۔

"برخوردار گھر پر نہیں ہیں۔" چائے کے لوازمات سجائے جانے لگے تو نبیلہ نے پوچھا۔

"وہ گھر پر ہی ہے۔ جاؤ فضہ! بلا کر لاؤ۔" ماں نے کہا تو لڑکی فوراً اٹھ گئی۔ دوسری بہن سب کو چائے پیش کرنے لگی۔

جس وقت اس نے عرشہ کو کپ تھمایا عین اسی وقت لڑکے نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا۔ عرشہ کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا۔ چائے نے اسے کہاں کہاں جلایا۔ اسے خبر نہ تھی۔ سب لوگ بوکھلا کر اس کی طرف لپکے۔

اور عرشہ ٹکٹکی باندھے فہد کو اور وہ عرشہ کو دیکھ رہا تھا۔

"فہد! تم۔"

"عرشہ۔۔۔"

سب ٹھٹک کر دونوں کو دیکھنے لگے۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ جس مریم کو گھر والے ۔۔۔"

"ہاں۔۔۔" عرشہ کے ہاتھ سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ جہاں چائے گری تھی۔

"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟" فہد کے والد نے سنبھل کر پوچھا۔

"جی انکل یہ میرے کالج فیلو رہے ہیں۔ ہم نے بی اے اکٹھے کیا تھا۔" عرشہ بیٹھ گئی۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔" انہوں نے گھبرا کر بیگم کو دیکھا۔ پرانا قصہ نہ تھا، جب فہد اپنے کالج کی لڑکی کے پیچھے پاگل ہو رہا تھا۔ بلکہ اب تک وہیں اٹکا ہوا تھا۔ بڑی منتوں کے بعد مہمانوں کے سامنے آنے پر تیار ہوا تھا۔

"ابو! جس مریم کو آپ میرے لیے پسند کر کے آئے ہیں۔" فہد باپ کی طرف مڑا۔ "وہی لڑکی ہے جس سے میں شادی کرنا چاہتا تھا۔"

سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نعمان نے اسٹور سے سارا سودا بھجوایا تھا۔

"وہ آج اسٹور پر بیٹھا ہے؟" حمیدہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جی! بہت دنوں بعد اسٹور پر خود بیٹھے ہیں۔ ورنہ اتنے دنوں سے میں اکیلا ہی دیکھ رہا تھا۔" سامان لانے والے لڑکے نے جواب دیا۔ حمیدہ خوشی خوشی سامان سنبھالنے لگیں وہ نہیں جانتی تھیں کہ فاطمہ نے نعمان کو فون کیا تھا۔ وہ بڑا بھائی تھا مگر فاطمہ نے اسے خوب ڈانٹا تھا۔

"آپ دونوں یہ کیوں بھول گئے کہ جو عورت اس گھر میں بیٹھی ہے۔ جیسی بھی ہے، آپ کی ماں ہے۔ مانا کہ انہوں نے بہت غلطیاں کیں۔ مگر اولاد ہونے کے ناتے آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ انہیں ان کی غلطیوں کی سزا بھی دیں۔۔۔ آپ کو اگر عائشہ نہیں ملی تو اس میں آپ کا نصیب۔۔۔ لیکن یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ وہ بھوکی پیاسی گھر میں بیٹھی رہیں۔ رب کو منہ دکھانا ہے یا نہیں۔" فاطمہ بس ذرا دیر کو سانس لینے رکی۔

"دوسری بات محسن اور پھوپھو نے فیصلہ کیا ہے کہ اسٹور آپ کے پاس رہے گا۔ بس مارکیٹ کے حساب سے جو کرایہ بنتا ہے وہ عرشہ کے اکاؤنٹ میں ڈلوا دیا کریں۔ مکان کا کرایہ تو وہ پہلے ہی وصول کر رہی ہے۔"

نعمان کے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ ورنہ عرشہ حق ملکیت کا دعویٰ بھی کر سکتی تھی۔ اور کچھ فاطمہ کی باتوں کا اثر تھا۔ اس نے سارا راشن بمعہ سبزی گوشت وغیرہ بھجوا دیا تھا۔

حمیدہ نے ہری مرچیں اور خوب ٹماٹر ڈال کر گوشت بھونا۔ تازہ تازہ پھلکے بنائے۔۔۔ مگر جب کھانے بیٹھیں تو ایک نوالہ نہ لیا گیا۔ ان کے کانوں میں برکت حسین کی آواز گونجنے لگی۔

"سارے ٹبر کو روٹی کھلاوے گی۔ میرے لیے روٹی ڈالتے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔"

حمیدہ نے بے بسی سے نوالے کو دیکھا۔

"ڈکار لے۔۔۔ سارے کباب اکیلے اکیلے ڈکار لے۔"

حمیدہ نے نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا۔

یا اللہ! یا مجھے اٹھا لے یا اس عورت کو۔"

"ہائے ہائے۔۔۔ صرف اپنی بات کرو۔ مجھے تو ابھی زندگی میں بہت کچھ دیکھنا ہے۔"

"ہاں! تیری تو یہی خواہش ہے کہ میں کسی دن سوتے سے ہی نہ اٹھوں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"میں تو اوپری دل سے کہتی تھی برکت حسین! تم نے اتنی جلدی کر دی۔"

"اماں!" نعمان کی آواز پر انہوں نے پہلے پلو سے چہرہ صاف کیا پھر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں! تیرا ابا یاد آ گیا تھا۔"

"کھانا بن گیا ہو تو دے دو۔" وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

حمیدہ نے دو پھلکے ڈالے اور ٹرے میں رکھ کر لے گئیں۔ نعمان ہاتھ سر کی پشت تلے رکھے چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اٹھ گیا۔

"یہ ثوبان آج کل کدھر ہوتا ہے؟" بہت عرصے

کے بعد بھائی نے بھائی کے بارے میں پوچھا تھا۔
"نوکری مل گئی ہے۔ وہیں جاتا ہے۔"
"اچھا۔" اس نے حسب عادت کھانے سے پہلے کف الٹائے۔
"نعمان! اب مجھ سے کام نہیں ہوتا۔ ویسے بھی سارا دن پاگلوں کی طرح خود سے باتیں کرتی رہتی ہوں۔ تو اب شادی کر لے۔ اس گھر میں بھی تھوڑی رونق ہو جائے۔"
"اماں! آئندہ مت کہنا۔" نعمان نے سنجیدگی سے کہا۔
"کیوں؟"
"مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ نوالہ منہ میں ڈالنے لگا۔
"عائشہ سے بھی نہیں؟" نعمان کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا۔
"کون عائشہ؟"
"استانی عائشہ۔ تیری عائشہ۔" وہ مسکرائیں۔
"اس کا نکاح ہو گیا تھا۔"
"نہیں ہوا تھا۔ اس کی ماں نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ اب بھی تیرا نصیب ہے۔ میں جاؤں گی اس کی ماں سے معافی مانگوں گی اور اس وقت تک دہلیز نہیں چھوڑوں گی جب تک وہ عائشہ کا ہاتھ ہمیں نہیں دے دیتی۔"
"اماں۔" وہ اب بھی بے یقین تھا۔
"کھانا کھالے، چھٹی والے دن چلیں گے۔" وہ واپس پلٹ گئیں۔
نعمان بہت دنوں کے بعد کھل کر مسکرایا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جس پل میں جذبوں کو سمجھنے کے قابل ہوئی۔ دل پر تمہارا نام لکھا۔ آج تک تمہیں سوچا، تمہیں چاہا۔ ہر لمحہ تمہاری بن کے گزارا، مجھے نہیں پتا، تم مجھ پر شک کیوں کرنے لگے ہو۔ لیکن میں صرف تمہیں چاہتی ہوں، میرا یقین کرو، تمہاری بدگمانی مجھے مار ڈالے گی۔"

عریشہ کی سسکتی آواز ہر وقت اس کے کانوں میں گونجتی رہتی۔
"مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوئی۔ کاش! میں نے اس وقت عریشہ کا انتخاب کیا ہوتا تو آج سب کچھ میرے ہاتھ میں ہوتا۔ کیسے پاگلوں کی طرح میرے ارد گرد گھومتی تھی۔ میرے ایک اشارے پر سب کچھ وار دینے کو تیار رہتی تھی۔ کیسی بھول ہو گئی مجھ سے۔ ہیرا ساکھو کر منہ کے بل آ گری۔ اور گھر کی دولت بھی گنوا دی۔" اس نے سگریٹ سلگائی اور کش پر کش لگانے لگا۔
سگریٹ نوشی بھی اس نے کچھ عرصہ قبل ہی شروع کی تھی۔ جب سے وہ کر عریشہ اس کے اعصاب پر سوار ہونے لگی تھی۔ کبھی اسے لگتا وہ اس کے لیے کافی بنا کے لائی ہے۔ کبھی اس سے سرخ گلابوں کی فرمائش کرتی یاد آتی۔ تو کبھی چاند کو تکتی اس کے بے حد قریب۔
"وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔" ثوبان اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ ادھورا چاند کتنا اکیلا اور اداس لگ رہا تھا۔
"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ پھر سے مجھ پر نثار ہونے لگے۔"
"جو کچھ تم نے اس کے ساتھ کیا۔ کیا وہ اب بھی تمہارے ساتھ محبت کرے گی؟" چاندنی نے تلخی سے سوال کیا۔
"ہاں۔ مجھے احساس ہی نہیں تھا کہ میں اسے کتنا چاہتا ہوں۔ اس کی محبت میری ضرورت ہے۔"
"وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔"
"محبت نفرت میں بدل سکتی ہے تو نفرت بھی محبت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔"
اس نے سگریٹ کا طویل کش لے کر دھواں ہوا میں چھوڑا۔

☼ ☼ ☼

"ہم اپنی اولاد کے ساتھ کتنی زیادتی کر جاتے ہیں بھائی صاحب۔" نبیلہ نے رسان سے کہا۔ اس دن وہ

... اٹھ آئے ... اور ... فہد کے والدین ... مٹھائی کے ٹوکرے کے ساتھ مریم کا رشتہ مانگنے ...
"کسی کو بغیر جانے، بغیر دیکھے، محض اس لیے ریجیکٹ کر دیتے ہیں کہ اسے ہم نے نہیں ہمارے ... نے پسند کیا ہے۔ اور کتنی عجیب بات ہے، ... نے خود بھی اسی لڑکی کو پسند کیا جس کے لیے آپ ... ہاں نہیں کر رہا تھا۔"
"آپ نے ٹھیک کہا۔ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔ ہم والدین کبھی کبھار واقعی اپنی انا کے پیچھے بچوں کی خوشیاں داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ ہم نے فہد کو کن مشکلوں سے شادی پر راضی کیا، یہ ہم ہی جانتے ہیں۔" فہد کے والد نے شرمندگی سے کہا۔
"اور اسی غلطی کو سدھارنے ہم آپ کے پاس دوبارہ آئے ہیں۔" فہد کی والدہ نے ماحول کے تناؤ کو اپنی مسکراہٹ سے کم کرنے کی سعی کی۔

☼ ☼ ☼

"میں نے ہمیشہ سوچا تھا کہ تم جب بھی میرے سامنے آؤ گے ایک بار تمہارا گریبان پکڑ کر سوال ضرور کروں گی کہ تم نے میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیوں کیا؟" مریم فہد کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔
"میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا تھا مریم۔"
"مجھے گھر سے نکال کر سڑک پر کھڑا کر دیا۔ اور فون بند کر دیا۔ بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلے گئے اور کہتے ہو دھوکا نہیں دیا۔" وہ چیخ اٹھی۔
"مریم! میری بات سنو۔"
"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی اور مجھے تم جیسے ذلیل انسان کے ساتھ شادی بھی نہیں کرنی۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔" اس کی بلند آواز پر عریشہ بھاگتی ہوئی آئی۔
"مریم! میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے

عین وقت پر احساس ہوا کہ ہم غلط کرنے جارہے ہیں۔ مجھے لگا تم میرا انتظار کرکے گھر واپس چلی جاؤ گی اور ہم کوئی رستہ نکال لیں گے۔"

"ایک لڑکی کا گھر سے نکلنا اتنا آسان ہوتا ہے؟ اپنی عزت نفس کو داؤ پر لگا کر گھر والوں کی عزت پیروں تلے روند کر نکلتی ہے۔۔۔ کیا یہ سب اتنا آسان تھا؟ میرا باپ مر گیا میری اس نادانی کے ہاتھوں۔۔۔ اور تم کہتے ہو مجھ سے غلطی ہو گئی۔۔۔ کون تھا مجھے اس مقام تک لانے والا۔۔۔ بولو۔۔۔ تم تھے۔۔۔ تم۔۔۔ اور نقصان صرف میرا ہوا۔"

عریشہ نے آگے بڑھ کر اسے تھامنا چاہا۔

"جانتے ہو اس رات میں کیسے گھر پہنچی تھی۔ میں نے کیسے اپنی عزت بچائی تھی۔ مگر تمہیں یہ سب کیوں بتا رہی ہوں۔ تم ان لوگوں میں سے ہو، جنہیں محبت کرنا تو آتی ہے مگر محبت نبھانا نہیں۔ مجھے نفرت ہے تم سے تم رشتے کی بات کرتے ہو۔ میں تو تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"مریم۔۔۔" فہد نے کچھ کہنا چاہا۔ عریشہ ان دونوں کے درمیان آگئی۔

"فہد! پلیز تم اس وقت چلے جاؤ۔"

فہد نے بے بسی سے بے حال ہوتی مریم کو دیکھا اور لب بھینچتا وہاں سے چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"اب کیا تکلیف ہے تمہیں؟ کیوں انکار کر رہی ہو؟ وہی مل رہا ہے جس کے لیے گھر سے بھاگ رہی تھیں، تو پھر اب یہ نخرے کیوں؟ شکر کرو، عزت سے گھر کی ہو رہی ہو۔ ورنہ تم جیسی لڑکیاں ساری زندگی لوگوں کے طعنے سنتی ہیں۔۔۔ یا زہر کھا کر مر جاتی ہیں اور ایک بات کان کھول کر سن لو نعمان تمہیں وہاں لے جانے پر راضی نہیں اور میں تمہیں یہاں زیادہ دن نہیں بٹھائے رکھوں گی۔ اگر تم یہ امید لگائے بیٹھی ہو کہ اتنی بدنامی کے بعد تمہارے لیے کوئی ڈھنگ کا رشتہ آئے گا تو اسے دل سے نکال دو۔"

فاطمہ گرج برس کر چلی گئی تھی۔

اس کے الفاظ زہر میں بجھے تیر سہی۔ مگر حقیقت سے کتنے قریب تھے۔ یہ بات مریم بھی جانتی تھی سو ہی لب سیئے دھواں دھواں چہرے کے ساتھ سختی کی (سی) رہی۔

"مریم!" عریشہ اس کے پاس آکر بیٹھی۔

"عریشہ! کوئی بھی میرے احساسات نہیں سمجھتا۔"

"سب سمجھتے ہیں مریم!" عریشہ نے بازو پھیلا کر خود سے قریب کر لیا۔

"لیکن کچھ باتیں تمہیں بھی سمجھنی ہوں گی۔"

"میں کیسے اس انسان سے شادی کرلوں جس نے میرے ساتھ اتنا برا کیا؟" وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔

"وہ اپنی غلطی پر بہت شرمندہ ہے۔"

"اس کی شرمندگی میری نیک نامی واپس لا سکتی ہے؟"

"شاید تمہیں اس گھر میں پورے عزت و احترام کے ساتھ جانا تھا۔ تب ہی اس لمحے فہد کمزور پڑ گیا۔ مریم! کبھی کبھار ہمیں خود بھی احساس نہیں ہوتا کہ تقدیر نے ہمارے نصیب میں ہماری خوشی لکھ دی ہوئی ہے مگر ہم اپنی جلد بازی کے ہاتھوں اپنا ہی برا کر لیتے ہیں۔۔۔ جانتی ہو، بانو آپا کے دیور نے تم سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔"

مریم کو جھٹکا لگا۔

"اس نے کہا جو لڑکی ایک بار مجھے انکار کر سکتی ہے مجھے دوبارہ اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں جوڑنا۔ تو وہ صرف اپنی ضد سے جان چھڑانے کے لیے اس دیور کی شادی پر زور دے رہی تھیں۔ اگر اس رات تم رک جاتیں تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی۔"

مریم شدید صدمے سے کچھ بول ہی نہ پائی۔

ثوبان نے انہیں لان میں بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ دونوں کی اس طرف پشت تھی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے سرخ گلابوں کے گلدستے کو دیکھا اور اپنی ہمت مجتمع کرتا آگے بڑھا۔ اس نے سوچ لیا تھا پہلے عریشہ اس کے آگے پیچھے گھومتی تھی۔ اب یہی کام اسے کرنا تھا۔ اسے ہر صورت سوری بولنا

تھا۔

"پلیز مریم! فہد کو معاف کردو۔"

"اچھا۔۔۔ تم ثوبان کو معاف کر سکتی ہو؟"

ثوبان کے قدم رک گئے۔

چند لمحوں کی خاموشی بہت طویل ہو گئی تھی۔

"نہیں۔"

"کیوں؟ اگر میں فہد کو معاف کرتی ہوں تو تمہیں بھی ثوبان کو معاف کرنا ہوگا۔"

"نہیں مریم! تم غلط جج کر رہی ہو۔۔۔" کچھ لمحوں کے بعد عریشہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"فہد سے ایک لمحے میں درست فیصلہ نہ کرنے کی غلطی ہوئی تھی۔ وہ بعد میں بھی پچھتاتا، دیوانہ وار تمہیں ڈھونڈتا رہا ہے جبکہ ثوبان۔۔۔ اس نے سوچ سمجھ کر جانتے بوجھتے، ہر قسم کے نفع نقصان کو سامنے رکھ کر اپنی محبت سے دست برداری اختیار کی تھی۔ بھول کی معافی ہوتی ہے مریم! خود غرضی اور غلط نیت کی نہیں۔ ثوبان کی بھی میں اس محبت کو دفن کر کے فاتحہ بھی پڑھ چکی ہوں۔۔۔ لیکن مجھے ہر سال محبت کی اس قبر پر پھول چڑھانا گوارا نہیں۔۔۔ ثوبان سے میری محبت میری بھول تھی اور میں اس کے لیے خود کو معاف کر چکی۔ میں ابرار سے شادی کر رہی ہوں۔"

ثوبان کے ہاتھ سے پھول چھوٹ کر بے آواز گھاس پر گرے۔

"کیونکہ وہ ایک مخلص، سچا اور نیک نیت انسان ہے۔ اس کے اندر کوئی کھوٹ نہیں۔ میں اسے کھونے کی غلطی نہیں کروں گی۔ کیونکہ اسے تو کوئی بھی اچھی لڑکی مل جائے گی۔۔۔ لیکن مجھے اس جیسا مخلص اور سچا انسان دوبارہ نہیں ملے گا۔"

ثوبان خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔

"اٹھو مریم! آج ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اب کبھی اپنی غلطیوں کو نہیں دہرائیں گے اور کسی دوسرے کو الزام بھی نہیں دیں گے کیونکہ "ساری بھول ہماری تھی اور ہمیں اپنی اپنی بھول کو سدھارنا ہے۔" عریشہ نے کھڑے ہوکر ہاتھ پھیلایا۔

مریم نے اسے دیکھا۔۔۔ اور ہاتھ پکڑ لیا۔ دونوں ایک ساتھ چلتی اندر کی طرف چلی گئیں۔

عقب میں سرخ گلاب سبز گھاس پر بکھرے رہ گئے۔

یہی پھولوں کا نصیب ہے۔
کبھی خوشیوں کی سیج پر سجتے ہیں۔
کبھی قبروں کو ڈھانپ دیتے ہیں۔
تو کبھی سبز گھاس پر بکھرے رہ جاتے ہیں، کیونکہ
انہیں ناقدرے ہاتھوں نے چھوا ہوتا ہے۔

☼